تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۳۰

چند اہم مضامین کی فہرست

تفسیر سورة النبا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۲﴾ الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۳﴾ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِہٰدًا ﴿۶﴾ وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ﴿۷﴾ وَّ خَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ﴿۸﴾

میں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں

یہ لوگ کس چیز کی پوچھ گچھ کرتے ہیں ○ اس بڑی خبر کی ○ جس میں یہ مختلف ہیں ○ یقیناً یہ ابھی جان لیں گے ○ اور بالیقین انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا ○ کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا ○ اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ ○ اور ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا ○

پہاڑوں کی تنصیب، زمین کی سختی اور نرمی دعوت فکر ہے: ☆☆ (آیت:۱-۸) جو کفار قیامت کے آنے کے منکر تھے اور بطور انکار کے آپس میں سوالات کیا کرتے تھے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر تعجب کرتے تھے ان کے جواب میں اور قیامت کے قائم ہونے کی خبر میں اور اس کے دلائل میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ یہ لوگ آپس میں کس چیز کے بارے میں سوالات کر رہے ہیں؟

پھر خود فرماتا ہے کہ یہ قیامت کے قائم ہونے کی بابت سوالات کرتے ہیں جو بڑا بھاری دن ہے اور نہایت دل ہلا دینے والا امر ہے، گو حضرت مجاہدؒ سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے لیکن بہ ظاہر ٹھیک بات یہی ہے کہ اس سے مراد مرنے کے بعد جینا ہے، جیسے کہ حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا قول ہے، پھر اس الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ (جس میں یہ لوگ آپ میں اختلاف رکھتے ہیں) ان کا اختلاف یہ تھا کہ مومن تو مانتے تھے کہ قیامت ہوگی لیکن کفار اس کے منکر تھے۔ پھر ان منکروں کو خدا تعالیٰ دھمکاتا ہے کہ تمہیں عنقریب اس کا علم حاصل ہو جائے گا اور تم ابھی ابھی معلوم کر لو گے، اس میں سخت ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی عجیب و غریب نشانیاں بیان فرما رہا ہے جن سے قیامت کے قائم کرنے پر اس کی قدرت کا ہونا صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ جب وہ اس تمام موجودات کو اول مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو فنا کے بعد دوبارہ ان کا پیدا کرنا اس پر کیا مشکل ہوگا؟ تو فرماتا ہے دیکھو کیا ہم نے زمین کو لوگوں کے لئے فرش نہیں بنایا کہ وہ بچھی ہوئی ہے، ٹھہری ہوئی ہے حرکت نہیں کرتی، تمہاری فرمانبردار ہے اور مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہے اور پہاڑوں کو میخیں بنا کر زمین میں ہم نے گاڑ دیئے ہیں تا کہ نہ وہ ہل سکے نہ اپنے اوپر کی چیزوں کو ہلا سکے، زمین اور پہاڑوں کی پیدائش پر ایک نظر ڈال کر پھر تم اپنے آپ کو دیکھو کہ ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا یعنی مرد و عورت کہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع اٹھاتے ہو اور توالد تناسل ہوتا ہے بال بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا الخ، خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہیں میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اس نے اپنی مہربانی سے تم میں آپس میں محبت اور رحم ڈال دیا۔

وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَّ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّ جَعَلۡنَا النَّہَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّ بَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا

شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا○ اور رات کو ہم نے پردہ بنایا○ اور دن کو ہم نے وقت روزگار بنایا○ اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے○ اور ایک روشن چراغ پیدا کیا○ اور برسنے والے بادلوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا○ تا کہ اس سے ہم اناج اور سبزہ اگائیں' اور گھنے باغ بھی○

(آیت:۹-۱۶) پھر فرماتا ہے ہم نے تمہاری نیند کو حرکت کے کٹ جانے کا سبب بنایا تا کہ آرام اور اطمینان حاصل کر لو اور دن بھر کی تکان کسل اور ماندگی دور ہو جائے۔ اسی معنی کی اور آیت سورۂ فرقان میں بھی گذر چکی ہے رات کو ہم نے لباس بنایا کہ اس کا اندھیرا اور سیاہی سب لوگوں پر چھا جاتی ہے' جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا قسم ہے رات کی جبکہ وہ ڈھک لے' عرب شاعر بھی اپنے شعروں میں رات کو لباس کہتے ہیں- حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رات سکون کا باعث بن جاتی ہے اور برخلاف رات کے دن کو ہم نے روشن اجالے والا اور اندھیرے بغیر کا بنایا ہے تا کہ تم اپنا کام دھندا اس میں کر سکو' جا آ سکو' بیوپار تجارت لین دین کر سکو اور اپنی روزیاں حاصل کر سکو' ہم نے جہاں تمہیں رہنے سہنے کو زمین بنا دی وہاں ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے' جو بڑے لمبے چوڑے مضبوط پختہ عمدہ اور زینت والے ہیں' تم دیکھتے ہو کہ اس میں ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے لگ رہے ہیں بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ایک جگہ قائم ہیں۔

پھر فرمایا ہم نے سورج کو چمکتا چراغ بنایا جو تمام جہان کو روشن کر دیتا ہے ہر چیز کو جگمگا دیتا ہے اور دنیا کو منور کر دیتا ہے اور دیکھو کہ ہم نے پانی کی بھری بدلیوں سے بکثرت پانی برسایا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوائیں چلتی ہیں' ادھر سے ادھر بادلوں کو لے جاتی ہیں اور پھر ان بادلوں سے خوب بارش برستی ہے اور زمین کو سیراب کرتی ہے اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے-مُعْصِرَات سے مراد بعضوں نے تو ہوا لی ہے اور بعضوں نے بادل جو ایک ایک قطرہ برابر برساتے رہتے ہیں- مَرْاَةٌ مُّعْصِرَةٌ عرب میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کے حیض کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہو لیکن اب تک حیض جاری نہ ہوا ہو- حضرت حسنؒ اور قتادہؒ نے فرمایا مُعْصِرَات سے مراد آسمان ہے لیکن یہ قول غریب ہے' سب سے زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ مراد اس سے بادل ہیں' جیسے اور جگہ ہے اَللّٰهُ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو ابھارتی ہیں اور انہیں پروردگار کی منشاء کے مطابق آسمان میں پھیلا دیتی ہیں اور انہیں وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ انکے درمیان سے پانی نکلتا ہے- ثَجَّاجًا کے معنی خوب لگا تار بہنے کے ہیں جو بکثرت بہہ رہا ہو اور خوب برس رہا ہو- ایک حدیث میں ہے افضل حج وہ ہے جس میں لَبَّيْكَ خوب پکاری جائے اور خون بکثرت بہایا جائے یعنی قربانیاں زیادہ کی جائیں' اس حدیث میں بھی لفظ ثَجٌّ ہے' ایک اور حدیث میں ہے کہ استحاضہ کا مسئلہ پوچھنے والی ایک صحابیہ عورت سے حضورؐ نے فرمایا کہ تم روئی کا پھایا رکھ لو' اس نے کہا کہ حضورؐ وہ تو بہت زیادہ ہے میں تو ہر وقت خون بکثرت بہاتی رہتی ہوں' اس روایت میں بھی لفظ اَثُجُّ ثَجًّا ہے یعنی بے روک برابر خون آتا رہتا ہے' تو یہاں اس آیت میں بھی مراد یہی ہے کہ پانی ابر سے بہ کثرت برابر بے روک برستا ہی رہتا ہے واللہ اعلم-

پھر ہم اس پانی سے جو پاک صاف بابرکت نفع بخش ہے' اناج اور دانے پیدا کرتے ہیں جو انسان حیوان سب کے کھانے میں

آتے ہیں اور سبزیاں اگاتے ہیں جو تر و تازہ کھائی جاتی ہیں اور اناج کھلیان میں رکھا جاتا ہے پھر کھایا جاتا ہے اور باغات اس پانی سے پھلتے پھولتے ہیں اور قسم قسم کے ذائقوں رنگوں خوشبوؤں والے میوے اور پھل پھول ان سے پیدا ہوتے ہیں گو کہ زمین کے ایک ہی ٹکڑے پر وہ ملے جلے ہیں۔ اَلْفَافًا کے معنی جمع کے ہیں اور جگہ ہے وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں جو آپس میں ملے جلے ہیں اور انگور کے درخت ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں بعض شاخ دار بعض بغیر زیادہ شاخوں کے اور وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں اور ہم ایک سے ایک کو میوہ میں زیادہ کرتے ہیں یقیناً عقل مندوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

بیشک فیصلہ کا دن ہے وقت مقرر کردہ ○ جس دن صور پھونکا جائے گا پھر تم سب جماعت جماعت بن کر آؤ گے ○ اور آسمان کھول دیا جائے گا اور دروازے دروازے ہو جائیں گے ○ اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سفید بادل ہو جائیں گے ○

جماعت در جماعت حاضری: ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۰) یعنی قیامت کا دن ہمارے علم میں مقرر دن ہے، نہ وہ آگے ہو نہ پیچھے، ٹھیک وقت پر آ جائے گا، کب آئے گا اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں، جیسے اور جگہ ہے وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ نہیں ڈھیل دیتے ہم انہیں لیکن وقت مقرر کے لئے، اس دن صور میں پھونک ماری جائے گی اور لوگ جماعتیں جماعتیں بن کر آئیں گے، ہر ہر امت اپنے اپنے نبی کے ساتھ الگ الگ ہوگی؟ جیسے فرمایا يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں سمیت بلائیں گے۔

صحیح بخاری شریف میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دونوں صور کے درمیان چالیس ہوں گے لوگوں نے پوچھا چالیس دن، کہا میں نہیں کہہ سکتا، پوچھا چالیس مہینے، کہا مجھے خبر نہیں، پوچھا چالیس سال، کہا میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا، پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور جس طرح درخت اُگتے ہیں لوگ زمین سے اگیں گے، انسان سارا کا سارا گل سڑ جاتا ہے لیکن ایک ہڈی اور وہ کمر کی ریڑھ کی ہڈی ہے اسی سے قیامت کے دن مخلوق مرکب کی جائے گی، آسمان کھول دیئے جائیں گے اور اس میں فرشتوں کے اترنے کے راستے اور دروازے بن جائیں گے، پہاڑ چلائے جائیں گے اور بالکل ریت کے ذرے بن جائیں گے، جیسے اور جگہ ہے وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً یعنی تم پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو جان رہے ہو وہ پختہ مضبوط اور جامد ہیں لیکن یہ بادلوں کی طرح چلنے پھرنے لگیں گے، اور جگہ ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ پہاڑ مثل دھنی ہوئی اون کے ہو جائیں گے، یہاں فرمایا پہاڑ سراب ہو جائیں گے یعنی دیکھنے والا کہتا ہے کہ وہ کچھ ہے حالانکہ دراصل کچھ نہیں، آخر میں بالکل برباد ہو جائیں گے نام و نشان تک نہ رہے گا۔

جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا الخ، لوگ تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ انہیں میرا رب پرگندہ کر دے گا اور زمین بالکل ہموار میدان رہ جائے گی جس میں نہ کوئی موڑ ہوگا نہ ٹیلا اور جگہ ہے وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تو دیکھے گا کہ زمین بالکل کھل گئی ہے۔

بیشک دوزخ تاک میں ہے O شریروں کا ٹھکانا O وہی ہے اس میں وہ قرنوں تک پڑے رہیں گے O نہ کبھی اس میں خنکی کا ذائقہ پائیں نہ پانی کا O سوائے گرم پانی اور بہتی پیپ کے O بدلہ دیئے جائیں گے پورا پورا O انہیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی O اور مکرا مکرا کر ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے O ہم نے ہر ایک چیز کا لکھ کر احاطہ کر رکھا ہے O اب تم مزہ اٹھاؤ ہم تمہارے عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے O

(آیت: ۲۱-۳۰) پھر فرماتا ہے سرکش نافرمان مخالفین رسول کے تاک میں جہنم لگی ہوئی ہے' یہی ان کے لوٹنے کی اور رہنے سہنے کی جگہ ہے' اس کے معنی حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ نے یہ بھی کئے ہیں کہ کوئی شخص جنت میں بھی نہیں جا سکتا جب تک جہنم پر سے نہ گذرے' اگر اعمال ٹھیک ہیں تو تو نجات پالی اور اگر اعمال بد ہیں تو روک لیا گیا اور جہنم میں جھونک دیا گیا۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اس پر تین تین پل ہیں' پھر فرمایا وہ اس میں مدتوں اور قرنوں پڑے رہیں گے۔ اَحْقَابٌ جمع ہے حَقْبٌ کی' ایک لمبے زمانے کو حقب کہتے ہیں' بعض کہتے ہیں حقب اسی سال کا ہوتا ہے' سال بارہ ماہ کا' مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا' بہت سے صحابہ اور تابعین سے یہ مروی ہے بعض کہتے ہیں' ستر سال کا حقب ہوتا ہے' کوئی کہتا ہے چالیس سال کا ہے جس میں ہر دن ایک ہزار سال کا' بشیر بن کعب تو کہتے ہیں ایک ایک دن اتنا بڑا اور ایسے تین سو ساٹھ سال کا ایک حقب' ایک مرفوع حدیث میں ہے حقب مہینہ مہینہ تیس دن کا' سال بارہ مہینوں کا' سال کے دن تین سو ساٹھ ہر دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا (ابن ابی حاتم) لیکن یہ حدیث سخت منکر ہے اس کے راوی قاسم جو جابر بن زبیر کے لڑکے ہیں یہ دونوں متروک ہیں' ایک اور روایت میں ہے کہ ابو مسلم بن علاء نے سلیمان تیمی سے پوچھا کہ کیا جہنم میں سے کوئی نکلے گا بھی؟ تو جواب دیا کہ میں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم جہنم میں سے کوئی بھی بغیر مدت دراز رہے نہ نکلے گا پھر کہا اسی سے اوپر کچھ سال کا ہوتا ہے اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا جو تم گنتے ہو۔

سدی کہتے ہیں سات سو حقب رہیں گے ہر حقب ستر سال کا' ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر کا حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں یہ آیت فَذُوْقُوْا کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے' خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ یہ آیت اور آیت اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ یعنی جہنمی جب تک اللہ چاہے جہنم میں رہیں گے یہ دونوں آیتیں توحید والوں کے بارے میں ہیں' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ احقاب تک رہنا متعلق ہو آیت حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا کے ساتھ یعنی وہ ایک ہی عذاب گرم پانی اور بہتی پیپ کا مدتوں رہے گا پھر دوسری قسم کا عذاب شروع ہوگا لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا خاتمہ ہی نہیں۔ حضرت حسنؒ سے جب یہ سوال ہوا تو کہا کہ احقاب سے مراد ہمیشہ

جہنم میں رہنا ہے' لیکن حقب کہتے ہیں ستر سال کو جس کا ہر دن کے ایک ہزار برس کے برابر ہوتا ہے' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ احقاب کبھی ختم نہیں ہوتے ایک حقب ختم ہوا دوسرا شروع ہو گیا ہاں ہم نے یہ سنا ہے کہ حقب اسی سال کا ہوتا ہے۔ ان احقاب کی صحیح مدت کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' ہاں یہ ہم نے سنا ہے کہ ایک حقب اسی سال کا' ایک سال تین سو ساٹھ دن کا' ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کا' ان جہنمیوں کو نہ تو کلیجے کی ٹھنڈک ہوگی نہ کوئی اچھا پانی پینے کا ملے گا' ہاں ٹھنڈک کے بدلے گرم کھولتا ہوا پانی ملے گا اور کھانے پینے کی چیز بہتی ہوئی پیپ ملے گی' حمیم اس سخت گرم کو کہتے ہیں جس کے بعد حرارت کا کوئی درجہ نہ ہو اور غساق کہتے ہیں جہنمی لوگوں کے لہو پیپ پسینہ آنسو اور زخموں سے بہے ہوئے خون پیپ وغیرہ کو' اس گرم چیز کے مقابلہ میں یہ اس قدر سرد ہوگی جو بجائے خود عذاب ہے اور بے حد بدبودار ہے۔

سورۂ ص میں غساق کی پوری تفسیر بیان ہو چکی ہے اب یہاں دوبارہ اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں' اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے کل عذابوں سے بچائے۔ بعض نے کہا ہے برد سے مراد نیند ہے عرب شاعروں کے شعروں میں بھی برد نیند کے معنی میں پایا جاتا ہے' پھر فرمایا یہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہے' ان کی بداعمالیاں بھی تو دیکھو کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حساب کا کوئی دن آنے ہی کا نہیں' ہم نے جو دلیلیں اپنے نبی پر نازل فرمائی تھیں یہ ان سب کو جھٹلاتے تھے۔ کِذَّابًا مصدر ہے اس وزن پر اور مصدر بھی آتے ہیں' پھر فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں کے تمام اعمال و افعال کو گن رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے' وہ سب ہمارے پاس لکھے ہوئے ہیں اور سب کا بدلہ بھی ہمارے پاس تیار ہے' ان جہنمیوں سے کہا جائے گا کہ اب ان عذابوں کا مزہ اٹھاؤ' ایسے ہی اور اس سے بھی بدترین عذاب تمہیں زیادتی کے ساتھ ہوتے رہیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جہنمیوں کے لئے اس سے زیادہ سخت اور مایوس کن اور کوئی آیت نہیں' ان کے عذاب ہر وقت بڑھتے ہی رہیں گے۔ حضرت ابو برزہ اسلمی سے سوال ہوا کہ جہنمیوں کے لئے سب سے زیادہ سخت آیت کون سی ہے تو فرمایا حضور علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا ان لوگوں کو خدا کی نافرمانیوں نے تباہ کر دیا' لیکن اس حدیث کے راوی جسر بن فرقد بالکل ضعیف ہیں۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿٣٥﴾ جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

یقیناً پرہیزگار لوگوں کے لئے کامیابی ہے ○ باغات ہیں اور انگور ○ اور نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں ○ اور جام شراب میں چھلکتے ہوئے ○ وہاں نہ تو بیہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھٹلانا بدلہ ہے ○ تیرے رب کی طرف سے انعام بھرپور ○

فضول اور گناہوں سے پاک دنیا: ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۶) نیک لوگوں کے لئے خدا کے ہاں جو نعمتیں و رحمتیں ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ کامیاب مقصد ور اور نصیب دار ہیں کہ جہنم سے نجات پائی اور جنت میں پہنچ گئے' حَدَائِق کہتے ہیں کھجور وغیرہ کے باغات کو۔ انہیں نوجوان کنواری حوریں بھی ملیں گی جو ابھرے ہوئے سینے والیاں اور ہم عمر ہوں گی' جیسے کہ سورۂ واقعہ کی تفسیر میں اس کا پورا بیان گذر چکا' اس حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی خدا کی رضامندی کے ہوں گے بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ بتلاؤ ہم تم پر کیا برسائیں؟ پھر جو وہ فرمائیں گے بادل ان پر برسائیں گے یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی (ابن ابی حاتم)۔

انہیں شراب طہور کے چھلکتے ہوئے پاک صاف بھرپور جام پر جام ملیں گے جس میں نشہ نہ ہوگا کہ بیہودہ گوئی اور لغو باتیں منہ سے نکلیں اور کان میں پڑیں' جیسے اور جگہ ہے لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ اس میں نہ لغو ہوگا نہ برائی اور گناہ کی باتیں کوئی بات جھوٹ اور

فضول نہ ہوگی۔ وہ دارالسلام ہے جس میں کوئی عیب کی اور برائی کی بات ہی نہیں' یہ جو کچھ بدلے ان پارسا بزرگوں کو ملے ہیں یہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے جو اللہ کے فضل وکرم سے اور اس کے احسان وانعام کی بناء پر ملے ہیں جو بے حد کافی ہیں جو بکثرت اور بھرپور ہیں عرب کہتے ہیں اَعْطَانِیْ فَاَحْسَبَنِیْ انعام دیا اور بھرپور دیا' اسی طرح کہتے ہیں حَسْبِیَ اللّٰہُ یعنی اللہ مجھے ہر طرح کافی وافی ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

ع ۱۰

پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بڑی بخشش کرنے والا کسی کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ○ جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے کوئی کلام نہیں کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے ○ یہ دن حق ہے اب جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنالے ہم نے تمہیں پاس کے عذاب سے ڈرا دیا جس دن انسان ہاتھوں کی آگے بھیجی ہوئی کمائی کو دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کاش کہ میں مٹی بن جاتا ○

روح الامین علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۷-۴۰) اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وجلال کی خبر دے رہا ہے کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوق کا پالنے پوسنے والا ہے' وہ رحمان ہے جس کے رحم نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے' جب تک اس کی اجازت نہ ہو کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا' جیسے اور جگہ ہے مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یعنی کون ہے جو اس کی اجازت بغیر اس کے سامنے سفارش لے جا سکے' اور جگہ ہے یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ جس دن وہ وقت آ جائے گا کوئی بھی بلا اجازت اس سے بات نہ کر سکے گا' روح سے مراد یا تو کل انسانوں کی روحیں ہیں یا کل انسان ہیں یا ایک قسم کی خاص مخلوق ہے جو انسانوں کی سی صورتوں والے ہیں کھاتے پیتے ہیں نہ وہ فرشتے ہیں نہ انسان یا مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں' حضرت جبرئیلؑ کو اور جگہ بھی روح کہا گیا ہے' ارشاد ہے۔ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ اسے امانت دار روح نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو ڈرانے والا بن جائے' یہاں مراد روح سے یقیناً حضرت جبرئیلؑ ہیں۔

حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں تمام فرشتوں سے بزرگ اور خدا سے بہت ہی نزدیک اور وحی لے کر آنے والے بھی ہیں یا مراد روح سے قرآن ہے۔ اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی جا سکتی ہے وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا یعنی ہم نے اپنے حکم سے تیری طرف روح اتاری' یہاں روح سے مراد قرآن ہے' چھٹا قول یہ ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتہ تمام فرشتوں سے بہت بڑا ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ روح نامی فرشتہ چوتھے آسمان میں ہے' تمام آسمانوں کل پہاڑوں اور سب فرشتوں سے بڑا ہے' ہر دن بارہ ہزار تسبیحیں پڑھتا ہے' ہر ہر تسبیح سے ایک ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے' قیامت کے دن اکیلا وہی ایک صف بن کر آئے گا لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ طبرانی میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں ایک فرشتہ وہ بھی ہے کہ اگر اسے حکم ہو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو لقمہ بنا لے تو وہ ایک لقمہ میں سب کو لے لے' اس کی تسبیح یہ ہے

سُبُحَانَكَ حَيُثُ كُنُتَ خدایا تو جہاں کہیں بھی ہے پاک ہے' یہ حدیث بھی بہت غریب ہے بلکہ اس کے فرمان رسول ہونے میں بھی کلام ہے' ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہو اور وہ بھی بنی اسرائیل سے لیا ہو واللہ اعلم۔

امام ابن جریرؒ نے یہ سب اقوال وارد کئے ہیں لیکن کوئی فیصلہ نہیں کیا' میرے نزدیک تو ان تمام اقوال میں سے بہتر قول یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد کل انسان ہیں واللہ اعلم' پھر فرمایا صرف وہی اس دن بات کر سکے گا جسے وہ رحمٰن اجازت دے' جیسے فرمایا يَوُمَ يَاتِ لَا تُكَلِّمُ نَفُسٌ اِلَّا بِاِذُنِهٖ یعنی جس دن وہ وقت آئے گا کوئی نفس بغیر اس کی اجازت کے کلام بھی نہیں کر سکے گا' صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس دن سوائے رسولوں کے کوئی اور بات نہ کر سکے گا' پھر فرمایا کہ اس کی بات بھی ٹھیک ٹھاک ہو' سب سے زیادہ حق بات لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے' پھر فرمایا کہ یہ دن حق ہے یقیناً آنے والا ہے' جو چاہے اپنے رب کے پاس اپنے لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ بنا لے جس پر چل کر وہ اس کے پاس سیدھا جا پہنچے' ہم نے تمہیں بالکل قریب آگئی ہوئی آفت سے آگاہ کر دیا ہے' آنے والی چیز کو تو آگئی ہوئی سمجھنی چاہئے' اس دن نئے پرانے چھوٹے بڑے اچھے برے کل اعمال انسان کے سامنے ہوں گے' جیسے فرمایا وَوَجَدُوُا مَا عَمِلُوُا حَاضِرًا جو کیا اسے سامنے پالیں گے۔ اور جگہ ہے يُنَبَّؤُا الْاِنُسَانُ يَوُمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ہر انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال سے متنبہ کیا جائے گا' اس دن کافر آرزو کرے گا کہ کاش کہ وہ مٹی ہوتا' پیدا ہی نہ کیا جاتا' وجود میں ہی نہ آتا' اللہ کے عذابوں کو آنکھ سے دیکھ لے گا' اپنی بدکاریاں سامنے ہوں گی جو پاک فرشتوں کے منصب ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں' پس ایک معنی تو یہ ہوئے کہ دنیا میں ہی مٹی ہونے کی یعنی پیدا نہ ہونے کی آرزو کرے گا' دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب جانوروں کا فیصلہ ہوگا اور ان کے قصاص دلوائے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا پھر ان سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے اس وقت یہ کافر انسان بھی کہے گا کہ ہائے ہائے کاش کہ میں بھی حیوان ہوتا اور اب مٹی بن جاتا' حضور کی لمبی حدیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی یہی مروی ہے۔ سورۂ نباء کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمدللہ والمنہ ربہ التوفیق والعصمہ۔

تفسیر سورة النازعات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾ يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾ تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾ قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾ اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ﴿۹﴾ يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَـافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾ قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سختی سے کھینچنے والوں کی قسم ○ کھول کر بند چھڑا دینے والوں کی قسم ○ تیرتے پھرنے والوں کی قسم ○ پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم ○ پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم ○ جس دن کانپنے والی کانپے گی ○ اس کے پیچھے ہوگی پیچھے آنے والی ○ بہت سے دل اس دن دھڑکنے والے ہوں گے ○ جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی ○ کہتے ہیں کہ کیا ہم اگلی سی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ○ کیا جس وقت بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے ○ کہتے ہیں پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے ○ وہ تو صرف ایک خوفناک آواز ہے ○ کہ ایک دم میدان میں جمع ہو جائیں گے ○

فرشتے' موت اور ستارے: ☆☆ (آیت:۱-۱۴) اس سے مراد فرشتے ہیں جو بعض لوگوں کی روحوں کو سختی سے گھسیٹتے ہیں اور بعض روحوں کو بہت آسانی سے نکالتے ہیں جیسے کسی کے بند کھول دیئے جائیں' کفار کی روحیں کھینچی جاتی ہیں پھر بند کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم میں ڈبو دیئے جاتے ہیں' یہ ذکر موت کے وقت کا ہے' بعض کہتے ہیں وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا سے مراد موت ہے' بعض کہتے ہیں دونوں پہلی آیتوں سے مطلب ستارے ہیں' بعض کہتے ہیں مراد سخت لڑائی کرنے والے ہیں لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے یعنی روح نکالنے والے فرشتے' اسی طرح تیسری آیت کی نسبت بھی یہ تینوں تفسیریں مروی ہیں یعنی فرشتے موت اور ستارے۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں مراد کشتیاں ہیں' اسی طرح سابقات کی تفسیر میں بھی تینوں قول ہیں' معنی یہ ہیں کہ ایمان اور تصدیق کی طرف آگے بڑھنے والے۔ عطاؒ فرماتے ہیں مجاہدین کے گھوڑے مراد ہیں۔ پھر حکم خدا کی تعمیل تدبیر سے کرنے والے اس سے مراد بھی فرشتے ہیں جیسے حضرت علیؓ وغیرہ کا قول ہے آسمان سے زمین کی طرف اللہ عزوجل کے حکم سے تدبیر کرتے ہیں' امام ابن جریرؒ نے ان اقوال میں کوئی فیصلہ نہیں کیا' کانپنے والی کے کانپنے اور اس کے پیچھے آنے والی کے پیچھے آنے سے مراد دونوں نفخے ہیں' پہلے نفخہ کا بیان اس آیت میں بھی ہے یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ جس دن زمین اور پہاڑ کپکپا جائیں گے' دوسرے نفخہ کا بیان اس آیت میں ہے وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے پھر دونوں ایک ہی دفعہ چور چور کر دیئے جائیں گے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کانپنے والی آئے گی اس کے پیچھے ہی پیچھے آنے والی ہوگی یعنی موت اپنے ساتھ کی کل آفتوں کو لئے ہوئے آئے گی۔ ایک شخص نے کہا حضورؐ اگر میں اپنے وظیفہ کا کل وقت آپ پر درود پڑھنے میں گذاروں تو؟ آپ نے فرمایا پھر تو اللہ تعالیٰ تجھے دنیا اور آخرت کے تمام غم و رنج سے بچا لے گا۔ ترمذی میں ہے کہ دو تہائی رات گذرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے اور فرماتے لوگو اللہ کو یاد کرو' کپکپانے والی آ رہی ہے پھر اس کے پیچھے ہی اور آ رہی ہے' موت اپنے ساتھ کی تمام آفات کو لئے ہوئے چلی آ رہی ہے' اس دن بہت سے دل ڈر رہے ہوں گے' ایسے لوگوں کی نگاہیں ذلت و حقارت کے ساتھ پست ہوں گی کیونکہ وہ اپنے گناہوں اور خدا کے عذابوں کا معائنہ کر چکے ہیں' مشرکین جو روز قیامت کے منکر تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا قبروں میں جانے کے بعد بھی ہم زندہ کئے جائیں گے؟ وہ آج اپنی اس زندگی کو رسوائی اور برائی کے ساتھ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

حَافِرَۃٌ کہتے ہیں قبروں کو بھی' یعنی قبروں میں چلے جانے کے بعد جسم کے ریزے ریزے ہو جانے کے بعد ہڈیوں کے سڑ گل جانے اور کھوکھلی ہو جانے کے بعد بھی کیا ہم زندہ کئے جائیں گے؟ پھر تو یہ دوبارہ کی زندگی خسارے اور گھاٹے والی ہوگی۔ کفار قریش کا یہ مقولہ تھا حَافِرَۃٌ کے معنی موت کے بعد کی زندگی کے بھی مروی ہیں اور جہنم کا نام بھی ہے' اس کے نام بہت سے ہیں جیسے جحیم' سقر' جہنم' ہاویہ حاضرۃ لفظی حطمہ وغیرہ۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس چیز کو یہ بڑی بھاری اور ان ہونی اور ناممکن سمجھے ہوئے ہیں وہ ہماری قدرت کاملہ کے ماتحت ایک ادنیٰ سی بات ہے' ادھر ایک آواز دی ادھر سب زندہ ہو کر ایک میدان میں جمع ہو گئے یعنی اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو حکم دے گا وہ صور پھونک دیں گے' بس ان کے صور پھونکتے ہی تمام اگلے پچھلے جی اٹھیں گے اور خدا کے سامنے ایک ہی میدان میں کھڑے ہو

جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے یَوۡمَ یَدۡعُوۡکُمۡ جس دن وہ تمہیں پکارے گا اور تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور جان لو گے کہ بہت ہی کم ٹھہرے' اور جگہ فرمایا وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمۡحٍ بِالۡبَصَرِ ہمارا حکم بس ایسا ایک بارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ اور جگہ ہے وَمَآ اَمۡرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ ہُوَ اَقۡرَبُ امر قیامت مثل آنکھ جھپکنے کے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب' یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ صرف ایک آواز ہی کی دیر ہے' اس دن پروردگار سخت غضبناک ہوگا' یہ آواز بھی غصہ کے ساتھ ہوگی' یہ آخری نفخہ ہے جس کے پھونکے جانے کے بعد ہی تمام لوگ زمین کے اوپر آ جائیں گے حالانکہ اس سے پہلے نیچے تھے' سَاہِرَۃٌ روئے زمین کو کہتے ہیں اور سیدھے صاف میدان کو بھی کہتے ہیں۔ ثوریؒ کہتے ہیں مراد اس سے شام کی زمین ہے' عثمان بن ابو العالیہؒ کا قول ہے مراد بیت المقدس کی زمین ہے۔ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں بیت المقدس کے ایک طرف یہ ایک پہاڑ ہے' قتادہؒ کہتے ہیں جہنم کو بھی سَاہِرَۃٌ کہتے ہیں۔ لیکن یہ اقوال سب کے سب غریب ہیں ٹھیک قول پہلا ہی ہے یعنی روئے زمین سب لوگ زمین پر جمع ہو جائیں گے جو سفید ہوگی اور بالکل صاف اور خالی ہوگی جیسے میدے کی روٹی ہوتی ہے' اور جگہ ہے یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ یعنی جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین ہوگی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب مخلوق اللہ تعالیٰ واحد و قہار کے روبرو ہو جائے گی اور جگہ ہے لوگ تجھ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں تو کہہ انہیں میرا رب ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور زمین بالکل میدان ہموار بن جائے گی جس میں کوئی موڑ توڑ ہوگا نہ اونچی نیچی جگہ' اور جگہ ہے ہم پہاڑوں کو چلتا کریں گے اور زمین صاف ظاہر ہو جائے گی' غرض ایک بالکل نئی زمین ہوگی جس پر نہ کبھی کوئی خطا ہوئی نہ قتل و گناہ۔

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ﴿۱۵﴾ اِذۡ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰٓى اَنۡ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الۡاٰيَةَ الۡكُبۡرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ يَسۡعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ وَالۡاُوۡلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ﴿۲۶﴾ ع

کیا حضرت موسیٰؑ کا قصہ بھی تجھے پہنچا ہے؟○ جبکہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طویٰ میں پکارا○ کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کر لی ہے○ اس سے کہو کہ کیا تو درستگی چاہتا ہے○ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں اور تو ڈرنے لگے○ پس اسے بڑی نشانی دکھائی○ پھر بھی وہ جھٹلاتا اور نافرمانی کرتا رہا○ اور الگ ہٹ کر کوشش کرنے لگا○ پھر سب کو جمع کر کے باآواز بلند کہنے لگا○ تم سب کا رب میں ہی ہوں سب سے بلند و بالا○ اللہ نے بھی اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا○ بیشک اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو ڈرے○

معرفت دل حق کا مطیع و فرماں بردار ہوتا ہے: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خبر دیتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اور معجزات سے ان کی تائید کی لیکن باوجود اس کے فرعون اپنی سرکشی اور اپنے کفر سے باز نہ آیا' بالآخر خدا کا عذاب اترا اور برباد ہو گیا' اسی طرح اے پیغمبر آخر الزماں آپ کے مخالفین کا بھی حشر ہوگا۔

اسی لئے اس واقعہ کے خاتمہ پر فرمایا ڈر والوں کے لئے اس میں عبرت ہے' پس فرماتا ہے کہ تجھے خبر بھی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے رب نے آواز دی جبکہ وہ ایک مقدس میدان میں تھے جن کا نام طوی ہے' اس کا تفصیلی بیان سورۂ طہٰ میں گذر چکا ہے آواز دے کر فرمایا کہ فرعون نے سرکشی تکبر' تجبر اور تمرد اختیار کر رکھا ہے' تم اس کے پاس پہنچو اور اسے میرا یہ پیغام دو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میری بات مان کر اس راہ پر چلے جو پاکیزگی کی راہ ہے؟ میری سن میری مان سلامتی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کر لے گا' میں تجھے خدا کی عبادت کے وہ طریقے بتلاؤں گا جس سے تیرا دل نرم اور روشن ہو جائے' اس میں خشوع وخضوع پیدا ہو اور دل کی سختی اور بدبختی دور ہو۔ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچے خدائی فرمان پہنچایا' حجت ختم کی' دلائل بیان کئے یہاں تک کہ اپنی سچائی کے ثبوت میں معجزات بھی دکھائے لیکن وہ برابر حق کی تکذیب کرتا رہا اور حضرت موسیٰ کی باتوں کی نافرمانی پر جما رہا' چونکہ دل میں کفر جاگزیں ہو چکا تھا اس سے طبیعت نہ ہٹی اور باوجود حق واضح ہو جانے کے ایمان وتسلیم نصیب نہ ہوئی' یہ اور بات ہے کہ دل سے جانتا تھا کہ یہ حق برحق نبی ہیں اور ان کی تعلیم بھی برحق ہے۔

لیکن دل کی معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے' دل کی معرفت پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے کہ حق کا تابع فرمان بن جائے اور خدا رسول کی باتوں پر عمل کرنے کے لئے جھک جائے پھر اس نے حق سے منہ موڑ لیا اور خلاف حق کوشش کرنے لگا' جادوگروں کو جمع کر کے اس کے ہاتھوں حضرت موسیٰ کو نیچا دکھانا چاہا۔ اپنی قوم کو جمع کیا اور اس میں منادی کی کہ تم سب کا بلند وبالا رب میں ہی ہوں' اس سے چالیس سال پہلے وہ کہہ چکا تھا کہ مَا عَلِمۡتُ لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرِىۡ یعنی میں نہیں جانتا کہ تمہارا معبود میرے سوا کوئی اور بھی ہو' اب تو اس کی طغیانی حد سے بڑھ گئی اور صاف کہہ دیا کہ میں ہی رب ہوں بلندیوں والا اور سب پر غالب میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بھی اس سے وہ انتقام لیا جو اس جیسے تمام سرکشوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ سبب عبرت بن جائے' دنیا میں بھی اور آخرت کے بدترین عذاب تو ابھی باقی ہیں' جیسے فرمایا وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ لَا يُنۡصَرُوۡنَ یعنی ہم نے انہیں جہنم کی طرف بلانے والے پیش رو بنائے قیامت کے دن یہ مدد نہ کئے جائیں گے' پس صحیح ترمعنی آیت کے یہی ہیں کہ آخرت اور اولیٰ سے مراد دنیا اور آخرت ہے بعض نے کہا ہے اول آخر سے مراد اس کے دونوں قول ہیں یعنی پہلے یہ کہنا کہ میرے علم میں میرے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں پھر یہ کہنا کہ تمہارا سب کا بلند رب میں ہوں' بعض کہتے ہیں مراد کفر ونافرمانی ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں' اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے جو نصیحت حاصل کریں اور باز آ جائیں۔

ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَاَخۡرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالۡجِبَالَ اَرۡسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿۳۳﴾

کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا؟ اللہ نے اسے بنایا ○ اس کی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا ○ اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن بنایا ○ اور اس کے بعد زمین کو ہموار بچھا دیا ○ اور اس میں سے پانی اور چارہ پیدا کیا ○ اور پہاڑوں کو مضبوط گاڑ دیا ○ تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ○

موت وحیات کی سرگزشت: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۳) جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر تھے انہیں پروردگار دلیلیں دیتا ہے کہ

تمہاری پیدائش سے تو بہت زیادہ مشکل پیدائش آسمانوں کی ہے جیسے اور جگہ ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یعنی زمین وآسمان کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ بھاری ہے اور جگہ ہے اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَادِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ کیا جس نے زمین وآسمان پیدا کر دیا وہ ان جیسے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ ضرور وہ قادر ہے اور وہ ہی بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے' آسمان کو اس نے بنایا یعنی بلند و بالا خوب چوڑا اور کشادہ اور بالکل برابر بنایا پھر اندھیری راتوں میں خوب چمکنے والے ستارے اس میں جڑ دیئے' رات کو سیاہ اور اندھیرے والی بنائی اور دن کو روشن اور نور والا بنایا اور زمین کو اس کے بعد بچھا دیا یعنی پانی اور چارہ نکالا۔ سورۂ حٰم سجدہ میں یہ بیان گذر چکا ہے کہ زمین کی پیدائش تو آسمان سے پہلے ہے ہاں اس کی برکات کا اظہار آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوا جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے' ابن عباسؓ اور بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے' امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اس کا تفصیلی بیان گذر چکا ہے' اور پہاڑوں کو اس نے خوب مضبوط گاڑ دیا ہے' وہ حکمتوں والا صحیح علم والا ہے اور ساتھ ہی اپنی مخلوق پر بے حد مہربان ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا وہ ہلنے لگی' پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی' فرشتوں کو اس سے سخت تر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے خدایا تیری مخلوق میں ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی اور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا آگ' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہاں پانی' پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہوا' پوچھا پروردگار کیا تیری مخلوق میں اس سے بھاری کوئی اور چیز ہے؟ فرمایا ہاں ابن آدم ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے جو خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔ ابن جریر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اور کہنے لگی تو آدم اور اس کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں کریں گے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ گاڑ کر زمین کو ٹھہرا دیا' بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں' زمین کا پہاڑوں کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھر کتا رہتا ہے پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ہے یعنی زمین سے چشموں اور نہروں کا جاری کرنا' زمین کے پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کرنا' کھیتیاں اور درخت اگانا' پہاڑوں کا گاڑنا تاکہ زمین سے پورا پورا فائدہ تم اٹھا سکو یہ سب باتیں انسانوں کے فائدے کے لئے ہیں اور ان کے جانوروں کے فائدے کے لئے' پھر وہ جانور بھی انہی کے فائدے کے لئے ہیں کہ بعض کا گوشت کھاتے ہیں' بعض پر سواریاں لیتے ہیں اور اپنی عمر اس دنیا میں سکھ سے بسر کر رہے ہیں۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾

پس جبکہ وہ بہت بڑے ہنگامے کا دن آ جائے گا ○ جس دن انسان اپنے کئے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا ○ اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی ○ جس شخص نے سرکشی کی ہوگی ○

انتہائی ہولناک لرزہ خیز لمحات: ☆☆ (آیت: ۳۴-۳۷) طَآمَّةُ الْكُبْرٰى سے مراد قیامت کا دن ہے اس لئے کہ وہ ہولناک اور

بڑے ہنگامے والا دن ہوگا' جیسے اور جگہ ہے وَالسَّاعَۃُ اَدْھٰی وَاَمَرُّ یعنی قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے اس دن ابن آدم اپنے بھلے برے اعمال کو یاد کرے گا اور کافی نصیحت حاصل کرلے گا' جیسے اور جگہ ہے یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَہُ الذِّکْرٰی یعنی اس دن آدمی نصیحت حاصل کرلے گا لیکن آج کی نصیحت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی' لوگوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں گے۔

وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۱﴾ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی ○ اور اس کا ہی ٹھکانا جہنم ہے ○ ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا ○ اس ہی کا ٹھکانہ جنت ہے ○ لوگ تجھ سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت دریافت کررہے ہیں ○ تجھے اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق ○ اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے ○ تو تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والا ہے ○ جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف ان کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی دنیا میں رہے ○

(آیت: ۳۸-۴۶) اس دن سرکشی کرنے والے اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے والوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا' ان کی خوراک زقوم ہوگا اور ان کا پانی حمیم ہوگا' ہاں ہمارے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہنے والوں اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے بچاتے رہنے والوں' خوف خدا دل میں رکھنے والوں اور برائیوں سے باز رہنے والوں کا ٹھکانا جنت ہے اور وہاں کی کل نعمتوں کے حصہ دار صرف یہی ہیں۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے بارے میں تم سے سوال ہو رہے ہیں تم کہہ دو کہ نہ مجھے اس کا علم ہے نہ مخلوق میں سے کسی اور کو' صرف خدا ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں' وہ زمین و آسمان پر بھاری پڑ رہی ہے حالانکہ دراصل اس کا علم سوائے خدائے تبارک وتعالیٰ کے اور کسی کو نہیں' حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی جس وقت انسانی صورت میں آپ کے پاس آئے اور کچھ سوالات کئے جن کے جوابات آپ نے دیئے پھر یہی قیامت کے دن کی تعیین کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا جس سے پوچھتے ہو نہ وہ اسے جانے نہ خود پوچھنے والے کو اس کا علم۔ پھر فرمایا کہ اے نبی تم تو صرف لوگوں کے ڈرانے والے ہو اور اس سے نفع انہیں کو پہنچے گا جو اس خوفناک دن کا ڈر رکھتے ہیں' وہ تیاری کرلیں گے اور اس دن کے خطرے سے بچ جائیں گے' باقی لوگ جو ہیں وہ آپ کے فرمان سے عبرت حاصل نہیں کریں گے بلکہ مخالفت کریں گے اور اس دن بدترین نقصان اور مہلک عذابوں میں گرفتار ہوں گے' لوگ جب اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر محشر کے میدان میں جمع ہوں گے اس وقت اپنی دنیا کی زندگی انہیں بہت ہی کم نظر آئے گی اور ایسا معلوم ہوگا کہ صرف صبح کا یا صرف شام کا کچھ حصہ دنیا میں گذارا ہے۔ ظہر سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے کے وقت کو عشیہ کہتے ہیں اور سورج نکلنے سے لے کر آدھے دن تک کے وقت کو ضحیٰ کہتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ آخرت کو دیکھ کر دنیا کی لمبی عمر بھی اتنی کم محسوس ہونے لگی۔ سورۂ نازعات کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمد للہ رب العالمین۔

تفسیر سورۃ العبس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ؕ﴿۲﴾ وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ۙ﴿۳﴾ اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَہُ الذِّکۡرٰی ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۵﴾ فَاَنۡتَ لَہٗ تَصَدّٰی ؕ﴿۶﴾ وَ مَا عَلَیۡکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی ۙ﴿۸﴾ وَ ہُوَ یَخۡشٰی ۙ﴿۹﴾ فَاَنۡتَ عَنۡہُ تَلَہّٰی ﴿ۚ۱۰﴾ کَلَّاۤ اِنَّہَا تَذۡکِرَۃٌ ﴿ۚ۱۱﴾ فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ ﴿ۘ۱۲﴾ فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ﴿ۙ۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍۭ ﴿ۙ۱۴﴾ بِاَیۡدِیۡ سَفَرَۃٍ ﴿ۙ۱۵﴾ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ﴿ؕ۱۶﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا رحمان ورحیم ہے۔

ترش رو ہوکر منہ موڑ لیا ○ اس سے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا ○ تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا ○ یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی ○ جو بے پرواہی کرتا ہے ○ اس کی طرف تو تو پوری توجہ کرتا ہے ○ حالانکہ اس کے نہ سنورنے سے تیرا کوئی نقصان نہیں ○ اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے ○ اور ڈر بھی رہا ہو ○ تو اس سے بے رخی برتتا ہے ○ یہ ٹھیک نہیں قرآن تو نصیحت کی چیز ہے ○ جو چاہے اسے یاد کرلے ○ یہ تو پر عظمت صحیفوں میں ہے ○ جو بلند و بالا اور پاک صاف ہیں ○ جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے ○ جو بزرگ اور پاک باز ہیں ○

تبلیغ دین میں فقیر وغنی سب برابر: ☆☆ (آیت:۱-۱۶) بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ قریش کے سرداروں کو اسلامی تعلیم سمجھا رہے تھے اور مشغولیت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ تھے دل میں خیال تھا کہ کیا عجب خدا انہیں اسلام نصیب کر دے' ناگہاں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس آئے' پرانے مسلمان تھے' عموماً حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور دین اسلام کی تعلیم سیکھتے رہتے تھے اور مسائل دریافت کیا کرتے تھے' آج بھی حسب عادت آتے ہی سوالات شروع کئے اور آگے بڑھ بڑھ کر حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا آپ چونکہ اس وقت ایک اہم امر دینی میں پوری طرح مشغول تھے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ ذرا گراں خاطر گرا اور پیشانی پر بل پڑ گئے' اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ کی بلند شان اور اعلیٰ اخلاق کے لائق یہ بات نہ تھی کہ اس نابینا سے جو ہمارے خوف سے دوڑتا بھاگتا آپ کی خدمت میں علم دین سیکھنے کے لئے آئے اور آپ اس سے منہ پھیر لیں اور ان کی طرف متوجہ ہیں جو سرکش ہیں اور مغرور و متکبر ہیں' بہت ممکن ہے کہ یہی پاک ہو جائے اور خدا کی باتیں سن کر برائیوں سے بچ جائے اور احکام کی تعمیل میں تیار ہو جائے' یہ کیا کہ آپ ان بے پرواہ لوگوں کی جانب تمام تر توجہ فرما لیں؟ آپ پر کوئی ان کو راہ راست پر لا کھڑا کرنا ضروری تھوڑے ہی ہے؟ وہ اگر آپ کی باتیں نہ مانیں تو آپ پر ان کے اعمال کی پکڑ ہرگز نہیں' مطلب یہ ہے کہ تبلیغ دین میں شریف وضعیف' فقیر وغنی' آزاد و غلام' مرد و عورت' چھوٹے بڑے سب برابر ہیں' آپ سب کو یکساں نصیحت کیا کریں' ہدایت خدا کے ہاتھ ہے' وہ اگر کسی کو راہ راست سے دور رکھے تو اس کی حکمت وہی جانتا ہے' جسے اپنی راہ لگا لے اسے بھی وہی خوب جانتا ہے۔ حضرت ابن ام مکتوم کے آنے کے وقت حضور کا مخاطب

ابی بن خلف تھا اس کے بعد حضور ابن ام مکتوم کی بڑی تکریم اور آؤ بھگت کیا کرتے تھے۔ (مسند ابویعلی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ابن ام مکتوم کو قادسیہ کی لڑائی میں دیکھا ہے زرہ پہنے ہوئے تھے اور سیاہ جھنڈا لئے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت مجھے بھلائی کی باتیں سکھائیں' اس وقت رؤساء قریش آپ کی مجلس میں تھے آپ نے ان کی طرف پوری توجہ نہ فرمائی' انہیں سمجھاتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہو میری بات ٹھیک ہے' وہ کہتے جاتے تھے ہاں حضرت درست ہے۔ ان لوگوں میں عتبہ بن ربیعہ' ابوجہل بن ہشام عباس بن عبدالمطلب تھے آپ کی بڑی کوشش تھی اور پوری حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ دین حق کو قبول کر لیں' ادھر یہ آ گئے اور کہنے لگے حضورؐ قرآن پاک کی کوئی آیت مجھے سنائیے اور خدا کی باتیں سکھلائیے' آپ کو اس وقت ان کی بات ذرا بے موقع لگی اور منہ پھیر لیا اور ادھر ہی متوجہ رہے' جب ان سے باتیں پوری کر کے آپ گھر جانے لگے تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور سر نیچا ہو گیا اور یہ آیتیں اتریں' پھر تو آپ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور پوری توجہ سے کان لگا کر ان کی باتیں سنا کرتے تھے' آتے جاتے ہر وقت پوچھتے کہ کچھ کام ہے' کچھ حاجت ہے' کچھ کہتے ہو' کچھ مانگتے ہو؟ (ابن جریر وغیرہ)

اس روایت میں غرابت ہے نکارت ہے اور اس کی سند میں بھی کلام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ بلال رات رہتے ہوئے اذان دیا کرتے ہیں' تو تم سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم کی اذان سنو' یہ وہ نابینا ہیں جن کے بارے میں عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى اتری تھی' یہ بھی موذن تھے' بینائی میں نقصان تھا' جب لوگ صبح صادق دیکھ لیتے اور اطلاع کرتے کہ صبح ہوئی تب یہ اذان کہا کرتے تھے (ابن ابی حاتم) ابن ام مکتوم کا مشہور نام تو عبداللہ ہے بعض نے کہا ہے ان کا نام عمرو ہے' واللہ اعلم۔

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ یعنی یہ نصیحت ہے اس سے مراد یا تو یہ سورت ہے یا یہ مساوات کہ تبلیغ دین میں سب یکساں ہیں مراد ہے' سدی کہتے ہیں مراد اس سے قرآن ہے جو شخص چاہے اسے یاد کر لے یعنی اللہ کو یاد کرے اور اپنے تمام کاموں میں اس کے فرمان کو مقدم رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وحی خدا کو یاد کر لے' یہ سورت اور یہ وعظ ونصیحت بلکہ سارا کا سارا قرآن موقر معزز اور معتبر صحیفوں میں ہے جو بلند قدر اور اعلیٰ مرتبہ والے ہیں' جو میل کچیل سے اور کمی زیادتی سے محفوظ اور پاک صاف ہیں' جو فرشتوں کے پاک ہاتھوں میں ہیں اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اصحاب رسول کے پاکیزہ ہاتھوں میں ہے' حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد قاری ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے معنی ہیں قاری' امام ابن جریر فرماتے ہیں صحیح بات یہی ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ میں اور مخلوق میں سفیر ہیں' سفیر اسے کہتے ہیں جو صلح اور بھلائی کے لئے لوگوں میں کوشش کرتا پھرے' عرب شاعر کے شعر میں بھی یہ معنی پائے جاتے ہیں۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتے ہیں جو فرشتے خدا کی جانب سے وحی وغیرہ لے کر آتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں میں صلح کرانے والے سفیر ہوتے ہیں' وہ ظاہر باطن میں پاک ہیں' وجیہ' خوش رو' شریف اور بزرگ ظاہر میں' اخلاق وافعال کے پاکیزہ باطن میں' یہاں سے یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ قرآن کے پڑھنے والوں کو اعمال واخلاق اچھے رکھنے چاہئیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو قرآن کو پڑھے اور اس کی مہارت حاصل کرے وہ بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہو گا اور جو باوجود مشقت کے بھی پڑھے اسے دوہرا اجر ملے گا۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ
نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ
فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَاۗءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاۗءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾
ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾
وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَاۗىِٕقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا
لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

اللہ کی مار انسان بھی کیسا ناشکرا ہے ○ اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟ ○ اسے نطفہ سے پیدا کیا' پھر اس کی تقدیر مقرر کی ○ پھر اسے راستہ آسان کر دیا ○ پھر اسے مار ڈالا اور قبر کی جگہ دی ○ پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا ○ ہرگز نہیں اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی ○ انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے ○ کہ ہم نے بارش برسائی ○ پھر زمین کو شق کیا ○ پھر اس میں اناج اگائے ○ اور انگور اور ترکاری ○ اور زیتون اور کھجور ○ اور گنجان باغات ○ اور میوہ اور چارہ ○ فائدہ ہے تمہارے لئے اور تمہارے چوپاؤں کے لئے ○

ریڑھ کی ہڈی اور تخلیق ثانی: ☆☆ (آیت: ۱۷-۳۲) جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکاری تھے ان کی یہاں مذمت بیان ہو رہی ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی انسان پر لعنت ہو یہ کتنا بڑا ناشکر گذار ہے اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ عموماً کل انسان جھٹلانے والے ہیں بلا دلیل محض اپنے خیال سے ایک چیز کو ناممکن جان کر باوجود علمی سرمایہ کی کمی کے جھٹ سے خدائی باتوں کی تکذیب کر دیتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ اس کے بعد اس کی اصلیت جتائی جاتی ہے کہ وہ خیال کرے کہ کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے خدا نے اسے بنایا ہے' کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ اس نے انسان کو منی کے قطرے سے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقدر کی یعنی عمر روزی عمل اور نیک و بد ہونا' پھر اس کے لئے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا اور یہ بھی معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی واضح اور ظاہر کر دیا' جیسے اور جگہ ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا یعنی ہم نے اسے راہ دکھائی پھر یا تو وہ شکر گذار بنے یا ناشکرا۔ حسن اور ابن زید اسی کو راجح بتلاتے ہیں واللہ اعلم۔

اس کی پیدائش کے بعد پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں لے گیا' عرب کا محاورہ ہے کہ وہ جب کسی کو دفن کریں تو کہتے ہیں قَبَرْتُ الرَّجُلَ اور کہتے ہیں اَقْبَرَهُ اللّٰهُ اسی طرح کے اور بھی محاورے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اب خدا نے اسے قبر والا بنا دیا' پھر جب خدا چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا' اسی کی زندگی کو بعثت بھی کہتے ہیں اور نشور بھی' جیسے اور جگہ ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم انسان بن کر اٹھ بیٹھے' اور جگہ ہے كَيْفَ نُنْشِزُهَا ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھا بٹھاتے ہیں' پھر کس طرح انہیں گوشت چڑھاتے ہیں۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعضا وغیرہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی

کو لوگوں نے کہا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا رائی کے دانے کے برابر اسی سے پھر تمہاری پیدائش ہوگی' یہ حدیث بغیر سوال جواب کی زیادتی کے بخاری مسلم میں بھی ہے کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترکیب دیا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح یہ ناشکرا اور بے قدر انسان کہتا ہے کہ اس نے اپنی جان و مال میں خدا کا جو حق تھا وہ ادا کر دیا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ابھی تو اس نے فرائض خدا سے بھی سبکدوشی حاصل نہیں کی۔ حضرت مجاہدؒ کا فرمان ہے کہ کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی پوری ادائیگی نہیں ہوسکتی' حسن بصری سے بھی ایسے ہی معنی مروی ہیں' متقدمین سے میں نے تو اس کے سوا کوئی اور کلام نہیں پایا' ہاں مجھے اس کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ فرمان باری کا یہ مطلب ہے کہ پھر جب چاہے دوبارہ پیدا کرے گا اب تک اس کے فیصلے کے مطابق وقت نہیں آیا یعنی ابھی ابھی وہ ایسا نہیں کرے گا یہاں تک کہ مدت مقررہ ختم ہو اور نبی آدم کی تقدیر پوری ہو۔

ان کی قسمت میں اس دنیا میں آنا اور یہاں برا بھلا کرنا وغیرہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ سب خدا کے اندازے کے مطابق پورا ہو چکے' اس وقت وہ خلاق کل دوبارہ زندہ کر دے گا اور جیسے کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اب دوسری دفعہ پیدا کر دے گا۔ ابن ابی حاتم میں حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ قبریں زمین کا پیٹ ہیں اور زمین مخلوق کی ماں ہے جب کہ کل مخلوق پیدا ہو چکے گی پھر قبروں میں پہنچ جائے گی اور قبریں سب بھر جائیں گی' اس وقت دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور جو بھی زمین پر ہوں گے سب مر جائیں گے اور زمین میں جو کچھ ہے اسے زمین اگل دے گی اور قبروں میں جو مردے ہیں سب باہر نکال دیئے جائیں گے' یہ قول ہم اپنی اس تفسیر کی دلیل میں پیش کر سکتے ہیں' واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے اس احسان کو دیکھیں کہ میں نے انہیں کھانا دیا' اس میں بھی دلیل ہے موت کے بعد جی اٹھنے کی کہ جس طرح خشک غیر آباد زمین سے ہم نے تر و تازہ درخت اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لئے کھانا مہیا کیا' اسی طرح گلی سڑی کھوکھلی اور چونا ہوگئی ہوئی ہڈیوں کو بھی ہم ایک روز زندہ کر دیں گے اور انہیں گوشت پوست پہنا کر دوبارہ تمہیں زندہ کر دیں گے' تم دیکھو لو کہ ہم نے آسمان سے برابر پانی برسایا' پھر اسے ہم نے زمین میں پہنچا کر ٹھہرا دیا' وہ بیج میں پہنچا اور زمین میں پڑے ہوئے دانوں میں سرایت کی جس سے وہ دانے اگے درخت پھوٹا' اونچا ہوا اور کھیتیاں لہلہانے لگیں' کہیں اناج پیدا ہوا' کہیں انگور اور کہیں ترکاریاں۔ حب تو کہتے ہیں ہر دانے کو' عنب کہتے ہیں انگور کو اور قضب کہتے ہیں اس سبز چارے کو جسے جانور کھاتے ہیں اور زیتون پیدا کیا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے' جلایا جاتا ہے تیل نکالا جاتا ہے اور کھجوروں کے درخت پیدا کئے جو گدرائی ہوئی بھی کھائی جاتی ہیں' تر بھی کھائی جاتی ہیں اور خشک بھی کھائی جاتی ہیں اور پکی بھی اور اس کا شیرہ بھی بنایا جاتا ہے اور سرکہ بھی اور باغات پیدا کئے۔ غلبا کے معنی کھجوروں کے بڑے بڑے میوہ دار درخت ہیں حدائق کہتے ہیں ہر اس باغ کو جو گھنا اور خوب بھرا ہوا اور گہرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو۔ موٹی گردن والے آدمی کو بھی عرب اغلب کہتے ہیں' اور میوے پیدا کئے اور اب کہتے ہیں زمین کی اس سبزی کو جسے جانور کھاتے ہیں اور انسان اسے نہیں کھاتے جیسے گھانس پات وغیرہ' اب جانور کے لئے ایسا ہی ہے جیسا انسان کے لئے فَاكِهَه یعنی میوہ۔

عطاءؒ کا قول ہے کہ زمین پر جو کچھ اگتا ہے اسے اب کہتے ہیں' ضحاکؒ فرماتے ہیں سوائے میووں کے باقی سب اب ہے۔ ابو السائبؒ فرماتے ہیں اب آدمی کے کھانے میں بھی آتا ہے اور جانور کے کھانے میں بھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بابت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کون سا آسمان مجھے اپنے تلے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی اگر میں کتاب اللہ میں

وہ کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو' لیکن یہ اثر منقطع ہے ابراہیم تیمی نے حضرت صدیق کو نہیں پایا ہاں البتہ صحیح سند سے ابن جریر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ممبر پر سورۂ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر کہا کہ فاکھہ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا اس تکلیف کو چھوڑ' اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی شکل وصورت اور اس کی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت کے پڑھنے سے ہی صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین سے اگنے والی ایک چیز ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ موجود ہے فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا پھر فرماتا ہے یہ تمہاری زندگی کے قائم رکھنے اور تمہیں فائدہ پہنچانے کے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے ہے کہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اور تم اس سے فیض یاب ہوتے رہو گے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾

پس جبکہ کان بہرے کر دینے والی قیامت آجائے ○ اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ○ ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ○

ننگے پاؤں' ننگے بدن --- پسینے کا لباس: ☆☆ (آیت: ۳۳-۳۶) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صاخة قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور ان کا شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دے گا' اس دن انسان اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا' کوئی کسی کے کام نہ آئے گا' میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتلا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا' وہ کہے گی کہ بیشک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی خوش سلوکی' کی بہت پیار محبت سے رکھا' یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دے دو تاکہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں تو وہ جواب دے گی کہ آپ کا سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں' یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی' بیٹا باپ سے ملے گا یہی کہے گا اور یہی جواب پائے گا۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

ع ۴۲

ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک ایسا مشغلہ ہو گا جو اسے کافی ہو گا ○ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ○ جو ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے ○ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ○ جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہو گی ○ یہی ہیں کافر بدکردار ○

(آیت: ۳۷-۴۲) صحیح حدیث میں شفاعت کا بیان فرماتے ہوئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ صلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں خدا کے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لئے کچھ نہ کہوں گا میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں' الغرض دوست دوست سے' رشتہ دار رشتہ دار سے منہ چھپاتا پھرے گا۔ ہر ایک آپا دھاپی میں لگا ہو گا' کسی کو دوسرے کا ہوش نہ ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم ننگے پیروں' ننگے بدن اور بے ختنہ خدا کے ہاں جمع کئے جاؤ گے' آپ کی بیوی

صاحبہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ پھر تو ایک دوسروں کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی فرمایا اس روز گھبراہٹ وہاں کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کیے ہوئے ہوگا' بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ اس دن کہاں؟ (ابن ابی حاتم) بعض روایات میں کہ آپ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی لِكُلِّ امْرِئٍ الخ' دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیوی صاحبہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں' اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے کہا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے آپ نے فرمایا اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتلاؤں گا' پوچھا حضور لوگوں کا حشر کس طرح ہوگا؟ آپ نے فرمایا ننگے پیروں اور ننگے بدن' تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کیا عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں' یہ سن کر مائی صاحبہ افسوس کرنے لگیں۔ آپ نے فرمایا عائشہ اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج وغم نہ رہے گا کہ کپڑے پہنے ہیں یا نہیں؟ پوچھا حضور وہ آیت کون سی ہے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ الخ' ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت سودہؓ نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کئے جائیں گے' پسینے میں غرق ہوں گے' کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ جائے گا اور کسی کے کانوں تک' تو آپ نے یہ آیت پڑھ سنائی' پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہاں لوگوں کے دو گروہ ہوں گے بعض تو وہ ہوں گے جن کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے' دل خوشی سے مطمئن ہوں گے' منہ خوبصورت اور نورانی ہوں گے' یہ تو جنتی جماعت ہے دوسرا گروہ جہنمیوں کا ہوگا' ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' گردآلود ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ ان کا پسینہ مثل لگام کے ہو رہا ہوگا' پھر گرد وغبار پڑا ہوا ہوگا' جن کے دلوں میں کفر تھا اور اعمال میں بدکاری تھی' جیسے اور جگہ ہے وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا یعنی ان کفار کی اولاد بھی بدکار کافر ہی ہوگی۔ سورۂ عبس کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمدللہ!

تفسیر سورة التکویر

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھ لے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں

جب سورج لپیٹ لیا جائے ○ اور جب ستارے بے نور ہو جائیں ○ اور جب پہاڑ چلائے جائیں ○ اور جب گابھن اونٹنیاں بیکار کر دی جائیں ○ اور جب وحشی جانور اکٹھے کئے جائیں ○ اور جب دریا بھڑکائے جائیں ○ اور جب ہر قسم کے لوگ ملا دیے جائیں' اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے ○ کہ کس

گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی اور جب نامہ اعمال کھول دیئے جائیں ○ اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے ○ اور جب جہنم بھڑکائی جائے ○ اور جب جنت نزدیک کر دی جائے ○ اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ○

یعنی سورج بے نور ہو گا: ☆☆ (آیت:۱-۱۴) اوندھا کر کے لپیٹ کر زمین پر پھینک دیا جائے گا' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سورج' کو چاند کو اور ستاروں کو لپیٹ کر بے نور کر کے سمندروں میں ڈال دیا جائے گا اور پھر پچھوا ہوائیں چلیں گی اور آگ لگ جائے گی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اس کو تہہ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا (ابن ابی حاتم) اور ایک حدیث میں سورج کے ساتھ چاند کا ذکر بھی ہے لیکن وہ ضعیف ہے' صحیح بخاری میں یہ حدیث الفاظ کے ہیر پھیر سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ سورج اور چاند قیامت کے دن لپیٹ لئے جائیں گے' امام بخاری اسے کتاب بدؤ الخلق میں لائے ہیں لیکن یہاں لانا زیادہ مناسب تھا یا مطابق عادت وہاں اور یہاں دونوں جگہ لاتے جیسے کہ امام صاحب کی عادت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن یہ ہو گا تو حضرت حسن کہنے لگے ان کا کیا گناہ ہے؟ فرمایا میں نے حدیث کہی اور تم اس پر باتیں بناتے ہو' سورج کی قیامت والے دن یہ حالت ہو گی ستارے سارے کے سارے متغیر ہو کر جھڑ جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ یہ بھی گدلے اور بے نور ہو کر بجھ جائیں گے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی' لوگ اپنے بازاروں میں ہوں گے کہ اچانک سورج کی روشنی جاتی رہے گی اور پھر ناگہاں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے' پھر اچانک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگے گی اور بے طرح ہلنے لگے گی' بس پھر کیا انسان کیا' جنات کیا جانور اور کیا جنگلی جانور سب آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے' جانور بھی جو انسانوں سے بھاگے پھرتے ہیں انسانوں کے پاس آ جائیں گے' لوگوں کو اس قدر بدحواسی اور گھبراہٹ ہو گی کہ بہتر سے بہتر مال اونٹنیاں جو بیانے والیاں ہوں گی ان کی بھی خیر خبر نہ لیں گے' جنات کہیں گے کہ ہم جاتے ہیں کہ تحقیق کریں کیا ہو رہا ہے' لیکن وہ آئیں گے تو دیکھیں گے کہ سمندروں میں بھی آگ لگ رہی ہے' اسی حال میں ایک دم زمین پھٹنے لگے گی اور آسمان بھی ٹوٹنے لگیں گے' ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمانوں کا یہی حال ہو گا' ادھر سے ایک تند ہوا چلے گی جس سے تمام جاندار مر جائیں گے (ابن ابی حاتم وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سارے ستارے اور جن جن کی خدا کے سوا عبادت کی گئی ہے سب جہنم میں گرا دیئے جائیں گے' صرف حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم بچ رہیں گے' اگر یہ بھی اپنی عبادت سے خوش ہوتے تو یہ بھی جہنم میں داخل کر دیئے جاتے (ابن ابی حاتم) اور پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے اور بے نام و نشان ہو جائیں گے' زمین چٹیل اور ہموار میدان رہ جائیں گے' اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی' نہ ان کی کوئی نگرانی کرے گا' نہ چرائے چگائے گا' نہ دودھ نکالے گا' نہ سواری لے گا۔ عِشَارٌ جمع ہے عشراء کی' جو گیا بھن اونٹنی دسویں مہینہ میں لگ جائے اسے عشراء کہتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ گھبراہٹ اور بدحواسی بے چینی اور پریشانی اس قدر ہو گی کہ بہتر سے بہتر مال کی بھی پرواہ نہ رہے گی' قیامت کی ان بلاؤں نے دل اڑا دیا ہو گا' کلیجے اونچے کر دیئے ہوں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قیامت کے دن ہو گا اور لوگوں کو اس سے کچھ سروکار نہ ہو گا' ہاں ان کے دیکھتے یہ ہو گا' اس قول کے قائل عشار کے کئی معنی بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ کہتے ہیں اس سے مراد بادل ہیں جو دنیا کی بربادی کی وجہ سے آسمان و زمین کے درمیان پھرتے پھریں گے' بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ زمین ہے جس کا عشر دیا جاتا ہے' بعض کہتے ہیں اس سے مراد گھر ہیں جو پہلے آباد تھے اب

ویران ہیں' امام قرطبی ان اقوال کو بیان کر کے ترجیح پہلے ہی کو دیتے ہیں کہ مراد اس سے اونٹنیاں ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور میں تو یہی کہتا ہوں کہ سلف سے اور ائمہ سے اس کے سوا کچھ وارد ہی نہیں ہوا واللہ اعلم۔

اور وحشی جانور جمع کئے جائیں گے جیسے فرمان ہے وَمَآ مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ الخ' یعنی زمین پر چلنے والے کل جانور اور ہوا میں اڑنے والے کل پرند بھی تمہاری طرح گروہ ہیں' ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی' پھر یہ سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے' سب جانداروں کا حشر اسی کے پاس ہوگا' یہاں تک کہ مکھیاں بھی' ان سب میں خدائے تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلے کرے گا' ان جانوروں کا حشر ان کی موت ہی ہے البتہ جن وانس خدا کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور ان سے حساب کتاب ہوگا۔ ربیع بن خثیم نے کہا مراد وحشیوں کے حشر سے ان پر امر خدا آنا ہے' لیکن ابن عباسؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس سے مراد موت ہے' یہ تمام جانور بھی ایک دوسرے کے ساتھ اور انسانوں کے ساتھ ہو جائیں گے' خود قرآن میں اور جگہ ہے وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً پرند جمع کئے ہوئے' پس ٹھیک مطلب اس آیت کا بھی یہی ہے کہ وحشی جانور جمع کئے جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا سمندر میں' آپ نے فرمایا میرے خیال میں یہ سچا ہے' قرآن کہتا ہے وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ اور فرماتا ہے وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۔

ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پچھوا ہوائیں بھیجے گا وہ اسے بھڑکا دیں گی اور شعلے مارتی ہوئی آگ بن جائے گا' آیت وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ کی تفسیر میں اس کا مفصل بیان گذر چکا۔

حضرت معاویہ بن سعید فرماتے ہیں بحر روم برکت ہے' یہ بیچ زمین کے ہے سب نہریں اس میں آتی ہیں اور بحر کبیر بھی اس میں پڑتا ہے' اس کے نیچے کنویں ہیں جس کے منہ تانبا سے بند کئے ہوئے ہیں' قیامت کے دن وہ سلگ اٹھیں گے یہ اثر عجیب ہے اور ساتھ ہی غریب بھی ہے' ہاں ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ سمندر کا سفر صرف حاجی کریں اور عمرہ کرنے والے یا جہاد کرنے والے غازی' اس لئے کہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے پانی ہے۔ اس کا بیان بھی سورۂ فاطر کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ سجرت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ سوکھا دیا جائے گا۔ ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا' یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ بہا دیا جائے گا اور ادھر ادھر بہ نکلے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر قسم کے لوگ یکجا جمع کر دیئے جائیں گے' جیسے اور جگہ ہے اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ظالموں کو اور ان کے جوڑوں یعنی ان جیسوں کو جمع کرو۔ حدیث میں ہے ہر شخص کا اس کی قوم کے ساتھ حشر کیا جائے گا جو اس جیسے اعمال کرتی ہو' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلَاثَةً تم تین طرح کے گروہ ہو جاؤ گے' کچھ وہ جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ہوں گے' کچھ بائیں ہاتھ والے' کچھ سبقت کرنے والے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ پڑھتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہر جماعت اپنے جیسوں سے مل جائے گی' دوسری روایت میں ہے کہ وہ دو شخص جن کے عمل ایک جیسے ہوں وہ یا تو جنت میں ساتھ رہیں گے یا جہنم میں ساتھ جلیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا نیک نیکوں کے ساتھ مل جائیں گے اور بد بدوں کے ساتھ آگ میں' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو سب خاموش رہے' آپ نے فرمایا لو میں بتاؤں آدمی کا جوڑا جنت میں اسی جیسا ہوگا اسی طرح جہنم میں بھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب اس سے یہی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہو جائیں گے یعنی اصحاب الیمین' اصحاب الشمال اور سابقین۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ہر قسم کے لوگ ایک ساتھ ہوں گے' یہی قول امام ابن جریرؒ بھی پسند کرتے ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عرش کے پاس سے پانی کا ایک دریا جاری ہوگا جو چالیس سال تک بہتا رہے گا اور بڑی نمایاں چوڑان میں ہوگا' اس سے تمام مرے سڑے گلے اگنے لگیں گے' اس طرح کے ہو جائیں گے کہ جو انہیں پہچانتا ہو وہ اگر انہیں اب دیکھ لے تو بہ یک نگاہ پہچان لے' پھر روحیں چھوڑ جائیں گی اور ہر روح اپنے جسم میں آ جائے گی' یہی معنی ہیں وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ یعنی روحیں جسموں میں ملا دی جائیں گی' اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ مومنوں کا جوڑا اور حوروں سے لگایا جائے گا اور کافروں کا شیطانوں سے' تذکرہ قرطبی' پھر ارشاد ہوتا ہے وَاِذَا الْمَوْءُ وٗدَةُ جمہور کی قراۃ یہی ہے۔ اہل جاہلیت لڑکیوں کو ناپسند کرتے تھے اور انہیں زندہ درگور کر دیا کرتے تھے' ان سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ یہ کیوں قتل کی گئیں؟ تاکہ ان کے قاتلوں کو زیادہ ڈانٹ ڈپٹ اور شرمندگی ہو اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب مظلوم سے سوال ہوا تو ظالم کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ خود پوچھیں گی کہ انہیں کس بنا پر زندہ درگور کیا گیا؟ اس کے متعلق احادیث سنئے۔ مسند احمد میں ہے حضور فرماتے ہیں میں نے قصد کیا کہ لوگوں کو حالت حمل کی مجامعت سے روک دوں لیکن میں نے دیکھا کہ رومی اور فارسی یہ کام کرتے ہیں اور ان کی اولادوں کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا' لوگوں نے آپ سے عزل کے بارے میں سوال کیا یعنی بروقت نطفہ کو باہر ڈال دینے کے بارے میں' تو آپ نے فرمایا کہ یہ پوشیدگی سے زندہ گاڑ دینا ہے اور اسی کا بیان ہے وَاِذَا الْمَوْءُ دَةُ الخ' میں ہے۔ سلمہ بن یزیدؓ اور ان کے بھائی سرکار نبوتؐ میں حاضر ہو کر سوال کرتے ہیں کہ ہماری ماں امیرزادی تھیں' وہ صلہ رحمی کرتی تھیں' مہمان نوازی کرتی تھیں اور بھی نیک کام بہت کچھ کرتی تھیں لیکن جاہلیت میں ہی مر گئی ہیں' تو کیا اسے اس کے یہ نیک کام کچھ نفع دیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں' انہوں نے کہا کہ اس نے ہماری ایک بہن کو زندہ دفن کر دیا ہے' کیا وہ بھی اسے کچھ نفع دے گی آپ نے فرمایا زندہ گاڑی ہوئی اور زندہ گاڑنے والی جہنم میں ہیں' ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر لے (مسند احمد)

ابن ابی حاتم میں ہے زندہ دفن کرنے والی اور جسے دفن کیا ہے دونوں جہنم میں ہیں' ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال پر کہ جنت میں کون جائے گا آپ نے فرمایا نبی اور شہید اور بچے اور زندہ درگور کی ہوئی' یہ حدیث مرسل ہے حضرت حسن سے جسے بعض محدثین نے قبولیت کا مرتبہ دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کے چھوٹی عمر میں مرے ہوئے بچے جنتی ہیں جو انہیں جہنمی کہے وہ جھوٹا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا الْمَوْءُ دَةُ (ابن ابی حاتم) قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی بچیوں کو زندہ دبا دیا ہے میں کیا کروں' آپ نے فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک غلام آزاد کرو۔ انہوں نے کہا حضور غلام والا تو میں ہوں نہیں البتہ میرے پاس اونٹ ہیں' فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک اونٹ خدا کے نام پر قربان کرو (عبدالرزاق)۔

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے اپنی آٹھ لڑکیاں اس طرح زندہ دبا دی ہیں' آپ کے فرمان میں ہے اگر چاہو تو یوں کر' اور روایت میں ہے کہ میں نے بارہ تیرہ لڑکیاں زندہ دفن کر دی ہیں' آپ نے فرمایا ان کی گنتی کے مطابق غلام آزاد کرو انہوں نے کہا بہت بہتر میں یہی کروں گا' دوسرے سال وہ ایک سو اونٹ لے کر آئے اور کہنے لگے حضورؐ یہ میری قوم کا صدقہ ہے جو اس کے بدلے ہے جو میں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم ان اونٹوں کو لے جاتے تھے اور ان کا قیسیہ رکھ چھوڑا تھا' پھر ارشاد ہے کہ نامہ اعمال بانٹے جائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں' ابن آدم تو لکھوا رہا ہے جو لپیٹ کر پھیلا کر تجھے دیا جائے گا' دیکھ لے کہ کیا لکھوا رہا ہے' آسمان گھسیٹ لیا جائے گا اور کھینچ لیا جائے گا اور سمیٹ لیا جائے گا اور برباد ہو جائے گا' جہنم بھڑکائی جائے گی' اللہ کے غضب اور بنی آدم کے گناہوں سے اس کی آگ تیز ہو جائے گی' جنت جنتیوں کے پاس آ جائے گی۔ جب یہ تمام کام ہو چکیں گے اس وقت

ہر شخص جان لے گا کہ اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیا کچھ اعمال کئے تھے' وہ سب عمل اس کے سامنے موجود ہوں گے' جیسے اور جگہ ہے یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال پالے گا نیک ہیں تو سامنے دیکھ لے گا اور بد ہیں تو اس دن وہ آرزو کرے گا کہ کاش کہ اس کے اور اس کے درمیان بہت دوری ہوتی' اور جگہ ہے یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے پچھلے اعمال سے تنبیہ کی جائے گی' حضرت عمر اس سورت کو سنتے رہے اور اس کو سنتے ہی فرمایا اگلی تمام باتیں اسی لئے بیان ہوئی تھیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے O چلنے پھرنے والے چھپنے والے O چھپنے والے ستاروں کی' اور رات کی جب جانے لگے O اور صبح کی جب چمکنے لگے O یقیناً یہ ایک بزرگ پیغامبر کا کلام ہے O جو قوت والا ہے عرش والے اللہ کے نزدیک ذی عزت ہے O

ستارے' نیل گائے اور ہرن: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۰) حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کو اس سورۂ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا' اس نماز میں میں بھی مقتدیوں میں شامل تھا (مسلم) یہ قسمیں ستاروں کی کھائی ہیں جو دن کے وقت پیچھے ہٹ جاتے ہیں یعنی چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی فرماتے ہیں اور بھی صحابہ تابعین وغیرہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے' بعض ائمہ نے فرمایا ہے طلوع کے وقت ستاروں کو خنس کہا جاتا ہے اور اپنی اپنی جگہ پر انہیں جوار کہا جاتا ہے اور چھپ جانے کے وقت انہیں کنس کہا جاتا ہے' بعض نے کہا ہے مراد اس سے جنگلی گائے ہے' یہ بھی مروی ہے کہ مراد ہرن ہے۔ ابراہیم نے حضرت مجاہدؒ سے اس کے معنی پوچھے تو حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ہم نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا البتہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔ انہوں نے پھر سوال کیا کہ جو تم نے سنا ہو وہ کہو تو فرمایا ہم سنتے ہیں کہ اس سے مراد نیل گائے ہے جبکہ وہ اپنی جگہ چھپ جائے' حضرت ابراہیم نے فرمایا وہ مجھ پر جھوٹ باندھتے ہیں' جیسے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اسفل کو اعلیٰ کا اور اعلیٰ کو اسفل کا ضامن بنایا۔

امام ابن جریرؒ نے اس میں سے کسی کی تعیین نہیں کی اور فرمایا ہے ممکن ہے تینوں چیزیں مراد ہوں یعنی ستارے' نیل گائے اور ہرن۔ عَسْعَسَ کے معنی ہیں اندھیری والی ہوئی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگوں کو ڈھانپ لیا اور جانے لگی۔ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ ایک مرتبہ نکلے اور فرمانے لگے کہ وتر کے پوچھنے والے کہاں ہیں؟ پھر یہ آیت پڑھی' امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ رات جب جانے لگے کیونکہ اس کے مقابلہ میں ہے کہ جب صبح چمکنے لگے' شاعروں نے عَسْعَسَ کو اَدْبَر کے معنی میں باندھا ہے میرے نزدیک ٹھیک معنی یہ ہیں کہ قسم ہے رات کی جب وہ آئے اور اندھیرا پھیلائے اور قسم ہے دن کی جب وہ آئے اور روشنی پھیلائے' جیسے اور جگہ ہے وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى اور جگہ ہے وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى اور جگہ ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا اور بھی اس قسم کی آیتیں بہت سی ہیں' مطلب سب کا یکساں ہے ہاں بیشک اس لفظ کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہی ہیں۔ علماء اصول نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ آگے آنے اور پیچھے جانے کے دونوں معنی میں آتا ہے اس بنا پر یہ دونوں معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔

اور قسم ہے صبح کی جبکہ وہ طلوع ہو اور روشنی کے ساتھ آئے پھر ان قسموں کے بعد فرماتا ہے کہ یہ قرآن ایک بزرگ، شریف، پاکیزہ رو، خوش منظر فرشتے کا کلام ہے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وہ قوت والے ہیں جیسے کہ اور جگہ ہے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ یعنی سخت مضبوط اور سخت پکڑ اور فعل فرشتہ، وہ اللہ عزوجل کے پاس وعرش والا ہے، بلند پایہ اور ذی مرتبہ ہے وہ نور کے ستر پردوں میں جا سکتے ہیں اور انہیں عام اجازت ہے ان کی بات وہاں سنی جاتی ہے، برتر فرشتے ان کے فرمانبردار ہیں، آسمانوں میں ان کی سرداری ہے کہ اور فرشتے ان کے تابع فرمان ہیں، وہ اس پیغام رسانی پر مقرر ہیں کہ خدا کا کلام اس کے رسول تک پہنچائیں، یہ فرشتے خدا کے امین ہیں۔

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

جس کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے ○ تمہارا رفیق دیوانہ نہیں ○ اس نے فرشتے کو آسمان کے کھلے کناروں پر دیکھا بھی ہے ○ اور یہ پوشیدہ باتوں کے بتلانے پر بخیل بھی نہیں ○ اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں ○ پھر تم کہاں جا رہے ہو؟ ○ یہ تو تمام دنیا جہان والوں کے لئے نصیحت نامہ ہے ○ بالخصوص اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے ○ اور تم بغیر اللہ پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ○

(آیت: ۲۱-۲۹) مطلب یہ ہے کہ فرشتوں میں سے جو اس رسالت پر مقرر ہیں وہ بھی پاک صاف ہیں اور انسانوں میں جو رسول مقرر ہیں وہ بھی پاک اور برتر ہیں، اس لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی حضرت محمد ﷺ دیوانے نہیں، یہ پیغمبر اس فرشتے کو اس کی اصلی صورت پر بھی دیکھ چکے ہیں جبکہ وہ اپنے چھ سو پروں سمیت ظاہر ہوئے تھے، یہ واقعہ بطحا کا ہے اور یہ پہلی مرتبہ کا دیکھنا تھا، آسمان کے کھلے کناروں پر یہ دیدار جبرئیل ہوا تھا۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ○ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ○ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى یعنی انہیں ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے قوی ہے۔ جو اصلی صورت پر آسمان کے بلند و بالا کناروں پر ظاہر ہوا تھا پھر وہ نزدیک آیا اور بہت قریب آ گیا صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم، پھر جو وحی خدا نے اپنے بندے پر نازل کرنی چاہی نازل فرمائی، اس آیت کی تفسیر سورۂ والنجم میں گذر چکی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت معراج سے پہلے اتری ہے اس لئے کہ اس میں صرف پہلی مرتبہ کا دیکھنا ذکر ہوا ہے اور دوبارہ کا دیکھنا اس آیت میں مذکور ہے وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى الخ یعنی انہوں نے اس کو ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے جس کے قریب جنت الماویٰ ہے جبکہ اس درخت سدرہ کو ایک عجیب وغریب چیز چھپائے ہوئے تھی، اس آیت میں دوسری مرتبہ کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ یہ سورت واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی تھی، بِضَنِيْنٍ کی دوسری قرات بِظَنِيْنٍ بھی مروی ہے یعنی ان پر کوئی تہمت نہیں اور ضاد سے جب پڑھو تو معنی ہوں گے یہ بخیل نہیں ہیں بلکہ ہر شخص کو جو غیب کی باتیں آپ کو اللہ کی طرف سے معلوم کرائی جاتی ہیں یہ سکھا دیا کرتے ہیں، یہ دونوں قرائتیں مشہور ہیں اور صحیح ہیں، پس آپ نے نہ تو تبلیغ احکام میں کمی کی نہ تہمت لگی، یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں نہ

شیطان اسے لے سکے نہ اس کے مطلب کی یہ چیز' نہ اس کے قابل' جیسے اور جگہ ہے وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ نہ اسے لے کر شیطان اترے نہ انہیں یہ لائق ہے نہ اس کی انہیں طاقت ہے وہ تو اس کے سننے سے بھی محروم اور دور ہیں' پھر فرمایا تم کہاں جا رہے ہو؟ یعنی قرآن کی حقانیت' اس کی صداقت ظاہر ہو چکنے کے بعد بھی تم کیوں اسے جھٹلا رہے ہو؟ تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب بنو حنیفہ قبیلے کے لوگ مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کر رکھا ہے' جسے تم آج تک مانتے رہے اس نے جو کلام گھڑ رکھا ہے ذرا اسے تو سناؤ' جب انہوں نے سنایا تو دیکھا کہ نہایت رکیک الفاظ ہیں بلکہ بکواس محض ہے تو آپ نے فرمایا تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں؟ ذرا تو سوچو کہ ایک فضول بکواس کو تم کلام خدا جانتے رہے' ناممکن ہے کہ ایسا بے معنی اور بے نور کلام خدائی کلام ہو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ تم کتاب اللہ سے اور اطاعت خدا سے کہاں بھاگ رہے ہو؟ پھر فرمایا یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے پند و نصیحت ہے۔

ہر ایک ہدایت کے طالب کو چاہئے کہ اس قرآن پر عامل بن جائے' یہی نجات کا اور ہدایت کا کفیل ہے' اس کے سوا دوسرے کلام میں ہدایت نہیں' تمہاری چاہیں کام نہیں آتیں کہ جو چاہے ہدایت پا لے اور جو چاہے گمراہ ہو جائے بلکہ یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے' وہ رب العالمین جو چاہے کرتا ہے' اسی کی چاہت چلتی ہے۔ اس سے اگلی آیت کو سن کر ابوجہل نے کہا تھا کہ پھر تو ہدایت و ضلالت ہمارے بس کی بات ہے اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔ سورۂ تکویر کی تفسیر ختم ہوئی فالحمدللہ۔

تفسیر سورۃ انفطار

نسائی میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں لمبی قرات پڑھی تو نبی ﷺ نے فرمایا معاذ کیا یہ سورتیں نہ تھیں؟ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور وَالضُّحٰى اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اس حدیث کی اصل بخاری مسلم میں بھی ہے ہاں اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ کا ذکر صرف نسائی کی روایت میں ہے اور وہ حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں بیان ہے کہ جو شخص قیامت کے دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھ لے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾
وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾
يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ
فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ
تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا
كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں

جب آسمان پھٹ جائے ○ اور جب ستارے جھڑ جائیں ○ اور جب دریا بہ چلیں ○ اور جب قبریں شق کر دی جائیں ○ اس وقت ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے کو معلوم کر لے گا ○ اے انسان تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا ○ جس رب نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر درست اور برابر بنایا ○ جس صورت میں چاہا تیری ترکیب کی ○ نہیں نہیں بلکہ تم تو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو ○ یقیناً تم پر نگہبان ○ بزرگ لکھنے والے مقرر ہیں ○ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں ○

اور قبریں پھٹ پڑیں گی: ☆☆ (آیت: ۱-۱۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، جیسے فرمایا ہے اَلسَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ اور ستارے سب کے سب گر پڑیں گے اور کھاری اور میٹھے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور پانی سوکھ جائے گا' قبریں پھٹ جائیں گی' ان کے شق ہونے کے بعد مردے جی اٹھیں گے' پھر ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو بخوبی جان لے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دھمکاتا ہے کہ تم کیوں مغرور ہو گئے ہو؟ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کا جواب طلب کرتا ہو یا سکھاتا ہو بعض نے یہ بھی کہا ہے بلکہ انہوں نے جواب دیا ہے کہ کرم خدا نے غافل کر رکھا ہے یہ معنی بیان کرنے غلط ہیں' صحیح مطلب یہی ہے کہ اے ابن آدم تیرے باعظمت خدا سے تو نے کیوں بے پرواہی برت رکھی ہے' کس چیز نے تجھے اس کی نافرمانی پر اکسا رکھا ہے؟ اور کیوں تو اس کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تجھے میری جانب سے کس چیز نے مغرور کر رکھا تھا؟ ابن آدم بتا تو نے میرے نبیوں کو کیا جواب دیا؟ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ انسانی جہالت نے اسے غافل بنا رکھا ہے' ابن عمرؓ ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے' قتادہ فرماتے ہیں اسے بہکانے والا شیطان ہے۔ حضرت فضیل ابن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مجھ سے یہ سوال ہو تو میں جواب دوں کہ تیرے لٹکائے ہوئے پردوں نے' حضرت ابوبکر وراق فرماتے ہیں میں تو کہوں گا کہ کریم کے کرم نے بے فکر کر دیا' بعض سخن شناس فرماتے ہیں کہ یہاں پر کریم کا لفظ لانا گویا جواب کی طرف اشارہ سکھانا ہے لیکن یہ قول کچھ فائدہ مند نہیں بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ کرم والے خدا کے کرم کے مقابلہ میں بدافعال اور برے اعمال نہ کرنے چاہئیں۔ کلبی اور مقاتل فرماتے ہیں کہ اسود بن شریق کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے اس خبیث نے حضور ﷺ کو مارا تھا اور اسی وقت چونکہ اس پر کچھ عذاب نہ آیا تو وہ پھول گیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر فرماتا ہے وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا تجھے پھر درست بنایا تجھے پھر درمیانہ قد و قامت تجھے بخشا خوش شکل اور خوبصورت بنایا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے؟ حالانکہ میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے' پھر ٹھیک ٹھاک کیا' پھر صحیح قامت بنایا' پھر تجھے پہنا اوڑھا کر چلنا پھرنا سکھایا آخرش تیرا ٹھکانا زمین کے اندر ہے' تو نے خوب جمع جتھا کی اور میری راہ میں دینے سے رکتا رہا یہاں تک کہ جب دم حلق میں آ گیا تو کہنے لگا میں صدقہ کرتا ہوں' بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ جس صورت میں چاہا' ترکیب دی یعنی باپ کی ماں کی' ماموں کی' چچا کی صورت میں پیدا کیا۔ ایک شخص سے حضور ﷺ نے فرمایا تیرے ہاں کیا بچہ ہوگا' اس نے کہا یا لڑکا یا لڑکی' فرمایا کس کے مشابہ ہوگا کہا یا میرے یا اس کی ماں کے' فرمایا خاموش ایسا نہ کہہ نطفہ جب رحم میں ٹھہرتا ہے تو حضرت آدم تک کا نسب اس کے سامنے ہوتا ہے' پھر آپ نے آیت فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ پڑھی اور فرمایا جس صورت میں اس نے چاہا تجھے بنایا۔ یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو تو آیت کے معنی ظاہر کرنے کے لئے کافی تھی لیکن اس کی اسناد ثابت نہیں ہے' مظہر بن ہشیم جو اس کے راوی ہیں یہ متروک الحدیث ہیں' ان پر اور جرح بھی ہے۔

صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت کے پاس آ کر کہا میری بیوی کو جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ سیاہ فام ہے' آپ نے فرمایا تیرے پاس اونٹ بھی ہیں؟ کہا ہاں' فرمایا کس رنگ کے ہیں؟ کہا سرخ رنگ کے فرمایا کیا ان میں کوئی چت کبرا بھی ہے؟ کہا ہاں فرمایا اس رنگ کا بچہ سرخ نر و مادہ کے درمیان کیسے پیدا ہو گیا؟ کہنے لگا شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ لے گئی ہو' آپ نے فرمایا اسی طرح تیرے بچے کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ بھی شاید یہی ہو۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اگر چاہے بندر کی صورت بنا دے اگر چاہے سور کی۔ ابو صالح فرماتے ہیں اگر چاہے کتے کی صورت میں بنا دے' اگر چاہے گدھے کی' اگر چاہے سور کی۔

قتادہؒ فرماتے ہیں یہ سب سچ ہے اور خدا سب چیز پر قادر ہے لیکن وہ مالک ہمیں بہترین عمدہ اور خوش شکل اور دل لبھانے والی پاکیزہ پاکیزہ شکلیں صورتیں فرماتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس کریم خدا کی نافرمانیوں پر تمہیں آمادہ کرنے والی چیز صرف یہی ہے کہ تمہارے دلوں میں قیامت کی تکذیب ہے' تم اس کا آنا ہی برحق نہیں جانتے اس لئے اس سے بے پرواہی برت رہے ہو' تم یقین مانو کہ تم پر بزرگ محافظ اور کاتب فرشتے مقرر ہیں' تمہیں چاہیے کہ ان کا لحاظ رکھو' وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں' تمہیں برائی کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں خدا کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت الگ نہیں ہوتے' تم ان کا احترام کرو غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو' دیوار سے یا اونٹ سے ہی سہی' یہ بھی نہ ہو تو اپنے کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہی پردہ ہو جائے (ابن ابی حاتم) بزار کی اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ہیر پھیر ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا ہونے سے منع کرتا ہے' اللہ کے ان فرشتوں سے شرماؤ' اس میں یہ بھی ہے کہ غسل کے وقت بھی یہ فرشتے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ کراما کاتبین بندے کا روزانہ اعمال خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اگر شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے درمیان کی سب خطائیں میں نے اپنے غلام کی بخش دیں (بزار)۔ بزار کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے انسانوں کو اور ان کے اعمال کو جانتے پہچانتے ہیں' جب کسی بندے کو نیکی میں مشغول پاتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں شخص نجات پا گیا' فلاں حاصل کر گیا اور اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو آپس میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں آج کی رات فلاں ہلاک ہوا۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿۱۴﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿۱۶﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿۱۹﴾ ع ۷ ۱۹

یقیناً نیک لوگ نعمتوں میں ہیں ○ اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہیں ○ بدلے والے دن اسی میں جائیں گے ○ یہ لوگ اس سے چھپ نہ سکیں گے ○ تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بدلے کا دن کیا ہے؟ ○ میں پھر کہتا ہوں کہ تجھے کیا معلوم کہ جزا اور سزا کا دن کیا ہے ○ اس دن کوئی شخص کسی شخص کے لئے کسی چیز کا مختار نہ ہوگا اور تمام تر احکام و فرمان اس روز اللہ تعالیٰ کے ہی ہوں گے ○

ابرار کا کردار: ☆☆ (آیت: ۱۳-۱۹) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گذار فرمانبردار ہیں' گناہوں سے دور رہتے ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ

جنت کی خوش خبری دیتا ہے۔ حدیث میں ہے انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے ماں باپ کے فرمانبردار تھے اور اپنی اولادوں کے ساتھ نیک سلوک تھے' بدکار لوگ ہمیشگی والے عذاب میں پڑیں گے' قیامت والے دن جو حساب کا اور بدلے کا دن ہے ان کا داخلہ اس میں ہو گا' ایک ساعت بھی ان پر عذاب ہلکا نہ ہوگا نہ موت آئے گی نہ راحت ملے گی نہ ایک ذرا سی دیر اس سے الگ ہوں گے۔ پھر قیامت کی بڑائی اور اس دن کی ہولناکی ظاہر کرنے کے لئے دو دو بار فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے معلوم کرایا کہ وہ دن کیسا ہے؟ پھر خود ہی بتلایا کہ اس دن کوئی کسی کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ عذابوں سے نجات دلوا سکے گا' ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کی سفارش کی اجازت خود خدائے تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے۔ اس موقعہ پر یہ حدیث وارد کرنی بالکل مناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنو ہاشم اپنی جانوں کو جہنم سے بچانے کے لئے نیک اعمال کی تیاریاں کرلو میں تمہیں اس دن خدا کے عذابوں سے بچانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ حدیث سورۂ شعراء کی تفسیر کے آخر میں گذر چکی ہے یہاں بھی فرمایا کہ اس دن امر محض اللہ کا ہی ہوگا۔ جیسے اور جگہ ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ اور جگہ ارشاد ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ اور فرمایا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مطلب سب کا یہی ہے کہ ملک وملکیت اس دن صرف خدائے واحد قہار ورحمٰن کی ہی ہوگی' گو آج بھی اسی کی ملکیت ہے' وہ ہی تنہا مالک ہے' اسی کا حکم چلتا ہے' مگر وہاں تو کوئی ظاہرداری حکومت اور ملکیت اور امر وہ بھی نہ ہوگا۔ سورۂ انفطار کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورة المطففين

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی O کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو تو پورا پورا کرلیں O اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں O کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین نہیں O اس بڑے بھاری دن O جس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے O

ناپ تول میں کمی کے نتائج: ☆☆ (آیت: ۱-۶) نسائی اور ابن ماجہ میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ ناپ تول کے اعتبار سے بہت برے تھے جب یہ آیت اتری پھر انہوں نے ناپ تول بہت درست کرلی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ہلال بن طلق نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ مکے مدینے والے بہت ہی عمدہ ناپ تول رکھتے ہیں' آپ نے فرمایا وہ کیوں نہ رکھتے؟ جب کہ خدا تعالیٰ کا فرمان وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الخ' ہے' پس تطفیف سے مراد ناپ تول کی کمی ہے خواہ اس صورت میں کہ اوروں سے لیتے وقت زیادہ لے لیا اور دیتے وقت کم دیا' اسی لئے انہیں دھمکایا

کہ یہ نقصان اٹھانے والے اور ہلاک ہونے والے ہیں کہ جب اپنا حق لیں تو تو پورا لیں بلکہ زیادہ لے لیں اور دوسروں کو دینے بیٹھیں تو کم دیں' ٹھیک یہ ہے کہ کَالُوُ اور وَزَنُوا کو متعدی مانیں اور ھم کو محلاً منصوب کہیں' گو بعض نے اسے ضمیر موکد مانا ہے جو کَالُوا اور وَزَنُوا کی پوشیدہ ضمیر کی تاکید کے لئے ہے اور مفعول محذوف مانا ہے جس پر دلالت کلام موجود ہے دونوں طرح مطلب قریب قریب ایک ہی ہے۔ قرآن کریم نے ناپ تول دست کرنے کا حکم اس آیت میں بھی دیا ہے اَوُفُو الْکَیُلَ اِذَا کِلْتُمُ وَزِنُوا بِالْقِسُطَاسِ الْمُسْتَقِیمِ یعنی جب ناپو تو ناپ پورا کرو اور وزن سیدھے ترازو سے تول کر دیا کرو' اور جگہ حکم ہے اَوُفُوا الْکَیُلَ وَالْمِیُزَانَ بِالْقِسْطِ الخ' ناپ تول انصاف کے ساتھ برابر کر دیا کرو' ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اور جگہ فرمایا وَاَقِیُمُوا الْوَزُنَ بِالْقِسُطِ وَلَا تُخْسِرُ والْمِیُزَانَ یعنی تول کو قائم رکھو اور میزان کو گھٹاؤ نہیں' حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اسی بدعلت کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے غارت و برباد کر دیا' یہاں بھی اللہ تعالیٰ ڈرا رہا ہے کہ لوگوں کے حق مارنے والے کیا قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جس دن یہ اس ذات پاک کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے' جس پر نہ تو کوئی پوشیدہ بات پوشیدہ ہے نہ ظاہر' وہ دن بھی نہایت ہولناک خطرناک ہوگا' بڑی گھبراہٹ اور پریشانی والا دن ہوگا' اس دن یہ نقصان رساں لوگ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے' جس دن لوگ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے اس حالت میں کہ ننگے پیر ہوں گے اور ننگے بدن ہوں گے اور بے ختنہ ہوں گے' وہ جگہ بھی نہایت تنگ و تاریک ہوگی اور میدان آفات بلیات سے پر ہوگا اور وہ وہ مصائب نازل ہو رہے ہوں گے کہ دل پریشان ہوں گے' حواس بگڑے ہوئے ہوں گے' ہوش جاتا رہا ہوگا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آدھے آدھے کانوں تک پسینہ پہنچ گیا ہوگا (موطا مالکؒ)

مسند احمد کی حدیث میں ہے اس دن رحمان عزوجل کی عظمت کے سامنے سب کھڑے کپکپا رہے ہوں گے' اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے سورج اس قدر قریب ہو جائے گا کہ ایک یا دو نیزے کے برابر اونچا ہوگا اور سخت تیز ہوگا' ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنے پسینے میں غرق ہوگا' بعض کی ایڑیوں تک پسینہ ہوگا' بعض کے گھٹنوں تک' بعض کی کمر تک' بعض کو تو ان کا پسینہ لگام بنا ہوا ہوگا' اور حدیث میں ہے دھوپ اس قدر تیز ہوگی کہ کھوپڑی بھنا اٹھے گی اور اس طرح اس میں جوش اٹھنے لگے گا جس طرح ہنڈیا میں کھدبدیاں آتی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے منہ پر اپنی انگلیاں رکھ کر بتایا کہ اس طرح پسینہ کی لگام چڑھی ہوئی ہوگی پھر آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ بعض بالکل ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے ستر سال تک بغیر بولے چالے کھڑے رہیں گے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس ہزار سال تک کھڑے رہیں گے اور دس ہزار سال میں فیصلہ کیا جائے گا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی' ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بشیر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو کیا کرے گا جس دن لوگ خدائے رب العالمین کے سامنے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے' نہ تو کوئی خبر آسمان سے آئے گی نہ کوئی حکم کیا جائے گا' حضرت بشیر کہنے لگے اللہ ہی مددگار ہے' آپ نے فرمایا سنو جب بستر پر جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن تکلیفوں سے اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کرو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن کے کھڑے ہونے کی جگہ کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے' حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ چالیس سال تک لوگ اونچا سر کئے کھڑے رہیں گے' کوئی بولے گا نہیں' نیک بد کو پسینے کی لگا میں چڑھی ہوئی ہوں گی۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں سو سال

تک کھڑے رہیں گے (ابن جریر) ابوداؤد نسائی ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ جب رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز کو شروع کرتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے' دس مرتبہ الحمد للہ کہتے' دس مرتبہ سبحان اللہ کہتے' دس مرتبہ استغفر اللہ کہتے' پھر کہتے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ خدایا مجھے بخش مجھے ہدایت دے مجھے روزیاں دے اور عافیت عنایت فرما' پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کے مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ كَلَّا بَلْ ٜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝١٦ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝١٧

یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے ○ تجھے کس نے بتایا کہ سجین کیا ہے؟ ○ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے ○ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے ○ جو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے ○ اسے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جانے والا اور گنہگار ہو ○ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہہ دے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں ○ یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے ○ یہی نہیں یہ لوگ آج کے دن دیدار باری سے محروم ہیں ○ پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں پہنچنے والے ہیں ○ پھر کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے ○

انتہائی المناک اور دکھ درد کی جگہ: ☆☆ (آیت: ۷-۱۷) مطلب یہ ہے کہ برے لوگوں کا ٹھکانا سجین ہے یہ لفظ فِعِّیْلٌ کے وزن پر سِجْنٌ سے ماخوذ ہے' سجن کہتے ہیں لغتاً تنگی کو' ضِیِّیْقٌ شِرِّیْبٌ خِمِّیْرٌ سِکِّیْرٌ وغیرہ کی طرح یہ لفظ بھی سِجِّیْنٌ ہے۔ پھر اس کی مزید برائیاں بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم نہیں' وہ المناک اور ہمیشہ کے درد دکھ کی جگہ ہے' مروی ہے کہ یہ جگہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے' حضرت براء بن عازب کی ایک مطول حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ کافر کی روح کے بارے میں جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو کتاب سجین میں لکھ لو اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے' کہا گیا ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی ایک چٹان ہے' اور کہا گیا ہے کہ جہنم میں ایک گڑھا ہے۔

ابن جریر کی ایک غریب منکر اور غیر صحیح حدیث میں ہے کہ فلق جہنم کا ایک منہ بند کردہ کنواں ہے اور سجین کھلے منہ والا گڑھا ہے' صحیح بات یہ ہے کہ اسکے معنی ہیں تنگ جگہ جیل خانہ کے نیچے کی مخلوق میں تنگی ہے اور اوپر کی مخلوق میں کشادگی' آسمانوں میں ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان سے کشادہ ہے اور زمینوں میں ہر نیچے کی زمین اوپر کی زمین سے تنگ ہے یہاں تک کہ بالکل نیچے کی تہہ بہت تنگ ہے اور سب سے زیادہ تنگ جگہ ساتویں زمین کا وسطی مرکز ہے چونکہ کافروں کے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ سب سے نیچے ہے' اور جگہ ہے ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ یعنی ہم نے اسے پھر نیچوں کا نیچ کر دیا ہاں جو ایمان والے اور نیک اعمال والے ہیں۔ غرض سجین ایک تنگ اور تہہ کی جگہ ہے' جیسے قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ہے اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا

ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا جب وہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ كِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ یہ سجین کی تفسیر ہیں بلکہ یہ تفسیر ہے اس کی جو ان کے لئے لکھا جا چکا ہے کہ آخر ش جہنم میں پہنچیں گے' ان کا یہ نتیجہ لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے نہ اس میں اب کچھ زیادتی ہو نہ کمی' تو فرمایا ان کا انجام سجین ہونا ہماری کتاب میں پہلے سے ہی لکھا جا چکا ہے' ان جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی ہو گی' انہیں جہنم کا قید خانہ اور رسوائی والے المناک عذاب ہوں گے۔ وَيْلٌ کی مکمل تفسیر اس سے پہلے گذر چکی ہے' خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان کی ہلاکی بربادی اور خرابی ہے' جیسے کہا جاتا ہے وَيْلٌ لِّفُلَانٍ۔ مسند اور سنن کی حدیث میں ہے ویل ہے اس شخص کے لئے جو کوئی جھوٹی بات کہہ کر لوگوں کو ہنسانا چاہے اور اسے ویل ہے اسے ویل ہے۔ پھر ان جھٹلانے والوں بدکار کافروں کی مزید تشریح کی اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو روز جزا کو نہیں مانتے' اسے خلاف عقل کہہ کر اس کے واقع ہونے کو محال جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت کا جھٹلانا انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنے کاموں میں حد سے بڑھ جائیں' اسی طرح اپنے اقوال میں گنہگار ہوں' جھوٹ بولیں' وعدہ خلافی کریں' گالیاں بکیں وغیرہ۔

یہ لوگ ہیں کہ ہماری آیتوں کو سن کر انہیں جھٹلاتے ہیں' بدگمانی کرتے ہیں اور کہہ گذرتے ہیں کہ پہلی کتابوں سے کچھ جمع جتھا کر لی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کچھ نازل فرمایا تو کہتے ہیں اگلوں کے افسانے ہیں۔ اور جگہ ہے وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا یعنی یہ کہتے ہیں کہ اگلوں کے قصے ہیں جو اسے صبح شام لکھوائے جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جواب میں فرماتا ہے کہ واقعہ ان کے قول اور ان کے خیال کے مطابق نہیں بلکہ دراصل یہ قرآن کلام الٰہی ہے' اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے پر نازل کی ہے ہاں ان کے دلوں پر ان کے بداعمال نے پردے ڈال دیئے ہیں' گناہوں اور خطاؤں کی کثرت نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے کافروں کے دلوں پر رین ہوتا ہے اور نیک کار لوگوں کے دلوں پر غیم ہوتا ہے۔

ترمذی نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی صفائی ہو جاتی ہے اور اگر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی پھیلتی جاتی ہے' اسی کا بیان كَلَّا بَلْ رَانَ میں ہے' نسائی کے الفاظ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کا فرمان ہے کہ گناہوں پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان عذابوں میں مبتلا ہو کر دیدار باری سے بھی محروم اور محجوب کر دیئے جائیں گے' حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ مومن قیامت کے دن دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔ امام صاحب کا یہ فرمان بالکل درست ہے اور آیت کا صاف مفہوم یہی ہے اور دوسری جگہ کھلے الفاظ میں بھی یہ بیان موجود ہے فرمان ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے صحیح اور متواتر حدیثوں سے بھی یہ ثابت ہے کہ ایماندار قیامت والے دن اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے قیامت کے میدان میں اور جنت کے نفیس باغچوں میں دیکھیں گے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ حجاب ہٹ جائیں گے اور مومن اپنے رب کو دیکھیں گے اور پھر کافروں کو پردوں کے پیچھے کر دیا جائے گا البتہ مومن ہر صبح شام پروردگار عالم کا دیدار حاصل کریں گے یا اسی جیسا اور کلام ہے' پھر فرماتا ہے کہ نہ صرف دیدار خدا سے ہی یہ محروم رہیں گے بلکہ یہ لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور انہیں حقارت ذلت اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر غصہ کے ساتھ کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِى عِلِّيِّينَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُومٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِى نَعِيمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِى وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهُ مِسْكٌ وَفِى ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُونَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۸﴾

یقیناً یقیناً نیک کاروں کا نامہ اعمال علیین میں ہے ○ تجھے کس نے بتایا کہ علیین کیا ہے؟ ○ کتاب میں لکھا جا چکا ہے ○ اس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں ○ نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہیں ○ مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں ○ تو ان کے چہروں سے ہی نعمت کی تروتازگی پہچان لے گا ○ یہ لوگ سر بمہر خالص شراب پلائے جائیں گے ○ جس پر مشک کی مہر ہوگی رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہئے ○ اس کی آمیزش تسنیم کی ہوگی ○ یعنی وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پئیں گے ○

نعمتوں، راحتوں اور عزت و جاہ کی جگہ: ☆☆ (آیت: ۱۸-۲۸) بدکاروں کا حشر بیان کرنے کے بعد اب نیک لوگوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ٹھکانا علیین ہے جو کہ سجین کے بالکل برعکس ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعب سے سجین کا سوال کیا تو فرمایا کہ وہ ساتویں زمین ہے اور اس میں کافروں کی روحیں ہیں اور علیین کے سوال کے جواب میں فرمایا یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنوں کی روحیں ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے جنت ہے' عوفی آپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ کے نزدیک آسمان میں ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں یہ عرش کا داہنا پایہ ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے' ظاہر یہ ہے کہ لفظ علو یعنی بلندی سے ماخوذ ہے جس قدر کوئی چیز اونچی اور بلند ہوگی اسی قدر بڑی اور کشادہ ہوگی' اس لئے اس کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لئے فرمایا تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہی نہیں' پھر اس کی تاکید کی کہ یہ یقینی چیز ہے' کتاب میں لکھی جا چکی ہے کہ یہ لوگ علیین میں جائیں گے جس کے پاس ہر آسمان کے مقرب فرشتے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن یہ نیک کار ہمیشگی والی نعمتوں اور باغات میں ہوں گے' یہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے' اپنے ملک و مال کو اور نعمتوں اور راحتوں کو عزت و جاہ کو مال و متاع کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے' یہ خیر و فضل یہ نعمت و رحمت نہ کبھی کم ہو نہ گم ہو نہ گھٹے نہ مٹے۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ اپنی آرام گاہوں میں تخت سلطنت پر بیٹھے دیدار باری سے مشرف ہوتے رہیں گے تو گویا کہ فاجروں کے بالکل برعکس ہوں گے' ان پر دیدار باری حرام تھا' ان کے لئے ہر وقت اجازت ہے' جیسے کہ ابن عمر کی حدیث میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ سب سے نیچے درجے کا جنتی اپنے ملک اور ملکیت کے دو ہزار سال کی راہ تک دیکھے گا اور سب سے آخر کی چیزیں اس طرح کی نظروں کے سامنے ہوں گی جس طرح سب سے اول چیز اور اعلیٰ درجہ کے جنتی تو دن بھر میں دو دو مرتبہ دیدار باری کی نعمت سے اپنے دل کو مسرور اور اپنی آنکھوں کو پرنور کریں گے' ان کے چہرے پر نظر ڈالے تو بیک نگاہ آسودگی اور خوش حالی' جاہ و حشمت' شوکت و سطوت' خوشی و سرور' بہجت و نور دیکھ کر ان کا مرتبہ تاڑ لے اور سمجھ لے کہ راحت و آرام میں خوش و خرم ہیں' جنتی شراب کا دور چلتا رہتا ہے۔ رحیق جنت کی ایک قسم کی شراب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے اسے اللہ تعالیٰ رحیق مختوم پلائے گا' یعنی جنت کی مہر والی شراب اور جو کسی

بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا اور جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اسے جنتی سبز ریشم کے جوڑے پہنائے گا (مسند احمد)

ختام کے معنی ملونی اور آمیزش کے ہیں اسے اسے خدا نے پاک صاف کر دیا ہے اور مشک کی مہر لگا دی ہے' یہ بھی معنی ہیں کہ انجام اس کا مشک ہے یعنی کوئی بدبو نہیں بلکہ مشک کی سی خوشبو ہے' چاندی کی طرح سفید رنگ شراب ہے' جس کی مہر لگے گی یا ملونی ہوگی اس قدر خوشبو والی ہے کہ اگر کسی اہل دنیا کی انگلی اس پر لگ جائے پھر گو اسی وقت وہ نکال لے لیکن تمام دنیا اس کی خوشبو سے مہک جائے اور ختام کے معنی خوشبو کے بھی کئے گئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ حرص کرنے والے' فخر و مباہات کرنے والے کثرت اور سبقت کرنے والوں کو چاہئے کہ اسکی طرف تمام تر توجہ کریں' جیسے اور جگہ ہے لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ایسی چیزوں کیلئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ تسنیم جنت کی بہترین شراب کا نام ہے یہ ایک نہر ہے جس سے سابقین لوگ تو برابر پیا کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ والے اپنی شراب رحیق میں ملا کر پیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

ع ۸ ۳۶

گنہگار لوگ ایمان داروں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے ○ ان کے پاس سے گذرتے ہوئے اشاروں کنایوں سے ان کی حقارت کرتے تھے ○ اور جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے ○ اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ بے راہ ہیں ○ یہ ان پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ○ پس آج ایمان داران کافروں پر ہنسیں گے ○ تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے ○ کہ اب ان منکروں نے جیسا یہ کرتے تھے بھر پایا ○

گناہ گار روز قیامت رسوا ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۲۹-۳۶) یعنی دنیا میں تو ان کافروں کی خوب بن آئی تھی' ایمان داروں کو مذاق میں اڑاتے رہے' چلتے پھرتے آوازے کستے رہے اور حقارت و تذلیل کرتے رہے اور اپنے والوں میں جا کر خوب باتیں بناتے تھے' جو چاہتے تھے پاتے تھے' لیکن شکر تو کہاں اور کفر پر آمادہ ہو کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے تھے اور چونکہ مسلمان ان کی مانتے نہ تھے تو یہ انہیں گمراہ کہا کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے کچھ یہ لوگ محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے' انہیں مومنوں کی کیا پڑی' کیوں ہر وقت ان کے پیچھے پڑے ہیں اور ان کے اعمال افعال کی دیکھ بھال رکھتے ہیں اور طعنہ آمیز باتیں بناتے رہتے ہیں؟ جیسے اور جگہ ہے اِخْسَئُوْا فِيْهَا الخ ① یعنی اس جہنم میں پڑے جھلستے رہو' مجھ سے بات نہ کرو' میرے بعض خاص بندے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر' تو سب سے بڑا رحم و کرم کرنے والا ہے' تو تم نے انہیں مذاق میں اڑایا اور اس قدر غافل ہوئے کہ میری یاد بھلا بیٹھے اور ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے' دیکھو آج میں نے انہیں ان کے صبر کا یہ بدلا دیا ہے کہ وہ ہر طرح کامیاب ہیں' یہاں بھی اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ آج قیامت کے دن ایماندار ان بدکاروں پر ہنس رہے ہیں اور تختوں پر بیٹھے اپنے خدا کو دیکھ رہے ہیں' جو صاف ثبوت ہے اس

بات کا کہ یہ گمراہ نہ تھے گو تم انہیں راہ گم کردہ کہا کرتے تھے بلکہ یہ دراصل اولیاء اللہ تھے' مقربین خدا تھے' اسی لئے آج خدا کا دیدار ان کی نگاہوں کے سامنے ہے' یہ خدا کے مہمان ہیں اور ان کے بزرگی والے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جیسا کچھ ان کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں کیا تھا اس کا پورا بدلہ کیا انہیں آخرت میں مل گیا یا نہیں؟ ان کے مذاق کے بدلے آج ان پر ہنسی اڑی' یہ انہیں گھٹاتے تھے خدا نے انہیں بڑھایا غرض پورا پورا اتمام و کمال بدلہ دے دیا گیا۔ الحمدللہ سورۂ مطففین کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة انشقاق

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی سورت پڑھی اور سجدہ کیا اور فارغ ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے پڑھتے ہوئے سجدہ کیا تھا' یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے' بخاری میں ہے حضرت ابو رافع فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی آپ نے اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا' میں نے پوچھا تو جواب دیا کہ میں نے ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے (یعنی حضور نے بھی اس سورت کو نماز میں پڑھا اور آیت سجدہ پر سجدہ کیا اور مقتدیوں نے بھی سجدہ کیا) پس میں تو جب تک آپ سے ملوں گا (اس موقعہ پر) سجدہ کرتا رہوں گا (یعنی مرتے دم تک) اس حدیث کی سندیں اور بھی ہیں اور صحیح مسلم شریف اور سنن میں مروی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں اور سورۂ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ میں سجدہ کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ﴿۶﴾

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے کے نام سے شروع

جب آسمان پھٹ جائے ○ اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے اور اسی کے لائق وہ ہے ○ اور جب زمین کھینچ کر پھیلا دی جائے ○ اور اس میں جو ہے اسے وہ اگل دے اور خالی ہو جائے ○ اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے اور اس کے لائق یہی ہے ○ اے انسان تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے ○

زمین مردے اگل دے گی: ☆☆ (آیت: ۱-۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا وہ اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لئے اپنے کان لگائے ہوئے ہوگا' پھٹنے کا حکم پاتے ہی پھٹ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا' اسے بھی چاہئے ہے کہ امر خدا بجا لائے' اس لئے کہ یہ اس خدا کا حکم ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا' جس سے بڑا اور نہیں' جو سب پر غالب ہے' اس پر غالب کوئی نہیں' ہر چیز اس کے سامنے پست و لاچار ہے' بے بس و مجبور ہے اور زمین پھیلا دی جائے گی' بچھا دی جائے گی اور کشادہ کر دی جائے گی۔ حدیث میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر انسان کو صرف دو قدم ٹکانے کی جگہ ملے گی' سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا' حضرت جبرئیل علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی دائیں جانب ہوں گے' خدا کی قسم اس سے پہلے اس نے کبھی اسے نہیں دیکھا تو میں

کہوں گا خدایا جبرئیل نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ تیرے بھیجے ہوئے میرے پاس آتے ہیں' اللہ فرمائے گا سچ کہا' تو میں کہوں گا خدایا پھر مجھے شفاعت کی اجازت ہو' چنانچہ مقام محمود میں کھڑا ہو کر میں شفاعت کروں گا اور کہوں گا کہ خدایا تیرے ان بندوں نے زمین کے گوشے گوشے پر تیری عبادت کی ہے (ابن جریر)۔ پھر فرماتا ہے کہ زمین اپنے اندر کے کل مردے اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی' یہ بھی رب کی فرمان کے منتظر ہو گی اور اسے بھی یہی لائق ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے انسان تو کوشش کرتا رہے گا اور اپنے رب کی طرف آگے بڑھتا رہے گا اعمال کرتا رہے گا یہاں تک کہ ایک دن اس سے مل جائے گا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گا اور اپنے اعمال اور اپنی سعی و کوشش کو اپنے آگے دیکھ لے گا۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اے محمد (ﷺ) جی لے جب تک چاہے بالآخر موت آنے والی ہے جس سے چاہ دلبستگی پیدا کر لے' ایک دن اس سے جدائی ہونی ہے جو چاہ عمل کر لے ایک دن اس کی ملاقات ہونے والی ہے۔ مُلَاقِيهِ کی ضمیر کا مرجع بعض نے لفظ رب کو بھی بتلایا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ خدا سے تیری ملاقات ہونے والی ہے' وہ تجھے تیرے کل اعمال کا بدلہ دے گا اور تیری تمام کوشش وسعی کا پھل تجھے عطا فرمائے گا' دونوں ہی باتیں آپس میں ایک دوسری کو لازم وملزوم ہیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تو کوشش کرنے والا ہے لیکن اپنی کوشش میں کمزور ہے' جس سے یہ ہو سکے کہ اپنی تمام تر سعی و کوشش نیکیوں کی کرے تو وہ کر لے' دراصل نیکی کی قدرت اور برائیوں سے بچنے کی طاقت بجز امداد خداوندی حاصل نہیں ہو سکتی۔

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے ○ اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا ○ اور وہ اپنے والوں کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا ○ ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا ○ تو وہ موت بلانے لگے گا ○ اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہو گا ○ یہ شخص اپنے متعلقین میں خوش تھا ○ اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر نہ جائے گا ○ ہاں ہاں اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا ہے ○

(آیت: ۷-۵) پھر فرمایا جس کے داہنے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ مل جائے گا اس کا حساب سختی بغیر نہایت آسانی سے ہو گا' اس کے چھوٹے اعمال معاف بھی ہو جائیں گے اور جس سے اس کے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا وہ ہلاکت سے نہ بچے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس سے حساب کا مناقشہ ہو گا وہ تباہ ہو گا' تو حضرت عائشہ نے فرمایا قرآن میں تو ہے کہ نیک لوگوں کا بھی حساب ہو گا فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا آپ نے فرمایا دراصل یہ وہ حساب نہیں یہ تو صرف پیشی ہے' جس سے حساب میں پوچھ گچھ ہو گی وہ برباد ہو گا (مسند احمد)

دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیان فرماتے ہوئے آپ نے اپنی انگلی اپنے ہاتھ پر رکھ کر جس طرح کوئی چیز کریدتے ہیں اس طرح اسے ہلا جلا کر بتلایا' مطلب یہ ہے کہ جس سے باز پرس اور کرید ہو گی وہ عذاب سے بچ نہیں سکتا' خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا سے مروی ہے کہ جس سے باقاعدہ حساب ہوگا وہ تو بے عذاب نہیں رہ سکتا اور حساب یسیر سے مراد صرف پیشی ہے۔ حالانکہ خدا خوب دیکھتا رہا ہے' حضرت صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضورؐ سے سنا کہ آپ نماز میں یہ دعا مانگ رہے تھے اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا حضورؐ یہ آسان حساب کیا ہے؟ فرمایا صرف نامہ اعمال پر نظر ڈال لی جائے گی اور کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ ہم نے درگذر کیا' لیکن اے عائشہ جس سے خدا حساب لینے پر آئے گا وہ ہلاک ہوگا (مسند احمد) غرض جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آئے گا وہ خدا کے سامنے پیش ہوتے ہی چھٹی پا جائے گا اور اپنے والوں کی طرف خوش خوش جنت میں واپس آئے گا۔

طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم لوگ اعمال کر رہے ہو اور حقیقت کا علم کسی کو نہیں' عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تم اپنے اعمال کو پہچان لو گے' بعض وہ لوگ ہوں گے جو ہنسی خوشی اپنوں سے آملیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ رنجیدہ افسردہ اور ناخوش واپس آئیں گے اور جسے پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ہاتھ موڑ کر نامہ اعمال دیا جائے گا وہ نقصان اور گھاٹے کی پکار پکارے گا' ہلاکت اور موت کو بلائے گا اور جہنم میں جائے گا' دنیا میں خوب ہشاش بشاش تھا بے فکری سے مزے کر رہا تھا' آخرت کا خوف عاقبت کا اندیشہ مطلق نہ تھا' اب اس کو غم و رنج یا اس حرمان رنجیدگی اور افسردگی نے ہر طرف سے گھیر لیا' یہ سمجھ رہا تھا کہ موت کے بعد زندگی نہیں' اسے یقین نہ تھا کہ لوٹ کر خدا کے پاس بھی جانا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہاں ہاں اسے خدا ضرور دوبارہ زندہ کر دے گا جیسے کہ پہلی مرتبہ اس نے اسے پیدا کیا' پھر اس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دے گا' بندوں کے اعمال و احوال کی اسے اطلاع ہے اور وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

مجھے شفق کی قسم ○ اور رات کی اور اس کی جمع کردہ چیزوں کی قسم ○ اور پورے چاند کی قسم ○ یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے ○ انہیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے ○

پیشین گوئی: ☆☆ (آیت ۱۶-۲۰) شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے مغربی کناروں پر ظاہر ہوتی ہے' حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ' حضرت عبادہ بن صامتؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت شداد بن اوسؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' محمد بن علی' رحمۃ اللہ علیہ بن حسین مکحول بکر بن عبداللہ' مزنی بکیر بن اشجع مالک بن ابی ذئب' عبدالعزیز بن ابو سلمہ جشون یہی فرماتے ہیں کہ شفق اس سرخی کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد سفیدی ہے' پس شفق کناروں کی سرخی کو کہتے ہیں وہ طلوع سے پہلے ہو یا غروب کے بعد اور اہل سنت کے نزدیک مشہور یہی ہے۔ خلیل کہتے ہیں عشاء کے وقت تک یہ شفق باقی رہتی ہے' جوہری کہتے ہیں سورج کے غروب ہونے کے بعد جو سرخی اور روشنی باقی رہتی ہے اسے شفق کہتے ہیں یہ اول رات سے عشاء کے وقت تک رہتی ہے' عکرمہؒ فرماتے ہیں مغرب سے لے کر عشاء تک۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے' مجاہدؒ سے البتہ یہ مروی ہے کہ اس سے مراد سارا دن ہے' اور ایک روایت میں ہے کہ مراد سورج ہے' غالباً اس مطلب کی وجہ اس کے بعد کا جملہ ہے تو گویا روشنی اور اندھیرے کی قسم کھائی۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں دن کے جانے اور رات کے آنے کی قسم ہے' اوروں نے کہا ہے سفیدی اور سرخی کا نام شفق ہے۔ اور قول ہے کہ یہ لفظ ان دونوں مختلف معنوں میں دیا جاتا ہے۔ وسق کے معنی ہیں جمع کیا یعنی رات کے ستاروں اور رات کے جانوروں کی قسم'

اسی طرح رات کے اندھیرے میں تمام چیزوں کا اپنی اپنی جگہ چلے جانا اور چاند کی قسم جبکہ وہ پورا ہو جائے بھرپور ہو جائے اور پوری روشنی والا بن جائے۔ لَتَرْکَبُنَّ کی تفسیر بخاری میں مرفوع حدیث سے مروی ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھتے چلے جاؤ گے' حضرت انسؓ فرماتے ہیں جو سال آئے گا وہ اپنے پہلے سے زیادہ برا ہو گا' میں نے اسی طرح تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے' اس حدیث سے اور اوپر والی حدیث کے الفاظ بالکل یکساں ہیں' بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے (واللہ اعلم) اور یہ مطلب بھی اس حدیث کا بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد ذات نبی ﷺ ہے' اور اس کی تائید حضرت عمر ابن مسعود' ابن عباس اور عام اہل مکہ اور اہل کوفہ کی قرات سے بھی ہوتی ہے' ان کی قرات ہے تر کبن۔ شعبی کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان پر چڑھو گے' مراد اس سے معراج ہے یعنی منزل بمنزل چڑھتے چلے جاؤ گے۔

سدیؒ کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق منزلیں طے کرو گے' جیسے حدیث میں ہے کہ تم اپنے سے اگلے لوگوں کے طریقوں پر چڑھو گے بالکل برابر برابر' یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی یہی کرو گے۔ لوگوں نے کہا اگلوں سے مراد آپ کی کیا یہود و نصرانی ہیں؟ آپ نے فرمایا پھر اور کون؟ حضرت مکحول فرماتے ہیں ہر بیس سال کے بعد تم کسی نہ کسی ایسے کام کی ایجاد کرو گے جو اس سے پہلے نہ تھا' عبداللہ فرماتے ہیں آسمان پھٹے گا پھر سرخ رنگ ہو جائے گا پھر بھی رنگ بدلتے چلے جائیں گے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کبھی تو آسمان دھواں بن جائے گا پھر پھٹ جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یعنی بہت سے لوگ جو دنیا میں پست و ذلیل تھے آخرت میں بلند و ذی عزت بن جائیں گے اور بہت سے لوگ دنیا میں مرتبے اور عزت والے تھے وہ آخرت میں ذلیل و نامراد ہو جائیں گے' عکرمہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ پہلے دودھ پیتے تھے پھر غذا کھاتے ہوئے پہلے جوان تھے' پھر بڈھے ہوئے۔ حسن بصری فرماتے ہیں نرمی کے بعد سختی سختی کے بعد نرمی' امیری کے بعد فقیری کے بعد امیری' صحت کے بعد بیماری بیماری کے بعد تندرستی ایک مرفوع حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ابن آدم غفلت میں ہے وہ پروا نہیں کرتا کہ کس لئے پیدا کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے سے کہتا ہے اس کی روزی اس کی اجل اس کی زندگی اس کا بد یا نیک ہونا لکھ لے' پھر وہ فارغ ہو کر چلا جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ آتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آ جائے' پھر وہ فرشتہ اٹھ جاتا ہے' پھر دو فرشتے اس کا نامہ اعمال لکھنے والے آ جاتے ہیں' موت کے وقت وہ بھی چلے جاتے ہیں اور ملک الموت آ جاتے ہیں' اس کی روح قبض کرتے ہیں' پھر قبر میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے' ملک الموت چلے جاتے ہیں۔ قیامت کے دن نیکی بدی کے فرشتے آ جائیں گے اور ان کی گردن سے اس کا نامہ اعمال کھول لیں گے پھر اس کے ساتھ ہی رہیں گے ایک سائق ہے دوسرا شہید ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا تو اس سے غافل تھا پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت لَتَرْكَبُنَّ پڑھی یعنی ایک حال سے دوسرا حال' پھر فرمایا لوگو تمہارے آگے بڑے بڑے اہم امور آ رہے ہیں جن کی تمہیں طاقت ہی نہیں' اللہ تعالیٰ بلند و برتر سے مدد چاہو۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے منکر حدیث ہے اور اس کی سند میں ضعیف ضعیف راوی ہیں لیکن اس کا مطلب بالکل صحیح اور درست ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ امام ابن جریر نے ان تمام اقوال کو بیان کر کے فرمایا ہے کہ صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ اے محمد ﷺ سخت سخت کاموں میں ایک کے بعد ایک میں پڑنے والے ہیں اور گو خطاب حضورؐ سے ہی ہے لیکن مراد سب لوگ ہیں کہ وہ قیامت کی ایک کے بعد ایک ہولناکی دیکھیں گے' پھر فرمایا کہ انہیں کیا ہو گیا یہ کیوں نہیں ایمان لاتے؟

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

اور جب ان کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ○ بلکہ یہ کفار تو جھوٹا سمجھتے ہیں ○ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں رکھتے ہیں ○ انہیں الم ناک عذابوں کی خبر پہنچا دو ○ ہاں ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو بیشمار اور نہ ختم ہونے والا نیک بدلہ ہے ○

(آیت:۲۱-۲۵) اور انہیں قرآن سن کر سجدے میں گر پڑنے سے کون سی چیز روکتی ہے بلکہ یہ کفار تو الٹا جھٹلاتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں اور سرکشی میں اور برائی میں پھنسے ہوئے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو جنہیں یہ چھپا رہے ہیں' بخوبی جانتا ہے تم اے نبی انہیں خبر پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھے ہیں' پھر فرمایا کہ ان عذابوں سے محفوظ ہو کر بہترین اجر کے مستحق ایماندار نیک کردار لوگ ہیں انہیں پورا پورا بے کتا بے حساب اجر ملے گا۔ جیسے اور جگہ ہے عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ بلا احسان' لیکن یہ معنی ٹھیک نہیں' ہر آن ہر لحظہ اور ہر وقت خدائے تعالیٰ عزوجل کے اہل جنت پر احسان و انعام ہوں گے بلکہ صرف اس کے احسان اور اس کے فضل و کرم کی بنا پر انہیں جنت نصیب ہوئی نہ کہ ان کے اعمال کی وجہ سے' پس اس مالک کا تو ہمیشگی اور مدام والا احسان اپنی مخلوق پر ہے ہی' اس کی ذات پاک ہر طرح کی ہر وقت کی تعریفوں کے لائق ہمیشہ ہمیشہ ہے' اسی لئے اہل جنت پر خدا کی تسبیح اور اس کی حمد کا الہام اسی طرح کیا جائے گا جس طرح سانس بلا تکلیف اور بے تکلف بلکہ بے ارادہ چلتا رہتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی ان کا آخری قول یہی ہوگا کہ سب تعریف جہانوں کے پالنے والے خدا کے لئے ہی ہے۔ الحمدللہ سورۂ انشقاق کی تفسیر ختم ہوئی۔ خدا ہمیں توفیق خیر دے اور ہمیں برائی سے بچائے۔ آمین۔

تفسیر سورة البروج

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں سورۂ بروج اور سورۂ طارق پڑھتے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے سماوات کی ان سورتوں کا عشاء کی نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾

اللہ کے نام سے شروع ہے جو بہت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے

برجوں والے آسمان کی قسم ○ وعدہ کئے ہوئے دن کی قسم ○ حاضر ہونے والے اور حاضر کئے گئے کی قسم ○ کہ خندقوں والے ہلاک کئے گئے ○ وہ ایک آگ تھی ایندھن والی ○ یہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ○ مسلمانوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اپنے سامنے دیکھ رہے تھے ○

سب سے افضل اور اعلیٰ دن اور ذکر ایک موحد کا: ☆☆ (آیت:۱-۷) بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں کہ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا کی تفسیر میں گزر چکا' حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ بروج وہ ہیں جن میں حفاظت کرنے والے رہتے ہیں' یحییٰ فرماتے ہیں یہ آسمان محل ہے' منہال بن عمروؒ کہتے ہیں مراد اچھی بناوٹ والے آسمان ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد سورج چاند کی منزلیں ہیں جو بارہ ہیں کہ سورج ان میں سے ہر ایک میں ایک مہینہ چلتا رہتا ہے اور چاند ان میں سے ہر ایک میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا ہے تو یہ اٹھائیس دن ہوئے اور دو راتوں تک وہ پوشیدہ رہتا ہے' نہیں نکلتا' ابن ابی حاتم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یَوْمَ مَوْعُوْد سے مراد قیامت کا دن ہے اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے۔ سورج جن جن دنوں پر نکلتا اور ڈوبتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل دن جمعہ کا دن ہے' اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں بندہ جو بھلائی طلب کرے مل جاتی ہے اور جس برائی سے پناہ چاہے ٹل جاتی ہے اور مشہور سے مراد عرفے کا دن ہے۔

ابن خزیمہ میں بھی یہ حدیث ہے' موسیٰ بن عبید زیدی اس کے راوی ہیں اور یہ ضعیف ہیں' یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خود ان کے قول سے مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرات سے بھی یہ تفسیر مروی ہے اور ان میں اختلاف نہیں فالحمدللہ۔ اور روایت میں مرفوعاً مروی ہے کہ جمعے کے دن کو جسے یہاں شاہد کہا گیا ہے یہ خاص ہمارے لئے بطور خزانے کے چھپا رکھا گیا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ تمام دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے۔ ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ شاہد سے مراد خود ذات محمد ﷺ۔ اور مشہور سے مراد قیامت کا دن ہے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ذَالِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَالِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یعنی اس دن کے لئے لوگ جمع کئے گئے ہیں اور یہ دن مشہود یعنی حاضر کیا گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ شاہد اور مشہود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم نے کسی اور سے بھی پوچھا؟ اس نے کہا ہاں ابن عمرؓ اور ابن زبیر سے' فرمایا انہوں نے کیا جواب دیا' کہا قربانی کا دن اور جمعہ کا دن' کہا نہیں بلکہ مراد شاہد سے محمد ﷺ ہیں' جیسے قرآن میں اور جگہ ہے فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور تجھے ان پر گواہ بنائیں گے اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے' قرآن کہتا ہے وَذَالِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یہ بھی مروی ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ اور مشہود سے مراد قیامت کا دن اور مشہود سے مراد جمع بھی مروی ہے اور شاہد سے مراد خود خدا بھی ہے اور عرفہ کا دن بھی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو' وہ مشہود دن ہے جس پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں شاہد اللہ ہے' قرآن کہتا ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اور مشہود ہم ہیں قیامت کے دن ہم سب خدا کے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے' اکثر حضرات کا یہ فرمان ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفے کا دن ہے۔ ان قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ خندقوں والوں پر لعنت ہو' یہ کفار کی ایک قوم تھی جنہوں نے ایمانداروں کو مغلوب کر کے انہیں دین سے ہٹانا چاہا اور ان کے انکار پر زمین میں گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر کر آگ بھڑکائی پھر ان سے کہا کہ اب بھی دین سے پلٹ جاؤ' ان باخدا لوگوں نے انکار کیا اور ان ناخدا ترس کفار نے ان مسلمانوں کو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا' اسی کو بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہوئے' یہ ایندھن بھری بھڑکتی ہوئی آگ کی خندقوں کے کناروں پر بیٹھے۔

ان مسلمانوں کے کسی اور گناہ کا یہ بدلہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ غالب سزاوار حمد کی ذات پر ایمان لائے تھے ○ جس کے لئے آسمان وزمین کا ملک ہے اور جو اللہ ہر چیز پر حاضر اور خوب واقف ہے ○ بے شک جن لوگوں نے مسلمان مرد وعورتوں کو ستایا پھر توبہ بھی نہ کی ان کے لئے جہنم کے عذاب ہیں اور جلنے کے عذاب ہیں ○

(آیت: ۸-۱۰) ان مومنوں کا کوئی قصور نہ تھا' انہیں تو صرف ان کی ایمانداری پر غضب وغصہ تھا- دراصل غلبہ رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' اس کی پناہ میں آ جانے والا کبھی برباد نہیں ہوتا' وہ اپنے تمام اقوال افعال شریعت اور تقدیر میں قابل تعریف ہے' وہ اگر اپنے خاص بندوں کو کسی وقت کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچا دے اور اس کا راز کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو نہ ہو لیکن دراصل وہ مصلحت وحکمت کی بنا پر ہی ہوتا ہے- اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں آسمانوں اور کل مخلوقات کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے' کوئی چیز اس سے مخفی نہیں- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اہل فارس کا ہے' ان کے بادشاہ نے یہ قانون جاری کرنا چاہا کہ محرمات ابدیہ یعنی ماں' بہن بیٹی وغیرہ سب حلال ہیں اس وقت کے علما کرام نے اس کا انکار کیا اور روکا' اس پر اس نے خندقیں کھدوا کر اس میں آگ جلا کر ان حضرات کو اس میں ڈال دیا' چنانچہ یہ اہل فارس آج تک ان عورتوں کو حلال ہی جانتے ہیں- یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے' مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہوئی مسلمان غالب آ گئے' پھر دوسری لڑائی میں کافر غالب آ گئے تو انہوں نے گڑھے کھدوا کر ایمان والوں کو جلا دیا- یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ اہل حبش کا ہے' یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے- انہوں نے ذنبال اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا- اور اقوال بھی ہیں-

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا' اس کے ہاں ایک جادوگر تھا- جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت آ رہا ہے' مجھے کسی بچے کو سونپ دو تو میں اسے جادو سکھا دوں' چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا' لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں ایک راہب کا گھر پڑتا جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا' یہ بھی کھڑا ہو جاتا اور اس کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ سنتا آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا- ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی' راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگی تو کہہ دینا گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا- یونہی ایک زمانہ گذر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا' دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ سیکھتا تھا- ایک دن وہ دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے' لوگوں کی آمد ورفت بند کر رکھی ہے' ادھر والے ادھر اور ادھر والے ادھر نہیں آ سکتے اور سب لوگ ادھر ادھر حیران وپریشان کھڑے ہیں' اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کر لوں کہ راہب کا دین خدا کو پسند ہے یا جادوگر کا؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ خدایا اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کر دے تا کہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے' پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا

شروع ہو گیا- پھر جا کر راہب کو خبر دی اس نے کہا پیارے بچے تو مجھ سے افضل ہے' اب خدا کی طرف سے تیری آزمائش ہو گی' اگر ایسا ہو تو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا' اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا اور اس کی دعا سے مادرزاد اندھے' کوڑھی جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے- بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی' وہ بڑے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب تجھے دے دوں گا' اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ نہیں' میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا' شفا دینے والا تو اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے' اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں- اس نے اقرار کیا' بچے نے اس کے لئے دعا کی' اللہ نے اسے شفا دے دی اور بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا اور آنکھیں بالکل روشن تھیں- بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا میرے رب نے' بادشاہ نے کہا ہاں یعنی میں نے' وزیر نے کہا نہیں نہیں میرا اور تیرا رب اللہ ہے' بادشاہ نے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور بھی رب ہے' وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ عزوجل ہے- اب اس نے اسے مار پیٹ شروع کر دی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا کہ تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتا دیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا' اس نے اسے بلوایا اور کہا اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے کہ اندھوں کو دیکھتا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے' اس نے کہا غلط ہے نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو' شفا اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے- کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں' اس نے کہا ہرگز نہیں' کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے تو وہ کہنے لگا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے' اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگا لیا راہب کو بلا کر اس نے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا' اس نے انکار کیا تو اس بادشاہ نے آرے سے اسے چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا' اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں' اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے اسے لڑھکا دیں' چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِمْ بِمَا شِئْتَ خدایا جس طرح چاہ مجھے ان سے نجات دے' اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے' صرف وہ بچہ بچا رہا' وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا' بادشاہ نے کہا یہ کیا ہوا- میرے سپاہی کہاں ہیں؟ فرمایا میرے خدا نے مجھے ان سے بچا لیا- اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ' یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ بارالٰہی جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا' موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے' صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا- یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچا لیا' اے بادشاہ تو چاہے تمام تر تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا' ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان نکل جائے گی' اس نے کہا کیا کروں' فرمایا تم لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر' پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال' میری کمان پر چڑھا اور بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ هٰذَا الْغُلَامِ یعنی اس اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک' وہ مجھے لگے گا اور اس سے میں مروں گا' چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا' تیر بچے کی کنپٹی میں لگا' اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا- اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا' چوطرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے' یہ حال دیکھ بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم تو سمجھے ہی نہیں' دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے' ہم نے تو اسی لئے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ

مذہب پھیل نہ پڑے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا اور سب مسلمان ہو گئے' بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ' ان میں لکڑیاں بھرواور اس میں آگ لگا دؤ جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ ان مسلمانوں نے صبر و سہار کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے' البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ تھا وہ ذرا جھجکی تو اس بچہ کو خدا نے بولنے کی طاقت دی اس نے کہا اماں کیا کر رہی ہو تم تو حق پر ہو' صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور صحیح مسلم کے آخر میں بھی ہے اور نسائی میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ عصر کی نماز کے بعد عموماً زیر لب کچھ فرمایا کرتے تھے تو آپ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی تھے جو اپنی امت پر فخر کرتے تھے' کہنے لگے ان کی دیکھ بھال کون کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں اختیار ہے خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں خود ان سے انتقام لوں خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دوں' انہوں نے انتقام کو پسند کیا' چنانچہ ایک ہی دن میں ان میں سے ستر ہزار مر گئے' اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ حدیث بھی بیان کی جو اوپر گذری' پھر خبر میں آپ نے قُتِلَ سے مَجِیْدٌ تک کی آیتوں کی تلاوت فرمائی یہ نوجوان شہید دفن کر دیئے گئے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ان کی قبر سے انہیں نکالا گیا تھا' ان کی انگلی اسی طرح ان کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جس طرح بوقت شہادت تھی۔ امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ یہ واقعہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا' تو ممکن ہے کہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ نے ہی اس واقعہ کو بیان فرمایا ہو' ان کے پاس نصرانیوں کی ایسی حکایتیں بہت ساری تھیں واللہ اعلم۔

امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس قصہ کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا ہے جو اس کے خلاف نہ ہے' وہ کہتے ہیں کہ نجرانی لوگ بت پرست مشرک تھے اور نجران کے پاس ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں ایک جادوگر تھا نجرانیوں کو جادو سکھایا کرتا تھا' فیمون نامی ایک بزرگ عالم یہاں آئے اور نجران اور اس گاؤں کے درمیان انہوں نے اپنا پڑاؤ ڈالا' شہر کے لڑکے جو جادوگر سے جادو سیکھنے جایا کرتے تھے ان میں تاجر کا ایک لڑکا عبداللہ نامی بھی تھا' اسے آتے جاتے راہب کی عبادت اور اس کی نماز وغیرہ کے دیکھنے کا موقعہ ملتا' اس پر غور خوض کرتا اور دل میں اس کے مذہب کی سچائی جگہ کرتی جاتی' پھر تو اس نے یہاں کا آنا جانا شروع کر دیا اور مذہبی تعلیم بھی اس راہب سے لینے لگا۔ کچھ دنوں بعد اس مذہب میں داخل ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا' توحید کا پابند ہو گیا اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگا اور علم دین اچھی طرح حاصل کر لیا وہ راہب اسم اعظم بھی جانتا تھا اس نے ہرچند خواہش کی کہ اسے بتا دے لیکن اس نے نہ بتایا اور کہہ دیا کہ ابھی تم میں اس کی صلاحیت نہیں آئی تم ابھی کمزور دل والے ہو' اس کی طاقت میں تم نہیں پاتا عبداللہ کے باپ تامر کو اپنے بیٹے کے مسلمان ہو جانے کی مطلق خبر نہ تھی' وہ اپنے نزدیک یہی سمجھ رہا تھا کہ میرا بیٹا جادو سیکھ رہا ہے اور وہیں جاتا آتا رہتا ہے۔ عبداللہ نے جب دیکھا کہ راہب مجھے اسم اعظم نہیں سکھاتے اور انہیں میری کمزوری کا خوف ہے تو ایک دن انہوں نے تیر لئے اور جتنے نام اللہ تبارک و تعالیٰ کے انہیں یاد تھے ہر ہر تیر پر ایک ایک نام لکھا پھر آگ جلا کر بیٹھ گئے اور ایک ایک تیر کو اس میں ڈالنا شروع کیا جب وہ تیر آیا جس پر اسم اعظم تھا تو وہ آگ میں پڑتے ہی اچھل کر باہر نکل آیا اور اس پر آگ نے بالکل اثر نہ کیا سمجھ لیا کہ یہی اسم اعظم ہے' اپنے استاد کے پاس آئے اور کہا حضرت اسم اعظم کا علم مجھے ہو گیا' استاد نے پوچھا بتاؤ کیا ہے؟ اس نے بتایا راہب نے پوچھا کیسے معلوم ہوا تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا' تو فرمایا کہ بھئی تم نے خوب ڈھونڈ معلوم کر لیا' واقعی یہی اسم اعظم ہے' اسے اپنے ہی تک رکھو لیکن مجھے تو ڈر ہے کہ تم کھل جاؤ گے' ان کی یہ حالت ہوئی کہ یہ نجران میں آئے یہاں جس بیمار پر جس

دکھی پر جس ستم رسیدہ پر نظر پڑی اس سے کہا کہ اگر تم موحد بن جاؤ اور دین اسلام قبول کر لو تو میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں وہ تمہیں شفا اور نجات دے دے گا اور دکھ بلا کو ٹال دے گا' وہ اسے قبول کر لیتا' یہ اسم اعظم کے ساتھ دعا کرتے' اللہ اسے بھلا چنگا کر دیتا اب تو بجرانیوں کے ٹھٹھ لگنے لگے اور جماعت کی جماعت روزانہ مشرف با اسلام اور فائز المرام ہونے لگی' آخر بادشاہ کو اس کا علم ہوا اس نے اسے بلا کر دھمکایا کہ تو نے میری رعیت کو بگاڑ دیا اور میرے اور میرے باپ دادوں کے مذہب پر حملہ کیا' میں اس کی سزا میں تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تجھے چورنگ کرادوں گا' عبداللہ بن تامر نے جواب دیا کہ تو ایسا نہیں کر سکتا' اب بادشاہ نے اسے پہاڑ پر سے گرا دیا لیکن وہ نیچے آ کر صحیح سلامت رہا' جسم پر کہیں چوٹ بھی نہ آئی' نجران کے ان طوفان خیز دریاؤں میں گرداب کی جگہ انہیں ڈالا' جہاں سے کوئی بچ نہیں سکتا لیکن یہ وہاں سے بھی صحت و سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے' غرض ہر طرح عاجز آ گیا تو پھر حضرت عبداللہ بن تامرؓ نے فرمایا سن اے بادشاہ تو میرے قتل پر کبھی قادر نہ ہو گا یہاں تک کہ تو اس دین کو مان لے جسے میں مانتا ہوں اور ایک خدا کی عبادت کرنے لگے' اگر تو یہ کر لے گا تو پھر تو مجھے قتل کر سکتا ہے بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے حضرت عبداللہ کا بتلایا ہوا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو کر جو لکڑی اس کے ہاتھ میں تھی اس سے حضرت عبداللہ کو مارا جس سے کچھ یونہی سی کھرچ آئی اور اسی سے وہ شہید ہو گئے' اللہ ان سے خوش ہو اور اپنی خاص رحمتیں انہیں عنایت فرمائے' ان کے ساتھ ہی بادشاہ بھی مر گیا۔ اس واقعہ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیوست کر دی کہ دین ان کا ہی سچا ہے' چنانچہ نجران کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور حضرت عیسیٰ کے سچے دین پر قائم ہو گئے اور وہی مذہب اس وقت برحق بھی تھا۔ ابھی تک حضور ﷺ نبی بن کر دنیا میں آئے نہ تھے لیکن پھر اک زمانہ کے بعد ان میں بدعتیں پیدا ہونے لگیں اور پھیل گئیں اور دین حق کا نور چھن گیا' غرض نجران میں عیسائیت کے پھیلنے کا اصلی سبب یہ تھا۔ اب زمانہ کے بعد ذونواس یہودی نے اپنے لشکر لے کر ان نصرانیوں پر چڑھائی کی اور غالب آ گیا' پھر ان سے کہا یا تو یہودیت قبول کر لو یا موت' انہوں نے قتل ہونا منظور کیا' اس نے خندقیں کھدوا کر آگ سے پر کر کے ان کو جلا دیا' بعض کو قتل بھی کیا بعض کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ دیئے وغیرہ۔

تقریباً بیس ہزار مسلمانوں کو اس سرکش نے قتل کیا۔ اس کا ذکر آیت قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ میں ہے۔ ذونواس کا نام زرعہ تھا' اس کی بادشاہت کے زمانہ میں اسے یوسف کہا جاتا تھا' اس کے باپ کا نام فنا اسعد بن کرب تھا' جو تبع ہے جس نے مدینہ میں غزوہ کیا اور کعبہ کر پردہ چڑھایا' اس کے ساتھ دو یہودی عالم تھے' یمن والے ان ہی کے ہاتھ پر یہودی مذہب میں داخل ہوئے' ذونواس نے ایک ہی دن میں صرف صبح کے وقت ان کھائیوں میں بیس ہزار ایمان والوں کو قتل کیا' ان میں سے صرف ایک ہی شخص بچ نکلا جس کا نام دوس ذی ثعلبان تھا' یہ گھوڑے پر بھاگ کھڑا ہوا گو اس کے پیچھے بھی گھڑسوار دوڑے لیکن یہ ہاتھ نہ لگا' یہ سیدھا شاہ روم قیصر کے پاس گیا' اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا چنانچہ دوس وہاں سے حبشہ کے نصرانیوں کا لشکر لے کر یمن آیا' اس کے سردار ارباط اور ابرہہ تھے' یہودی مغلوب ہوئے یمن یہودیوں کے ہاتھ سے نکل گیا' ذونواس بھاگ نکلا لیکن وہ پانی میں غرق ہو گیا' پھر ستر سال تک یہاں حبشہ کے نصرانیوں کا قبضہ رہا بالآخر سیف بن ذی یزن حمیری نے فارس کے بادشاہ سے امدادی فوجیں اپنے ساتھ لیں جو سات سو قیدی لوگوں سے اس پر چڑھائی کر کے فتح حاصل کی اور پھر سلطنت حمیری قائم کی' اس کا کچھ بیان سورۂ فیل میں بھی آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ ایک نجرانی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں نجران کی ایک بنجر غیر آباد زمین اپنے کسی کام کے لئے کھودی تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن تامر رحمۃ اللہ کا جسم اس میں ہے' آپ بیٹھے ہوئے ہیں سر پر جس جگہ چوٹ آئی تھی وہیں ہاتھ ہے' ہاتھ اگر ہٹاتے ہیں تو خون بہنے لگتا ہے' پھر ہاتھ کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہاتھ اپنی جگہ چلا جاتا ہے اور خون تھم جاتا ہے' ہاتھ کی انگلی

میں انگوٹھی ہے جس پر ربی اللہ لکھا ہوا ہے۔ یعنی میرا رب اللہ ہے چنانچہ اس واقعہ کی اطلاع قصر خلافت میں دی گئی' یہاں سے حضرت فاروق اعظمؓ کا فرمان گیا کہ اسے یونہی رہنے دو اور اوپر سے مٹی وغیرہ جو ہٹائی ہے وہ ڈال کر' جس طرح تھا اسی طرح بے نشان کر دو' چنانچہ یہی کیا گیا۔ ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصفہان فتح کیا تو ایک دیوار دیکھی کہ وہ گر پڑی ہے' حکم پر وہ بنادی گئی لیکن پھر گر پڑی' پھر بنوائی' پھر گر پڑی' آخر معلوم ہوا کہ اس کے نیچے کوئی نیک بخت شخص مدفون ہیں' جب زمین کھودی تو دیکھا کہ ایک شخص کا جسم کھڑا ہوا ہے' ساتھ ہی ایک تلوار ہے' جس پر لکھا ہے میں حارث بن مضاض ہوں جس نے کھائیوں والوں پر غبقت کی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لاش کو نکال لیا اور وہاں دیوار کھڑی کرادی جو برابر رہی' میں کہتا ہوں یہ حارث بن مضاض بن عمرو جرہمی ہے جو کعبتہ اللہ کے متولی ہوئے تھے۔ ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم کی اولاد کے بعد اس کا لڑکا عمرو بن حارث بن مضاض تھا جو مکہ میں جرہم خاندان کا آخری بادشاہ تھا جس وقت کہ خزاعہ قبیلے نے انہیں یہاں سے نکالا اور یمن کی طرف جلاوطن کیا' یہی وہ شخص ہے جس نے پہلے پہلے عرب میں شعر کہا' جس شعر میں اوجڑ مکہ کو اپنا آباد کرنا اور زمانہ کے ہیر پھیر سے پھر وہاں سے نکالا جانا اس نے بیان کیا اس واقعہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت اسماعیلؑ کے کچھ زمانہ بعد کا اور بہت پرانا ہے جو کہ حضرت اسماعیلؑ کے تقریباً پانچ سو سال کے بعد کا معلوم ہوتا ہے لیکن ابن اسحاق کی اس مطول روایت سے جو پہلے گذری یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا اور حضرت محمد ﷺ سے پہلے کا ہے' زیادہ ٹھیک بھی یہی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دنیا میں کئی بار ہوا ہو جیسے کہ ابن ابی حاتم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ تبع کے زمانہ میں یمن میں خندقیں کھدوائی گئی تھیں اور قسطنطین کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں بھی مسلمانوں کو یہی عذاب کیا گیا تھا جبکہ نصرانیوں نے اپنا قبلہ بدل دیا' دین مسیح میں بدعتیں ایجاد کر لیں' توحید کو چھوڑ بیٹھے تو اس وقت جو سچے دیندار تھے انہوں نے ان کا ساتھ نہ دیا اور اصلی دین پر قائم رہے تو ان ظالموں نے خندقیں آگ سے پر کرا کر انہیں جلا دیا۔ اور یہی واقعہ بابل کی زمین پر عراق میں بخت نصر کے زمانہ میں ہوا' جس نے ایک بت بنالیا تھا اور لوگوں سے اسے سجدہ کراتا تھا' حضرت دانیال اور ان کے دونوں ساتھی عزریا اور مسابل نے اس سے انکار کیا تو اس نے انہیں اس آگ کی خندق میں ڈال دیا' اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان پر ٹھنڈا کر دیا' انہیں سلامتی عطا فرمائی' صاف نجات دی اور ان سرکش کافروں کو ان خندقوں میں ڈال دیا' یہ نو قبیلے تھے سب جل کر خاک ہو گئے۔ سدیؒ فرماتے ہیں تین جگہ یہ معاملہ ہوا۔ عراق میں' شام میں اور یمن میں۔

مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ خندقیں تین جگہ تھیں' ایک تو یمن کے شہر نجران میں' دوسری شام میں' تیسری فارس میں' شام میں اس کا بانی انطنا لوس رومی تھا اور فارس میں بخت نصر اور یمن میں عرب پر یوسف ذونواس۔ فارس اور شام کی خندقوں کا ذکر قرآن میں نہیں یہ ذکر نجران کا ہے' حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے فترت کے زمانہ میں یعنی حضرت عیسیٰ اور پیغمبر آخرالزماں کے درمیان کے زمانہ میں ایک قوم تھی انہوں نے جب دیکھا کہ لوگ فتنے اور شر میں گرفتار ہو گئے ہیں اور گروہ گروہ بن گئے ہیں اور ہر گروہ اپنے خیالات میں خوش ہے تو ان لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا اور یہاں سے ہجرت کر کے الگ ایک جگہ بنا کر وہیں رہنا سہنا شروع کیا اور خدا کی مخلصانہ عبادت یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے' نمازوں کی پابندی' زکوٰۃ کی ادائیگی میں لگ گئے اور ان سے الگ تھلگ رہنے لگے' یہاں تک کہ ایک سرکش بادشاہ کو اس با خدا جماعت کا پتہ لگ گیا' اس نے ان کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور انہیں سمجھایا کہ تم بھی ہمارے ساتھ مل جاؤ اور بت پرستی شروع کر دو' ان سب نے بالکل انکار کیا کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی اور کی بندگی کریں' بادشاہ نے کہلوایا کہ اگر یہ تمہیں منظور نہیں تو میں تمہیں قتل

کرادوں گا' جواب ملا کہ جو چاہو کرو لیکن ہم سے دین نہیں چھوڑا جائے گا' اس ظالم نے خندقیں کھدوائیں' آگ جلوائی اور ان سب مردوں عورتوں بچوں کو جمع کیا اور ان خندقوں کے کنارے کھڑا کر کے کہا بولو یہ آخری سوال جواب ہے' آیا بت پرستی قبول کرتے ہو یا آگ میں گرنا قبول کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمیں جل مرنا منظور ہے' لیکن چھوٹے چھوٹے بچوں نے چیخ پکار شروع کر دی' بڑوں نے انہیں سمجھایا کہ بس آج کے بعد آگ نہیں' نہ گھبراؤ اور خدا کا نام لے کر کود پڑو' چنانچہ سب کے سب کود پڑے' انہیں آنچ بھی نہیں لگنے پائی تھی کہ خدا نے ان کی روحیں قبض کر لیں اور آگ خندقوں سے باہر نکل پڑی اور ان بدکردار سرکشوں کو گھیر لیا اور جتنے بھی تھے سارے کے سارے جلا دیئے گئے' ان کی خبر ان آیتوں قتل میں ہے' تو اس بنا پر فتنوا کے معنی ہوئے کہ جلایا' تو فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان مردوں عورتوں کو جلا دیا ہے اگر انہوں نے توبہ نہ کی یعنی اپنے اس فعل سے باز نہ آئے نہ اپنے اس کیئے پر نادم ہوئے تو ان کے لئے جہنم ہے اور جلنے کا عذاب ہے تاکہ بدلہ بھی ان کے عمل جیسا ہو۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں خدائے تعالیٰ بزرگ و برتر کے کرم و رحم اس کی مہربانی اور عنایت کو دیکھو کہ جن بدکاروں نے اس کے پیارے بندوں کو ایسے بدترین عذابوں سے مارا انہیں بھی وہ توبہ کرنے کو کہتا ہے اور ان سے بھی مغفرت اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے۔ خدایا ہمیں بھی اپنی وسیع رحمتوں سے بھرپور حصہ عطا فرما آمین۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ؕ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ؕ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ ۚ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۙ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ۙ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ؕ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ ۙ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ؕ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ ۙ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِیْطٌ ۚ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۙ﴿۲۱﴾ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۠﴿۲۲﴾

ع ۸

بیشک ایمان قبول کرنے والوں اور مطابق سنت کام کرنے والوں کے لئے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہی بڑی کامیابی ہے ○ یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے ○ وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا ○ وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے ○ عرش کا مالک عظمت والا ہے ○ جو چاہے اسے کر گذرنے والا ہے ○ تجھے لشکروں کی خبر بھی پہنچی؟ ○ یعنی فرعون اور ثمود کی ○ کچھ نہیں بلکہ کافر تو جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں ○ اللہ تعالیٰ بھی انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے ○ بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان والا ○ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ○

عرش کا مالک اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے: ☆☆ (آیت: ۱۱-۲۲) اپنے دشمنوں کا انجام بیان کر کے اپنے دوستوں کا نتیجہ بیان فرما رہا ہے کہ ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' ان جیسی کامیابی اور کسی ملے گی؟ پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے' وہ اپنے ان دشمنوں کو جو اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے اور اس کی نافرمانیوں میں لگے ہے' سخت تر قوت کے ساتھ اس طرح پکڑے گا کہ کوئی راہ نجات ان کے لئے باقی نہ رہے۔ وہ بڑی قوتوں والا ہے' جو چاہا کیا جو کچھ چاہتا ہے وہ ایک لمحہ میں ہو جاتا ہے' اس کی قدرتوں اور طاقتوں کو دیکھو کہ اس نے تمہیں پہلے بھی پیدا کیا اور پھر بھی مار ڈالنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے گا' نہ اسے کوئی روکے نہ آگے

آئے نہ سامنے پڑے۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف جھکیں اور توبہ کریں اور اس کے سامنے ناک رگڑیں پھر چاہے کیسی ہی خطائیں ہوں ایک دم میں سب معاف ہو جاتی ہیں' اپنے بندوں سے وہ پیار و محبت رکھتا ہے۔ وہ عرش والا ہے جو عرش تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے اور تمام خلائق کے اوپر ہے۔ مجید کی دو قرائتیں ہیں دال کا پیش بھی اور دال کا زیر بھی پیش کے ساتھ وہ خدا کی صفت بن جائے گا اور زیر کے ساتھ عرش کی صفت ہے' معنی دونوں کے بالکل صحیح اور بند بیٹھتے ہیں۔ وہ جس کام کا جب ارادہ کرے کرنے پر قدرت رکھتا ہے' اس کی عظمت عدالت حکمت کی بنا پر نہ کوئی اسے روک سکے نہ اس سے پوچھ سکے۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے ان کی اس بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوتا ہے لوگ سوال کرتے ہیں کہ کسی طبیب نے بھی آپ کو دیکھا؟ فرمایا ہاں پوچھا پھر کیا جواب دیا؟ فرمایا کہ جواب دیا اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا تجھے خبر بھی ہے کہ فرعونیوں اور ثمودیوں پر کیا کیا عذاب آئے؟ اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی کسی طرح کی مدد کر سکتا نہ کوئی اور اس عذاب کو ہٹا سکا' مطلب یہ ہے کہ اس کی پکڑ سخت ہے' جب وہ کسی ظالم کو پکڑتا ہے تو دردناک اور سختی سے بڑی زبردست پکڑ پکڑتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ چلے جا رہے تھے کہ آپ نے سنا کوئی بیوی صاحبہ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ رہی ہیں هَلْ اَتَاكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ آپ کھڑے رہ گئے اور کان لگا کر سنتے رہ گئے اور فرمایا نَعَمْ قَدْ جَآءَنِیْ یعنی ہاں میرے پاس وہ خبریں آ گئیں یعنی قرآن کی اس آیت کا جواب دیا کہ کیا تجھے فرعونیوں اور ثمودیوں کی خبر پہنچی ہے؟ پھر فرمایا کہ بلکہ کافر شک وشبہ میں' کفر و سرکشی میں ہیں اور اللہ ان پر قادر اور غالب ہے' نہ یہ اس سے گم ہو سکیں نہ اسے عاجز کر سکیں' بلکہ یہ قرآن عزت اور کرامت والا ہے وہ لوح محفوظ کا نوشتہ ہے' بلند مرتبہ فرشتوں میں ہے زیادتی کمی سے پاک اور سرتاپا محفوظ ہے' نہ اس میں تبدیلی ہو نہ تحریف۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی پیشانی پر ہے۔ عبدالرحمٰن بن سلمان فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوا ہو رہا ہے اور ہو گا وہ سب لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ حضرت اسرافیل کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہے لیکن جب تک انہیں اجازت نہ ملے وہ اسے دیکھ نہیں سکتے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ عبارت ہے کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے' وہ اکیلا ہے' اس کا دین اسلام ہے' محمد اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں (ﷺ) جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' اس کے وعدے کو سچا جانے اس کے رسولوں کی تابعداری کرے' خدائے عالم اسے جنت میں داخل کرے گا۔ فرماتے ہیں یہ لوح سفید موتی کی ہے' اس کا طول آسمان و زمین کے درمیان کے برابر ہے اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر ہے' اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں' اس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نور ہے' اس کا کلام عرش کے ساتھ وابستہ ہے' اس کی اصل فرشتہ کی گود میں ہے۔ مقاتلؒ فرماتے ہیں یہ خدا کے عرش کے دائیں طرف ہے۔

طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا' اس کے صفحے سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نور کا ہے' اس کی کتابت نور کی ہے' اللہ تعالیٰ ہر دن تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے' وہ پیدا کرتا ہے' روزی دیتا ہے' مارتا ہے' جلاتا ہے' عزت دیتا ہے' ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔

الحمد للہ سورۂ بروج کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الطارق

مسند احمد میں ہے کہ خالد بن ابو جبل عدوانی نے ثقیف قبیلے کی مشرق جانب رسول اللہ ﷺ کو لکڑی پر یا کمان پر ٹیک لگائے ہوئے اس پوری سورت کو پڑھتے سنا جبکہ آپ ان لوگوں سے مدد طلب کرنے کے لئے یہاں آئے تھے حضرت خالد نے اسے یاد کر لیا جب یہ ثقیف کے پاس واپس آئے تو ثقیف نے ان سے پوچھا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ بھی اس وقت مشرک تھے انہوں نے بیان کیا تو جو قریش وہاں تھے جلدی سے بول پڑے کہ اگر یہ حق ہوتا تو کیا اب تک ہم نہ مان لیتے؟ نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغرب کی نماز میں سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھی تو حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے؟ کیا تجھے یہ کافی نہ تھا کہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور ایسی ہی اور سورتیں پڑھ لیتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝۷ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝۹ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝۱۰

بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے والے کی ○ تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے ○ وہ روشن ستارہ ہے ○ کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو ○ انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ○ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ○ جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے ○ بیشک وہ اسے پھیر لانے پر یقیناً قدرت رکھنے والا ہے ○ جس دن پوشیدہ بھید کھل پڑیں گے ○ تو نہ کوئی زور چلے نہ کوئی مددگار ہو ○

تخلیق انسان: ☆☆ (آیت: ۱-۱۰) اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور ان کے روشن ستاروں کی قسم کھاتا ہے۔ طارق کی تفسیر چمکتے ستارے سے کی ہے وجہ یہ ہے کہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے گھر رات کے وقت بے خبر آ جائے یہاں بھی لفظ طارق ہے آپ کی ایک دعا میں بھی طارق کا لفظ آیا ہے ثاقب کہتے ہیں چمکیلے اور روشنی والے کو جو شیطان پر گرتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے۔ ہر شخص پر خدا کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہے جو اسے آفات سے بچاتا ہے جیسے اور جگہ ہے کہ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ آگے پیچھے سے باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو خدا کے حکم سے بندے کی حفاظت کرتے ہیں۔ پھر انسان کی ضعیفی کا بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو تو اس کی اصل کیا ہے؟ اور گویا اس میں نہایت باریکی کے ساتھ قیامت کا یقین دلایا گیا ہے کہ جو ابتدائی پیدائش پر قادر ہے وہ لوٹانے پر قادر کیوں نہ ہوگا؟

جیسے فرمایا هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ یعنی جس نے پہلے پیدا کیا وہ ہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ اس

پر بہت ہی آسان ہے انسان اچھلنے والے پانی یعنی عورت مرد کی منی سے پیدا کیا گیا ہے' جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کی چھاتی سے نکلتی ہے' عورت کا یہ پانی زرد رنگ کا اور پتلا ہوتا ہے اور دونوں سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ ترائب کہتے ہیں ہار کی جگہ کو' مونڈھوں سے لے کر سینے تک کو بھی کہا گیا ہے اور نرخرے سے نیچے کو بھی کہا گیا ہے اور چھاتیوں سے اوپر کے حصہ کو بھی کہا گیا ہے اور نیچے کی طرف چار پسلیوں کو بھی کہا گیا ہے اور دونوں چھاتیوں اور دونوں پیروں اور دونوں آنکھوں کے درمیان کو بھی کہا گیا ہے' دل کے نچوڑ کو بھی کہا گیا ہے' سینہ اور پیٹھ کے درمیان کو بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے یعنی نکلے ہوئے پانی کو اس کی جگہ واپس پہنچا دینے پر' اور یہ مطلب کہ اسے دوبارہ پیدا کر کے آخرت کی طرف لوٹانے پر بھی' پچھلا قول ہی اچھا ہے اور یہ دلیل کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی' راز ظاہر ہو جائیں گے' بھید آشکارا ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر غدار کی رانوں کے درمیان اس کے غدر کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان ہو جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے' اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہوگی نہ اس کا مددگار کوئی اور کھڑا ہوگا یعنی نہ تو خود اپنے تئیں عذابوں سے بچا سکے گا نہ کوئی اور ہوگا جو اسے خدا کے عذابوں سے بچا سکے۔

وَالسَّمَاۤءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ﴿۱۱﴾ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ﴿۱۷﴾

بارش والے آسمان کی قسم ○ اور پھٹنے والی زمین کی قسم ○ بیشک یہ قرآن البتہ دو ٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے ○ یہ ہنسی کی اور بے فائدہ بات نہیں ○ البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں ○ اور میں بھی داؤ کر رہا ہوں ○ تو کافروں کو مہلت دے انہیں تھوڑے دنوں چھوڑ دے ○

صداقت قرآن کا ذکر: ☆☆ (آیت:۱۱-۱۷) رجع کے معنی بارش کے بادل' بارش والے کے' برسنے کے' ہر سال بندوں کی روزی لوٹانے کے جس بغیر یہ اور ان کے جانور ہلاک ہو جائیں' سورج چاند اور ستاروں کے ادھر ادھر لوٹنے کے مروی ہیں' زمین پھٹتی ہے' دانے گھاس چارہ نکلتا ہے۔ یہ قرآن حق ہے' عدل کا حکم ہے' یہ کوئی عذر قصہ باتیں نہیں' کافر اسے جھٹلاتے ہیں' اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں طرح طرح کے مکر و فریب سے لوگوں کو خلاف قرآن پر اکساتے ہیں' تو اے نبی انہیں ذرا سی ڈھیل دے' پھر عنقریب دیکھ لے گا کہ کیسے کیسے بدترین عذابوں میں یہ پکڑے جاتے ہیں' جیسے اور جگہ ہے نُمَتِّعُهُمۡ قَلِيۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيۡظٍ یعنی ہم انہیں کچھ یونہی سا فائدہ دیں گے پھر نہایت سخت عذاب کی طرف انہیں بے بس کر دیں گے۔ الحمد للہ سورۂ طارق کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الاعلیٰ

اس سورت کے مکی ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف میں ہے' حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ میں سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن مکتومؓ آئے' ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا پھر حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سعدؓ، آئے پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھ بیس صحابیوں کو لے کر آئے' میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز پر اس قدر خوش ہوئے ہوں جیسے اس پر خوش ہوئے یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور نابالغ لڑکے بھی پکار اٹھے کہ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ آپ تشریف لائے آپ کے آنے سے پہلے ہی میں نے یہ سورت سَبِّحِ اسۡمَ اسی جیسی اور سورتوں کے

ساتھ یاد کر لی تھی۔ مسند احمد میں ہے کہ یہ سورت حضورؐ کو بہت محبوب تھی۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تو نے سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰی کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی؟ مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ دونوں عید کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں دونوں میں انہی دونوں سورتوں کو پڑھتے ۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے' ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے' ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وتر نماز میں رسول اللہ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اور قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ ایک روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ سورۂ معوذ تین یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ بھی پڑھتے تھے' یہ حدیث بھی بہت سے صحابیوں سے بہت سے طریق کے ساتھ مروی ہے' ہمیں اگر کتاب کے مطول ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو ان سندوں کو اور ان تمام روایتوں کے الفاظ کو جہاں تک میسر ہوتے وارد کرتے لیکن جتنا کچھ اختصار کے ساتھ بیان کر دیا یہ بھی کافی ہے' واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ؕ﴿۵﴾

بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع

اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر ○ جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا ○ اور جس نے تقدیر مقرر کی پھر راہ دکھائی ○ اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی پھر اس نے سکھا کر سیاہ کوڑا کر دیا ○

(آیت: ۱-۵) مسند احمد میں ہے عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے تم اپنے رکوع میں کر لو' جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اتری تو آپ نے فرمایا اسے اپنے سجدے میں کر لو۔ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھتے تو کہتے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ مروی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مروی ہے اور آپ جب لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ پڑھتے اور آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى پر پہنچتے تو فرماتے سُبْحَانَكَ وَبَلٰى اللہ تعالیٰ یہاں ارشاد فرماتا ہے اپنے بلندیوں والے پرورش کرنے والے خدا کے پاک نام کی پاکیزگی اور تسبیح بیان کرو جس نے تمام مخلوق رچائی اور سب کو اچھی ہیئت بخشی' انسان کو سعادت شقاوت کی رونمائی کی' جانور کو چرنے چگنے وغیرہ کی' جیسے اور جگہ ہے رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر رہبری کی۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے خدائے تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر لکھی' اس کا عرش پانی پر تھا' جس نے ہر قسم کے نباتات اور کھیت نکالے پھر ان سرسبز چاروں کو خشک اور سیاہ رنگ کر دیا۔ بعض عارفان کلام عرب نے کہا ہے کہ یہاں بعض الفاظ جو ذکر میں مؤخر ہیں معنی کے لحاظ سے مقدم ہیں' یعنی مطلب یہ ہے کہ جس نے گھانس چارہ سبز رنگ سیاہی

مائل پیدا کیا پھر اسے خشک کر دیا' گو یہ معنی بھی بن سکتے ہیں لیکن کچھ زیادہ ٹھیک نظر نہیں آتے کیونکہ مفسرین کے اقوال کے خلاف ہیں۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ ﴿٦﴾ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ﴿٧﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٨﴾ فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَن يَخْشَىٰ ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿١٣﴾

ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا ○ مگر جو کچھ اللہ چاہے وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے ○ ہم تجھے سہج سہج آسانی تک پہنچا دیں گے ○ تو تو نصیحت کرتا رہ اگر نصیحت کچھ فائدہ دے ○ ڈرانے والے تو عبرت حاصل کر لیں گے ○ ہاں یہ بدبخت لوگ اس سے دور رہ جائیں گے ○ جو بڑی آگ میں جائیں گے ○ جہاں پھر نہ وہ مریں گے نہ جئیں گے ○

(آیت:۶-۱۳) پھر فرماتا ہے کہ تجھے ہم اے محمد ﷺ ایسا پڑھائیں گے جسے تو بھولے نہیں' ہاں اگر خود خدا کوئی آیت بھلا دینی چاہے تو اور بات ہے۔ امام ابن جریر تو اسی مطلب کو پسند کرتے ہیں اور مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو قرآن ہم تجھے پڑھاتے ہیں اسے نہ بھول' ہاں جسے ہم خود منسوخ کر دیں اس کی اور بات ہے۔ خدا پر بندوں کے چھپے کھلے اعمال احوال عقائد سب ظاہر ہیں' ہم تجھ پر بھلائی کے کام' اچھی باتیں' شرعی امور آسان کر دیں گے' نہ ان میں کجی ہوگی نہ سختی نہ جرم ہوگا۔ تو نصیحت کرتا رہ اگر نصیحت فائدے دے اس سے معلوم ہوا کہ نالائقوں کو نہ سکھانا چاہئے جیسے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر تم دوسروں کے ساتھ وہ باتیں کرو گے جو ان کی عقل میں نہ آسکیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بھلی باتیں ان کے لئے بری بن جائیں گی اور باعث فتنہ ہو جائیں گی' بلکہ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات چیت کرو تا کہ لوگ اللہ رسول کو نہ جھٹلائیں۔

پھر فرمایا کہ اس سے نصیحت وہ حاصل کرے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہے' جو اس کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے اور اس سے وہ عبرت و نصیحت حاصل نہیں کر سکتا جو بدبخت ہو جو جہنم میں جانے والا ہو' جہاں نہ تو راحت کی زندگی ہے نہ بھلی موت ہے بلکہ وہ دائمی عذاب اور ہیشگی کی برائی ہے' اس میں طرح طرح کے عذاب اور بدترین سزائیں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو نہ تو موت آئے نہ کارآمد زندگی ملے' ہاں جن کے ساتھ خدا کا ارادہ رحمت کا ہے وہ آگ میں گرتے ہی جل کر مر جائیں گے' پھر سفارشی لوگ جائیں گے اور ان کے ڈھیر چھڑا لائیں گے پھر نہر حیاۃ میں ڈال دیئے جائیں گے' جنتی نہروں کا پانی ان پر ڈالا جائے گا اور اس طرح جی اٹھیں گے جس طرح دانہ نالی کے کنارے کوڑے پر اگ آتا ہے کہ پہلے سبز ہوتا ہے پھر زرد پھر ہرا۔ لوگ کہنے لگے حضور تو اس طرح بیان فرماتے ہیں جیسے آپ جنگل سے واقف ہوں۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے بہت سی کتب میں مروی ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ وارد ہے وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ یعنی جہنمی لوگ پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک داروغہ جہنم خدا سے کہہ وہ ہمیں موت دے دے' جواب ملے گا تم تو اب اسی میں پڑے رہنے والے ہو' اور جگہ ہے لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا الخ[۵] یعنی نہ تو ان کو موت آئے گی نہ عذاب کم ہوں گے' اور بھی اس معنی کی آیتیں ہیں۔

بیشک ان لوگوں نے فلاح پالی جو پاک ہو گئے ○ اور جنہوں نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتے رہے ○ لیکن تم تو دنیا کا جینا سامنے رکھتے ہو ○ اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے ○ یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں ○ ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں بھی ○

جس نے صلوٰۃ کو بروقت ادا کیا: ☆☆ (آیت:۱۴-۱۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے رذیل اخلاق سے اپنے تئیں پاک کر لیا' احکام اسلام کی تابعداری کی' نماز کو ٹھیک وقت پر قائم رکھا' صرف خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کے طلب کرنے کے لئے اس نے نجات اور فلاح پالی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کی گواہی دے' اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کو مان لے اور پانچوں وقت کی نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرے وہ نجات پا گیا (بزار)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد پانچ وقت کی نماز ہے۔ حضرت ابوالعالیہؒ نے ایک مرتبہ ابوخلدہ سے فرمایا کہ کل جب عید گاہ جاؤ تو مجھ سے ملتے جانا' جب میں گیا تو مجھ سے کہا کچھ کھا لیا ہے؟ میں نے کہا ہاں' فرمایا نہا چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں' فرمایا زکوٰۃ فطر ادا کر چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں' فرمایا بس یہی کہنا تھا کہ اس آیت میں یہی مراد ہے۔ اہل مدینہ فطرے سے اور پانی پلانے سے افضل اور کوئی صدقہ نہیں جانتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ بھی لوگوں کو فطرہ ادا کرنے کا حکم کرتے' پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے۔ حضرت ابوالاحوصؒ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کرے اور کوئی سائل آ جائے تو اسے خیرات دے دے' پھر یہی آیت پڑھی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس نے اپنے مال کو پاک کر لیا اور اپنے رب کو راضی کر لیا۔ پھر ارشاد ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو اور دراصل تمہاری مصلحت تمہارا نفع اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے' دنیا ذلیل ہے' فانی ہے' آخرت شریف ہے' باقی ہے۔ ایک عاقل ایسا نہیں کر سکتا کہ فانی کو باقی پر اختیار کر لے اور اس کے انتظام میں پڑ کر اس کے اہتمام کو چھوڑ دے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر آخرت میں نہ ہو' دنیا اس کا مال ہے جس کا مال وہاں نہ ہو' اس کے جمع کرنے کے پیچھے وہ لگتے ہیں جو بیوقوف ہوں۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عرفجہ ثقفی اس سورت کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے تو تلاوت چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ سچ ہے ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی' لوگ خاموش رہے تو آپ نے فرمایا کہ اس لئے ہم دنیا کے گرویدہ ہو گئے کہ یہاں کی زینت کو یہاں کی عورتوں کو یہاں کے کھانے پینے کو ہم نے دیکھ لیا' آخرت نظروں سے اوجھل ہے تو ہم نے اس سامنے والی کی طرف توجہ کی اور اس دور والی سے آنکھیں پھیر لیں۔ یا تو یہ فرمان حضرت عبداللہ کا بطور تواضع کے ہے یا جنس انسان کی بابت فرماتے ہیں واللہ اعلم۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت رکھی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا' تم اے لوگو باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو (مسند احمد)۔

پھر فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں بھی یہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ سب بیان ان صحیفوں میں بھی تھا (بزار) نسائی میں حضرت عباسؓ سے یہ مروی ہے اور جب آیت وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس سے مراد ایک کا بوجھ دوسرے کو نہ اٹھانا ہے۔ سورۂ نجم میں ہے اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى آخری مضمون تک کی تمام آیتیں یعنی یہ سب احکام اگلی کتابوں میں بھی تھے اسی طرح یہاں بھی مراد سَبِّحِ اسْمَ کی یہ آیتیں ہیں بعض نے پوری سورت کہی ہے بعض نے قَدْ اَفْلَحَ سے اَبْقٰى تک کہا ہے زیادہ قوی بھی یہی قول معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ سورۂ سبح کی تفسیر ختم ہوئی' ولله الحمد و المنه و به التوفيق و العصمه۔

تفسیر سورة الغاشیه

یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سبح اسم اور غاشیہ کو نماز عیدین اور جمعہ میں پڑھتے تھے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے (ابوداؤد) صحیح مسلم' ابن ماجہ اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷

اللہ تعالیٰ رحمان ورحیم کے نام سے شروع

کیا تجھے بھی چھپا لینے والی قیامت کی خبر پہنچی ہے؟ ○ اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے ○ جو عمل کرنے والے محنتیں اٹھانے والے تھے ○ جو دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے ○ جو نہایت گرم چشمے کا پانی پلائے جائیں گے ○ ان کے لئے سوائے کانٹوں دار درخت کے اور کچھ کھانا نہ ہوگا ○ جو نہ بدن بڑھائے نہ بھوک مٹائے ○

سب کو ڈھانپنے والی حقیقت: ☆☆ (آیت:۱-۷) غاشیہ قیامت کا نام ہے' اس لئے کہ وہ سب پر آئے گی' سب کو گھیرے ہوئے ہو گی اور ہر ایک کو ڈھانپ لے گی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کے قرآن پڑھنے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہی آیت هَلْ اَتٰىكَ پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ نے جواب فرمایا نَعَمْ قَدْ جَآءَنِيْ یعنی ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس دن بہت سے لوگ ذلیل چہروں والے ہوں گے' پستی ان پر برس رہی ہوگی' ان کے اعمال غارت ہو گئے ہوں گے' بڑے بڑے اعمال کئے تھے' سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں' وہ آج بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گئے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ایک خانقاہ کے پاس سے گذرے' وہاں کے راہب کو آواز دی' وہ حاضر ہوا آپ اسے دیکھ کر رو دئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ تو فرمایا اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آ گئی کہ عبادت ریاضت کرتے ہیں لیکن آخر جہنم میں جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد نصرانی ہیں' عکرمہؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے رہے اور آخرت میں

عذاب کی اور مار کی تکلیفیں برداشت کریں گے' یہ سخت بھڑکنے والی جلتی تپتی آگ میں جائیں گے جہاں سوائے ضریع کے اور کچھ کھانے کو نہ ملے گا' یہ آگ کا درخت ہے' جہنم کا پتھر ہے' یہ عضو کی بیل ہے' اس میں زہریلے کانٹوں دار پھل لگتے ہیں' یہ بدترین کھانا ہے اور نہایت ہی برا' نہ بدن بڑھائے نہ بھوک مٹائے' یعنی نہ نفع پہنچے نہ نقصان دور ہو۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾

بہت چہرے اس دن تر و تازہ اور آسودہ حال ہوں گے ○ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے ○ بلند و بالا جنتوں میں ہوں گے ○ جہاں کوئی بیہودہ بات کان میں نہ پڑے گی ○ جہاں چشمے جاری ہوں گے ○ جہاں اونچے اونچے تخت ہوں گے ○ اور آبخورے رکھے ہوئے ہوں گے ○ اور تکیے ہوں گے ایک قطار میں لگے ہوئے ○ اور مخملی مسندیں پھیلی پڑی ہوں گی ○

ہر طرف سلام ہی سلام: ☆☆ (آیت:۸-۱۶) اوپر چونکہ بدکاروں کا بیان اور ان کے عذابوں کا ذکر ہوا تھا تو یہاں نیک کاروں اور ان کے ثوابوں کا بیان ہو رہا ہے' تو فرمایا کہ اس دن بہت سے چہرے ایسے بھی ہوں گے جن پر خوشی کے اور آسودگی کے آثار ظاہر ہوں گے' یہ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے' جنتوں کے بلند بالا خانوں میں ہوں گے جس میں کوئی لغو بات کان میں نہ پڑے گی' جیسے فرمایا لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا اس میں سوائے سلامتی اور سلام کے کوئی بری بات نہ سنیں گے' اور فرمایا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ نہ اس میں بیہودگی ہے نہ گناہ کی باتیں۔ اور فرمایا ہے لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا نہ اس میں فضول گوئی سنیں گے نہ بد باتیں سوائے سلام ہی سلام کے اور کچھ نہ ہوگا' اس میں بہتی ہوئی نہریں ہوں گے' یہاں نکرہ اثبات کے سیاق میں ہے' ایک ہی نہر مراد نہیں بلکہ جنس نہر مراد ہے یعنی نہریں' بہتی ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں اور مشک کے ٹیلوں سے نکلتی ہیں' اس میں اونچے اونچے بلند و بالا تخت ہیں' جن پر بہترین فرش ہیں اور ان کے پاس حوریں بیٹھی ہوئی ہیں' گو یہ تخت بہت اونچے اور ضخامت والے ہیں لیکن جب یہ اللہ کے دوست ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ جھک جائیں گے' شراب کے بھرپور جام ادھر ادھر قرینے سے چنے ہوئے ہیں' جو چاہے جس قسم کا چاہے جس مقدار میں چاہے لے لے اور پی لے اور تکیے میں ایک قطار میں لگے ہوئے اور ادھر ادھر بہترین بستر ے اور فرش باقاعدہ بچھے ہوئے ہیں۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کوئی ہے جو تہبند چڑھائے جنت کی تیاری کرے' اس جنت کی جس کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے' رب کعبہ کی قسم وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے وہ ایک لہلہاتا ہوا سبزہ ہے وہ بلند و بالا محلات ہیں' وہ بہتی ہوئی نہریں ہیں' وہ بکثرت ریشمی حلے ہیں' وہ پکے پکائے تیار عمدہ پھل ہیں' وہ ہمیشگی والی جگہ ہے' وہ سراسر میوے جات سبزہ راحت اور نعمت ہے' وہ تر و تازہ بلند و بالا جگہ ہے۔ سب لوگ بول اٹھے کہ ہم سب اس کے خواہش مند ہیں اور اس کے لئے تیاری کریں گے' فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کہو' صحابہ کرام نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں ○ اور آسمان کو کس طرح اونچا کیا گیا ہے ○ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیئے گئے ○ اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے ○ پس تو تو نصیحت کر دیا کر کہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے ○ تو کچھ ان پر داروغہ نہیں ہے ○ ہاں جو شخص روگردانی کرے اور کفر کرے ○ اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا عذاب کرے گا ○ بیشک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے ○ پھر بیشک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا ○

کائنات پر غور و تدبر کی دعوت: ☆☆ (آیت: ۱۷-۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی مخلوقات پر تدبر کے ساتھ نظریں ڈالیں اور دیکھیں کہ اس کی بے انتہا قدرت ان میں سے ہر ہر چیز سے کس طرح ظاہر ہوتی ہے' اس کی پاک ذات پر ہر ہر چیز کس طرح دلالت کر رہی ہے' اونٹ کو ہی دیکھو کہ کس عجیب و غریب ترکیب اور ہیئت کا ہے' کتنا مضبوط اور قوی ہے اور باوجود اس کے کس طرح نرمی اور آسانی سے بوجھ لاد لیتا ہے اور ایک بچے کے ساتھ کس طرح اطاعت گذار بن کر چلتا ہے۔ اس کا گوشت بھی تمہارے کھانے میں آئے اس کے بال بھی تمہارے کام آئیں' اس کا دودھ تم پیو اور طرح طرح کے فائدے اٹھاؤ۔ سب سے پہلے اسے اس لئے بیان کیا گیا کہ عموماً عرب کے ملک میں اور عربوں کے پاس یہی جانور تھا۔ حضرت شریح قاضی فرمایا کرتے تھے آؤ چلو چل کر دیکھیں کہ اونٹ کی پیدائش کس طرح ہے اور آسمان کی بلندی زمین سے کس طرح ہے وغیرہ۔ اور جگہ ارشاد ہے اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا کیسے مزین کیا اور ایک سوراخ نہیں چھوڑا' پھر پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے گاڑ دیئے گئے تاکہ زمین ہل نہ سکے اور پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ چھوڑ سکیں' پھر اس میں جو بھلائی اور نفع کی چیزیں پیدا کی ہیں ان پر بھی نظر ڈالو زمین کو دیکھو کہ کس طرح پھیلا کر بچھا دی گئی ہے' غرض یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا جو قرآن کے مخاطب عربوں کے ہر وقت پیش نظر رہا کرتی ہیں' ایک بدوی جو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلتا ہے' زمین اس کے نیچے ہوتی ہے' آسمان اس کے اوپر ہوتا ہے' پہاڑ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اونٹ پر خود سوار ہے' ان باتوں سے خالق کی قدرت کاملہ اور صنعت ظاہرہ بالکل ہویدا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خالق' صانع' رب' عظمت عزت والا مالک اور متصرف معبود برحق اور خدائے حقیقی صرف وہی ہے' اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کے سامنے اپنی عاجزی اور پستی کا اظہار کریں' جسے ہم حاجتوں کے وقت پکاریں' جس کا نام جپیں اور جس کے سامنے سرخم ہوں۔

حضرت ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو سوالات آنحضرت ﷺ سے کئے تھے وہ اس طرح کی قسمیں دے کر کئے تھے۔ بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بار بار سوالات کرنے سے روک دیا گیا تھا تو ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ باہر کا کوئی عقل مند شخص آئے وہ سوالات کرے ہم بھی موجود ہوں اور پھر حضورؐ کی زبانی جوابات سنیں چنانچہ ایک دن بادیہ نشین آئے اور کہنے لگے اے محمد (ﷺ) آپ کے قاصد ہمارے پاس آئے اور ہم سے کہا آپ فرماتے ہیں کہ خدا نے آپ کو اپنا

رسول بنایا ہے' آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا' وہ کہنے لگا بتلایئے کس نے آسمان کو پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ نے' کہا زمین کس نے پیدا کی؟ آپ نے فرمایا اللہ نے' کہا ان پہاڑوں کو کس نے گاڑ دیا؟ ان میں فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں؟ آپ نے فرمایا اللہ نے' کہا پس آپ کو قسم ہے اس اللہ کی جس نے آسمان وزمین پیدا کئے اور ان پہاڑوں کو گاڑا کیا اللہ نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں' کہا آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں' فرمایا اس نے سچ کہا۔ کہا اس اللہ کی آپ کو قسم ہے جس نے آپ کو بھیجا کہ کیا یہ خدا کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں' کہا آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مالوں میں ہم پر زکوۃ فرض ہے فرمایا سچ ہے کہا آپ کو اپنے بھیجنے والے اللہ کی قسم کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں' کہا اور آپ کے قاصد نے ہم میں سے طاقت رکھنے والے لوگوں کو حج کا حکم بھی دیا ہے' آپ نے فرمایا ہاں' اس نے کہا سچ کہا' وہ یہ سن کر یہ کہتا ہوا چل دیا کہ اس خدائے واحد کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے نہ میں ان پر کچھ زیادتی کروں نہ ان میں کوئی کمی کروں' نبی ﷺ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔

بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا میں ضحام بن ثعلبہ ہوں' بنو سعد بن بکر کا بھائی۔ ابو یعلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اکثر یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک عورت پہاڑ پر تھی' اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا' یہ عورت بکریاں چرایا کرتی تھی' اس کے لڑکے نے اس سے پوچھا کہ اماں جان تمہیں کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے' پوچھا میرے اباجی کو کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ نے' پوچھا مجھے؟ کہا اللہ نے پوچھا آسمان کو؟ کہا اللہ نے' پوچھا زمین کو؟ کہا اللہ نے' پوچھا پہاڑوں کو؟ بتلایا کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ بچے نے پھر سوال کیا کہ اچھا ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے کہا انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ بچے کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ خدائے تعالیٰ بڑی شان والا ہے' اس کا دل عظمت خدا سے بھر گیا' وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور پہاڑ پر سے گر پڑا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ ابن دینار فرماتے ہیں حضرت ابن عمرؓ بھی یہ حدیث ہم سے اکثر بیان فرمایا کرتے تھے' اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن جعفر مدنی ضعیف ہیں۔

امام علی بن مدینی جوان کے صاحبزادے اور جرح وتعدیل کے امام ہیں وہ انہیں یعنی اپنے والد کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی تم تو اللہ کی رسالت کی تبلیغ کیا کرو' تم پر صرف بلاغ ہے' حساب ہمارے ذمہ ہے' آپ ان پر مسلط نہیں ہیں' جبر کرنے والے نہیں ہیں' ان کے دلوں میں آپ ایمان پیدا نہیں کر سکتے' آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں' جب وہ اسے کہہ لیں تو انہوں نے اپنے جان ومال مجھ سے بچا لئے مگر حق اسلام کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ مسلم ترمذی مسند وغیرہ۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جو منہ موڑے اور کفر کرے یعنی نہ عمل کرے نہ ایمان لائے نہ اقرار کرے جیسے فرمان ہے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی نہ تو سچا یا نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا اسی لئے اسے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ ابوامامہ باہلی حضرت خالد بن یزید بن معاویہؓ کے پاس گئے تو کہا کہ تم نے نبی ﷺ سے جو آسانی سے آسانی والی حدیث سنی ہو اسے مجھے سنا تو آپ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ تم میں سے ہر ایک جنت میں جائے گا مگر وہ جو اس طرح کی سرکشی کرے جیسے شریر اونٹ اپنے مالک پر کرتا ہے (مسند احمد)

ان سب کا لوٹنا ہماری ہی جانب ہے اور پھر ہم ہی ان سے حساب لیں گے اور انہیں بدلہ دیں گے' نیکی کا نیک' بدی کا بد۔

سورۂ غاشیہ کی تفسیر ختم ہوئی وللہ الحمد والمنہ۔

تفسیر سورة الفجر

(تفسیر سورۃ الفجر) نسائی شریف میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی ایک شخص آیا اور جماعت میں شامل ہو گیا' حضرت معاذ نے نماز میں قرات لمبی کی' اس نے مسجد کے ایک گوشے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر فارغ ہو کر چلا گیا - حضرت معاذ کو بھی یہ واقعہ معلوم ہوا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر بطور شکایت یہ واقعہ بیان کیا آپ نے اس جوان کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا حضورؐ میں کیا کرتا میں ان کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا انہوں نے لمبی قرات شروع کی تو میں نے گھوم کر مسجد کے کونے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالا آپ نے فرمایا ایمعاذ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے تو ان سورتوں سے کہاں ہے؟ سبح اسم ربك الاعلی والشمس وضحاها' والفجر' والليل اذا يغشى۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿٤﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿٥﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے!

قسم ہے فجر کی ○ اور دس راتوں کی ○ اور جفت اور طاق کی ○ اور رات کی جب وہ چلنے لگے ○ کہ ان میں عقل مند کے واسطے کافی قسم ہے؟ ○ کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا ○ ارم والے عادی جو بلند قامت تھے ○ جن جیسے لوگ دوسرے شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے ○ اور ثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے ○ اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا ○ ان سبھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا ○ اور بہت فساد مچا رکھا تھا ○ آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا ○ یقیناً تیرا رب گھات میں ہے ○

شفع اور وتر سے کیا مراد ہے اور قوم عاد کا قصہ: ☆☆ (آیت: ۱-۱۴) فجر تو ہر شخص جانتا ہے یعنی صبح اور یہ مطلب بھی ہے کہ بقرہ عید کے دن کی صبح اور یہ مراد بھی ہے کہ صبح کے وقت کی نماز اور پورا دن اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ مہینے کی پہلی دس راتیں' چنانچہ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ کوئی عبادت ان دس دنوں کی عبادت سے افضل نہیں' لوگوں نے پوچھا اللہ کی راہ کا جہاد بھی نہیں؟ فرمایا یہ بھی نہیں' مگر وہ شخص جو جان مال لے کر نکلا اور پھر کچھ بھی ساتھ لے کر نہ پلٹا بعض نے کہا ہے محرم کے پہلے دس دن مراد ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں رمضان شریف کے پہلے کے دس دن' لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے یعنی ذی الحجہ کی شروع کی دس راتیں مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ عشر سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں اور وتر سے مراد عرفے کا دن ہے اور شفع سے

مراد قربانی کا دن ہے' اس کی اسناد میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن متن میں نکارت ہے واللہ اعلم - وتر سے مراد عرفے کا دن یہ نویں تاریخ ہوتی ہے تو شفع سے مراد دسویں تاریخ یعنی بقرہ عید کا دن ہے' وہ طاق ہے یہ جفت ہے - حضرت واصل بن سائب نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ کیا وتر سے مراد یہی وتر نماز ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں' شفع عرفہ کا دن ہے اور وتر عید الاضحیٰ کی رات ہے - حضرت عبداللہ بن زبیرؓ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ شفع کیا ہے اور وتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ میں جو دو دن کا ذکر ہے وہ شفع ہے اور مَنْ تَاَخَّرَ میں جو ایک دن ہے وہ وتر ہے' آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایام تشریف کا درمیانی دن شفع ہے اور آخری دن وتر ہے -

صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کے ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں یاد کر لے جنتی ہے' وہ وتر ہے وتر کو دوست رکھتا ہے - زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں اس سے مراد تمام مخلوق ہے' اس میں شفع بھی ہے اور وتر بھی - یہ بھی کہا گیا ہے کہ مخلوق شفع اور اللہ وتر ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع صبح کی نماز ہے اور وتر مغرب کی نماز ہے - یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع سے مراد جوڑ جوڑ اور وتر سے مراد اللہ عزوجل' جیسے آسمان زمین' تری خشکی' جن انس' سورج چاند وغیرہ - قرآن میں ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ہم نے ہر چیز کو جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے تا کہ تم عبرت حاصل کر لو یعنی جان لو کہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد گنتی ہے جس میں جفت بھی ہے اور طاق بھی ہے - ایک حدیث میں ہے شفع سے مراد دو دن ہیں اور وتر سے مراد تیسرا دن - یہ حدیث اس حدیث کے مخالف ہے جو اس سے پہلے گذر چکی ہے - ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد نماز ہے کہ اس میں شفع ہے جیسے صبح کی دو ظہر' عصر اور عشاء کی چار اور وتر ہے جیسے مغرب کی تین رکعتیں جو دن کے وتر ہیں اور اسی طرح آخری رات کا وتر' ایک مرفوع حدیث میں مطلق نماز کے لفظ کے ساتھ مروی ہے' بعض صحابہ سے فرض نماز مروی ہے لیکن یہ مرفوع حدیث زیادہ ٹھیک یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمران بن حصین پر موقوف ہے واللہ اعلم -

امام ابن جریر نے ان آٹھ نو اقوال میں سے کسی کو فیصل قرار نہیں دیا - پھر فرماتا ہے رات کی قسم جب جانے لگے اور یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ جب آنے لگے بلکہ یہی معنی زیادہ مناسب اور والفجر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں فجر کہتے رات کے جانے کو اور دن کے آنے کو تو یہاں رات کا آنا اور دن کا جانا مراد ہوگا جیسے وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ میں عکرمہ فرماتے ہیں مراد مزدلفہ کی رات ہے - حجر سے مراد عقل ہے' حجر کہتے ہیں روک کو چونکہ عقل بھی غلط کاریوں اور جھوٹی باتوں سے روک دیتی ہے اس لئے اسے عقل کہتے ہیں' حطیم کو بھی حجر البیت اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والے کو کعبۃ اللہ کی شامی دیوار سے روک دیتا ہے' اسی سے ماخوذ ہے حجر یمانہ اور اسی لئے عرب کہتے ہیں حَجَرَ الْحَاكِمُ عَلٰى فُلَانٍ جبکہ کسی شخص کو بادشاہ تصرف سے روک دے اور کہتے ہیں کہ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا تو فرماتا ہے کہ ان میں عقل مندوں کے لئے قابل عبرت قسم ہے' کہیں تو قسمیں ہیں عبادتوں کی' کہیں عبادت کے وقتوں کی جیسے حج نماز وغیرہ کہ جن سے اس کے نیک بندے اس کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں اور اس کے سامنے اپنی پستی اور خود فراموشی ظاہر کرتے ہیں' جب ان پرہیزگار نیک کار لوگوں کا اور ان کی عاجزی اور تواضع کا خشوع خضوع کا ذکر کیا تو اب ان کے ساتھ ہی ان کے خلاف جو سرکش اور بدکار لوگ ہیں ان کا ذکر ہو رہا ہے' تو فرماتا ہے کہ کیا تم نے نہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو غارت کر دیا جو کہ سرکش اور متکبر تھے' اللہ کی نافرمانی' رسول کی تکذیب اور بدیوں پر جھک پڑے تھے - ان میں خدا کے رسول حضرت ہود علیہ السلام آئے تھے' یہ عاد اعالی ہیں جو عاد بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے' اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایماندار کو تو نجات دے دی اور باقی بے ایمانوں کو تیز و تند خوفناک اور ہلاک آفریں ہواؤں سے ہلاک کیا' سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ غضب ناک آندھی چلتی رہی اور یہ سارے کے سارے اس طرح

غارت ہو گئے کہ ان کے سر الگ تھے اور دھڑ الگ تھے' ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا' جس کا مفصل بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے۔

سورۃ الحاقہ میں بھی بیان ہے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ یہ عاد کی تفسیر بطور عطف بیان کے لئے تا کہ بخوبی وضاحت ہو جائے یہ لوگ مضبوط اور بلند ستونوں والے گھروں میں رہتے تھے اور اپنے زمانے کے اور لوگوں سے بہت بڑے تن و توش والے قوت و طاقت والے تھے اسی لئے حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا وَاذْكُرُوٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ یعنی یاد کرو کہ خدائے تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین پر خلیفہ بنایا ہے اور تمہیں جسمانی کشادگی پوری دی ہے' تمہیں چاہئے کہ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فسادی بن کر نہ رہو۔ اور جگہ ہے کہ عادیوں نے ناحق زمین میں سرکشی کی اور بول اٹھے کہ ہم سے زیادہ قوت والا اور کون ہے؟ کیا وہ بھول گئے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے بہت ہی زبردست طاقت و قوت والا ہے۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس قبیلے جیسے طاقتور اور شہروں میں نہ تھے' بڑی طویل القامت قوی الجثہ ارم ان کا دارالسلطنت تھا' انہیں ستونوں والے کہا جاتا تھا اس لئے بھی کہ یہ لوگ بہت دراز قد تھے بلکہ صحیح وجہ یہی ہے مِثْلُهَا کی ضمیر کا مرجع عِمَاد بتلایا گیا ہے' ان جیسے اور شہروں میں نہ تھے' یہ احقاف میں بنے ہوئے لمبے لمبے ستون تھے اور بعض نے ضمیر کا مرجع قبیلہ بتلایا ہے یعنی اس قبیلے جیسے لوگ اور شہروں میں نہ تھے اور یہی قول ٹھیک ہے اور اگلا قول ضعیف ہے اسی لئے بھی کہ یہی مراد ہوتی تو لَمْ يَجْعَلْ کہا جاتا نہ کہ لَمْ يُخْلَقْ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ان میں اس قدر زور و طاقت تھی کہ ان میں کا کوئی اٹھتا اور ایک بڑی ساری چٹان لے کر کسی قبیلے پر پھینک دیتا تو بیچارے سب کے سب دب کر مر جاتے۔ حضرت ثور بن زید دیلیؒ فرماتے ہیں میں نے ایک ورق پر یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ میں شداد بن عاد ہوں' میں نے ستون بلند کئے ہیں' میں نے ہاتھ مضبوط کئے ہیں' میں نے سات ذراع کے خزانے جمع کئے ہیں جو امت محمد ﷺ نکالے گی' غرض خواہ یوں کہو کہ وہ عمدہ اونچے اور مضبوط مکانوں والے تھے خواہ یوں کہو کہ وہ بلند و بالا ستونوں والے تھے یا یوں کہو کہ وہ بہترین ہتھیاروں والے تھے یا یوں کہو لمبے لمبے قد والے تھے' مطلب یہ ہے کہ ایک قوم تھی جن کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ ثمودیوں کے ساتھ آچکا ہے' یہاں بھی اسی طرح عادیوں اور ثمودیوں کا دونوں کا ذکر ہے واللہ اعلم۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ایک شہر ہے یا تو دمشق یا اسکندریہ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ عبارت کا ٹھیک مطلب نہیں بنتا کیونکہ یا تو یہ بدل ہو سکتا ہے یا عطف بیان' دوسرے اس لئے بھی کہ یہاں یہ بیان مقصود ہے کہ ہر ایک سرکش قبیلے کو خدا نے برباد کیا جن کا نام عاد تھا نہ کہ کسی شہر کو' میں نے اس بات کو یہاں اس لئے بیان کر دیا ہے تا کہ جن مفسرین کی جماعت نے یہاں یہ تفسیر کی ہے ان سے کوئی شخص دھوکے میں نہ پڑ جائے' وہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جس کی ایک اینٹ سونے کی ہے دوسری چاندی کی' اس کے مکانات باغات محلے وغیرہ سب چاندی سونے کے ہیں' کنکر لولو اور جواہر ہیں' مٹی مشک ہے' نہریں بہہ رہی ہیں' پھل تیار ہیں' کوئی رہنے سہنے والا نہیں' در و دیوار خالی ہیں' کوئی ہاں ہوں کرنے والا بھی نہیں' یہ شہر منتقل ہوتا رہتا ہے' کبھی شام میں کبھی یمن میں کبھی عراق میں کبھی کہیں کبھی کہیں وغیرہ۔ یہ سب خرافات بنو اسرائیل کی ہیں' ان کے بددینوں نے یہ گھڑنت گھڑی ہے تا کہ جاہلوں میں باتیں بنائیں۔ جلی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اپنے گم شدہ اونٹوں کو ڈھونڈ رہا تھا کہ جنگل بیابان میں اس نے اسی صفت کا ایک شہر دیکھا اور اس میں گیا گھوما پھرا' پھر لوگوں سے آ کر ذکر کیا' لوگ بھی وہاں گئے لیکن پھر کچھ نظر نہ آیا۔

ابن ابی حاتم نے یہاں ایسے قصے بہت سے لمبے چوڑے نقل کئے ہیں' یہ حکایت بھی صحیح نہیں اور اگر یہ اعرابی والا قصہ سنداً صحیح مان لیں تو ممکن ہے کہ اسے ہوس اور خیال ہوا اور اپنے خیال میں اس نے یہ نقشہ جما لیا ہو اور خیالات کی پختگی اور عقل کی کمی نے اسے یقین دلا دیا ہو

کہ وہ صحیح طور پر یہی دیکھ رہا ہے اور فی الواقع یوں بھی ہو۔ ٹھیک اسی طرح جو جاہل حریص اور خیالات کے کچے ہوں سمجھتے ہیں کہ کسی خاص زمین تلے سونے چاندی کے پل ہیں اور قسم قسم کے جواہر یاقوت لؤلؤ اور موتی ہیں اکسیر کبیر ہے لیکن ایسے چند مواقع ہیں کہ وہاں لوگ پہنچ نہیں سکتے مثلاً خزانے کے منہ پر کوئی اژدھا بیٹھا ہے کسی جن کا پہرہ ہے وغیرہ یہ سب فضول قصے اور بناوٹی باتیں ہیں' انہیں گھڑ گھڑا کر بے وقوفوں اور مال کے حریصوں کو اپنے دام میں پھانس کر ان سے کچھ وصول کرنے کے لئے مکاروں نے مشہور کر رکھے ہیں' پھر کبھی چلے کھینچنے کے بہانے سے' کبھی بخور کے بہانے سے' کبھی کسی اور طرح سے ان کے یہ مکار روپے وصول کر لیتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں' ہاں یہ ممکن ہے کہ زمین سے جاہلیت کے زمانے کا یا مسلمانوں کے زمانے کا کسی کا گاڑا ہوا مال نکل آئے تو اس کا پتہ جسے چل جائے وہ اس کے ہاتھ لگ جاتا ہے نہ وہاں کوئی مار گنج ہوتا ہے نہ کوئی دیو بھوت جن پری جس طرح ان لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے' یہ بالکل غیر صحیح ہے' یہ ایسے ہی لوگوں کی گھڑنت ہے یا ان جیسے ہی لوگوں سے سنی سنائی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نیک سمجھ دے۔

امام ابن جریرؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے اس سے قبیلہ مراد ہو اور ممکن ہے شہر مراد ہو لیکن ٹھیک نہیں یہاں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک قوم کا شہر ہے نہ کہ ذکر کا اسی لئے اس کے بعد ہی ثمودیوں کا ذکر کیا کہ وہ ثمودی جو پتھروں کو تراش لیا کرتے تھے' جیسے اور جگہ ہے وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فَارِهِیْنَ یعنی تم پہاڑوں میں اپنے کشادہ آرام دہ مکانات اپنے ہاتھوں پتھروں میں تراش لیا کرتے ہو' اس کے ثبوت میں کہ اس کے معنی تراش لینے کے ہیں عربی شعر بھی ہیں۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں ثمودی عرب تھے' وادی القریٰ میں رہتے تھے' عادیوں کا قصہ پورا پورا سورۂ اعراف میں ہم بیان کر چکے ہیں اب اعادہ کی ضرورت نہیں پھر فرمایا میخوں والا فرعون' اوتار کے معنی ابن عباسؓ نے لشکروں کے کئے ہیں جو کہ اس کے کاموں کو مضبوط کرتے رہتے تھے' یہ بھی مروی ہے کہ فرعون غصے کے وقت لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گڑوا کر مروا ڈالتا تھا' چورنگ کر کے اوپر سے بڑا پتھر پھینکتا تھا جس سے اس کا کچومر نکل جاتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسیوں اور میخوں وغیرہ سے اس کے سامنے کھیل کئے جاتے تھے' اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس نے اپنی بیوی صاحبہ کو جو مسلمان ہو گئی تھیں لٹا کر دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں گاڑیں' پھر بڑا سا چکی کا پتھر ان کی پیٹھ پر مار کر جان لے لی' اللہ ان پر رحم کرے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے سرکشی پر کمر باندھ لی تھی اور فسادی لوگ تھے لوگوں کو حقیر و ذلیل جانتے تھے اور ہر ایک کو ایذا پہنچاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے عذاب کا کوڑا برس پڑا' وبال آیا جو ٹالے نہ ٹلا' ہلاک و برباد اور تہس نہس ہو گئے۔ تیرا رب گھات میں ہے' دیکھ رہا ہے' سن رہا ہے' سمجھ رہا ہے' وقت مقررہ پر ہر برے بھلے کو نیکی بدی کی جزا سزا دے گا' یہ سب لوگ اس کے پاس جانے والے تن تنہا اس کے سامنے کھڑے ہونے والے ہیں اور وہ عدل و انصاف کے ساتھ ان میں فیصلے کرے گا اور ہر شخص کو پورا پورا دے گا جس کا وہ مستحق تھا' وہ ظلم وجور سے پاک ہے۔

یہاں پر ابن ابی حاتم نے ایک حدیث وارد کی ہے جو بہت غریب ہے جس کی سند میں کلام ہے اور صحت میں بھی نظر ہے' اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذ مومن حق کا قیدی ہے' اے معاذ مومن تو دغدغے میں ہی رہتا ہے جب تک کہ پل صراط سے پار نہ ہو جائے۔ اے معاذ مومن کو قرآن نے بہت سی دلی خواہشوں سے روک رکھا ہے تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جائے' قرآن اس کی دلیل ہے' خوف اس کی حجت ہے' شوق اس کی سواری ہے' نماز اس کی پناہ ہے' روزہ اس کی ڈھال ہے' صدقہ اس کا چھٹکارا ہے' سچائی اس کا امیر ہے' شرم اس کا وزیر ہے اور اس کا رب ان سب کے بعد اس پر واقف و آگاہ ہے وہ تیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کے راوی یونس خداء اور ابو حمزہ مجہول ہیں' پھر اس میں ارسال بھی ہے' ممکن ہے یہ ابو حمزہ ہی کا کلام ہو۔ اسی ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابن عبدالکلاعی نے اپنے ایک وعظ

میں کہا لوگو جہنم کے سات پل ہیں' ان سب پر پل صراط ہے پہلے ہی پل پر لوگ روکے جائیں گے' یہاں نماز کا حساب کتاب ہوگا' یہاں سے نجات مل گئی تو دوسرے پل پر روک ہوگی یہاں امانتداری کا سوال ہوگا جو امانت دار ہوگا اس نے نجات پائی اور جو خیانت والا نکلا ہلاک ہوا۔

تیسرے پل پر صلہ رحمی کی پرسش ہوگی اس کے کاٹنے والے یہاں سے نجات نہ پاسکیں گے اور ہلاک ہوں گے' رشتہ داری یعنی صلہ رحمی وہیں موجود ہوگی اور یہ کہہ رہی ہوگی کہ خدایا جس نے مجھے جوڑا تو اسے جوڑ اور جس نے مجھے توڑا تو اسے توڑ' یہی معنی ہیں اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ یہ اثر اتنا ہی ہے پورا نہیں۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝۱۵ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝۱۶ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝۱۷ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۱۸ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝۱۹ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝۲۰

انسان کا یہ حال ہے کہ جب اسے اس کا رب آزمائے اور عزت و نعمت دے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا ○ اور جب اس کا امتحان لیتے ہوئے اس کی روزی تنگ کر دے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی ○ ایسا ہرگز نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے ○ اور مسکینوں کے کھلانے کی ایک دوسروں کو رغبت نہیں دیتے ○ اور مردوں کی میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو ○ اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو ○

وسعت رزق کو اکرام نہ سمجھو بلکہ امتحان سمجھو: ☆☆ (آیت: ۱۵-۲۰) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ وسعت اور کشادگی پاکریوں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ خدا نے ان کا اکرام کیا یہ غلط ہے بلکہ دراصل یہ امتحان ہے' جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ یعنی مال و اولاد کے بڑھ جانے کو یہ لوگ نیکیوں کی بڑھوتری سمجھتے ہیں دراصل یہ ان کی بے سمجھی ہے' اسی طرح اس کے برعکس بھی یعنی تنگی ترشی کو انسان اپنی اہانت سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ دراصل یہ بھی خدا کی طرف سے آزمائش ہے اسی لئے یہاں كَلَّا کہہ کر ان دونوں خیالات کی تردید کی کہ یہ واقعہ نہیں جسے خدا مال کی وسعت دے اس سے وہ خوش ہے اور جس پر تنگی کرے اس سے ناخوش ہے بلکہ مدار خوشی اور ناخوشی کا ان دونوں حالتوں میں عمل پر ہے' غنی ہو کر شکر گذاری کرے تو خدا کا محبوب اور فقیر ہو کر صبر کرے تو اللہ کا محبوب - خدائے تعالیٰ اس طرح اور اس طرح آزماتا ہے پھر یتیم کی عزت کرنے کا حکم دیا - حدیث میں ہے کہ سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کی اچھی پرورش ہو رہی ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو' پھر آپ نے انگلی اٹھا کر فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اسی طرح ہوں گے یعنی قریب قریب۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر انہیں دکھا کر آپ نے فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے - پھر فرمایا کہ یہ لوگ فقیروں مسکینوں کے ساتھ سلوک احسان کرنے انہیں کھانا پینا دینے کی ایک دوسرے کو رغبت و لالچ نہیں دلاتے اور یہ عیب بھی ان میں ہے کہ میراث کا مال حلال ہو یا حرام ہضم کر جاتے ہیں اور مال کی محبت بھی ان میں بے طرح ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾

یقیناً ایک وقت زمین بالکل برابر پست کر کے بچھادی جائے گی ○ اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر آ جائیں گے ○ اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی اس دن انسان عبرت حاصل کر لے گا لیکن آج عبرت کا فائدہ کہاں؟ ○ وہ کہے گا کہ کاش کہ میں اپنی اس زندگی کے لئے کچھ نیک اعمال بھیج دیتا ○ پس آج اللہ کے عذابوں جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا ○ نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی ○ اے اطمینان والی روح ○ لوٹ چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش ○ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں چلی جا ○

سجدوں کی برکتیں: ☆☆ (آیت: ۲۱-۳۰) قیامت کے ہولناک حالات کا بیان ہو رہا ہے کہ بالیقین اس دن زمین پست کر دی جائے گی، اونچی نیچی زمین برابر کر دی جائے گی اور بالکل صاف ہموار ہو جائے گی، پہاڑ زمین کے برابر کر دیئے جائیں گے، تمام مخلوق قبر سے نکل آئے گی، خود خدائے تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے آ جائے گا، یہ اس عام شفاعت کے بعد جو تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہوگی اور یہ شفاعت اس وقت ہوگی جبکہ تمام مخلوق ایک ایک بڑے بڑے پیغمبر کے پاس ہو آئے گی اور ہر نبی کہہ دے گا کہ میں اس قابل نہیں، پھر سب کے سب حضورؐ کے پاس آئیں گے اور آپ فرمائیں گے کہ ہاں ہاں میں اس کے لئے تیار ہوں، پھر آپ جائیں گے اور خدا کے سامنے سفارش کریں گے کہ وہ پروردگار لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے، یہی پہلی شفاعت ہے اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا مفصل بیان سورۂ سبحان میں گذر چکا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ رب العالمین فیصلے کے لئے تشریف لائے گا، اس کے آنے کی کیفیت وہی جانتا ہے، فرشتے بھی اس کے آگے آگے صف بستہ حاضر ہوں گے، جہنم بھی لائی جائے گی۔

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنم کی اس روز ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے، یہی روایت خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ اس دن انسان اپنے نئے پرانے تمام اعمال کو یاد کرنے لگے گا، برائیوں پر پچھتائے گا، نیکیوں کے نہ کرنے یا کم کرنے پر افسوس کرے گا، گناہوں پر نادم ہوگا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کوئی بندہ اپنے پیدا ہونے سے لے کر مرتے دم تک سجدے میں پڑا رہے اور خدا کا پورا اطاعت گذار رہے پھر بھی اپنی اس عبادت کو قیامت کے دن حقیر اور ناچیز سمجھے گا اور چاہے گا کہ میں دنیا کی طرف اگر لوٹایا جاؤں تو اجر و ثواب کے کام اور زیادہ کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن خدا کے عذابوں جیسا عذاب کسی اور کا نہ ہوگا جو وہ اپنے نافرمان اور نافرجام بندوں کو کرے گا نہ اس جیسی زبردست پکڑ دکڑ قید و بند کسی کی ہو سکتی ہے، زبانیہ فرشتے بدترین بیڑیاں اور ہتھکڑیاں انہیں پہنائے ہوئے ہوں گے، یہ تو بدبختوں کا انجام اب نیک بختوں کا حال سنئے جو روحیں سکون اور اطمینان والی ہیں، پاک اور ثابت ہیں، حق کی ساتھی ہیں ان سے موت کے

وقت اور قبر سے اٹھنے کے وقت کہا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف اس کے پڑوس کی طرف اس کے ثواب اور اجر کی طرف اس کی جنت اور رضامندی کی طرف لوٹ چل یہ خدا سے خوش ہے اور خدا اس سے راضی ہے اور اتنا دے گا کہ یہ بھی خوش ہو جائے گا تو میرے خاص بندوں میں آ جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے۔ بریدہؓ فرماتے ہیں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے۔

حضرت عبداللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ قیامت کے دن اطمینان والی روحوں سے کہا جائے گا کہ تو اپنے رب یعنی اپنے جسم کی طرف لوٹ جا جسے تو دنیا میں آباد کئے ہوئے تھی تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے راضی رضامند ہو یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عبداللہ اس آیت کو فَادْخُلِیْ فِیْ عَبْدِیْ پڑھتے تھے یعنی اے روح میرے بندے میں یعنی اس کے جسم میں چلی جا لیکن یہ غریب ہے اور ظاہر قول پہلا ہی ہے جیسے اور جگہ ہے ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقُّ یعنی پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جگہ ہے وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ یعنی ہمارا لوٹنا خدا کی طرف یعنی اس کے حکم کی طرف اور اس کے سامنے ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اتریں تو آپ نے کہا کتنا اچھا قول ہے حضورؐ نے فرمایا تمہیں بھی یہی کہا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ کے سامنے حضرت سعید بن جبیرؒ نے یہ آیتیں پڑھیں تو حضرت صدیقؓ نے یہ فرمایا جس پر آپ نے یہ خوش خبری سنائی کہ تجھے فرشتہ موت کے وقت یہی کہے گا۔

ابن ابی حاتم میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ مفسر القرآن خیر الامت پیغمبر اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی کا طائف میں انتقال ہوا تو ایک پرندہ آیا جس جیسا پرند کبھی زمین پر دیکھا نہیں گیا وہ نعش میں چلا گیا پھر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو قبر کے کونے سے اسی آیت کی تلاوت کی آواز آئی اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون پڑھ رہا ہے یہ روایت طبرانی میں بھی ہے ابو ہاشم قباث بن رزین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنگ روم میں ہم دشمنوں کے ہاتھ قید ہو گئے شاہ روم نے ہمیں اپنے سامنے بلایا اور کہا یا تو تم اس دین کو چھوڑ دو یا قتل ہونا منظور کر لو ایک ایک کو وہ یہ کہتا کہ ہمارا دین قبول کر و ورنہ جلاد کو حکم دیتا ہوں کہ تمہاری گردن مارے تین شخص تو مرتد ہو گئے جب چوتھا آیا تو اس نے صاف انکار کیا بادشاہ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی اور سر کو نہر میں ڈال دیا گیا وہ نیچے ڈوب گیا اور ذرا سی دیر میں پانی پر آ گیا اور ان تینوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے فلاں اور اے فلاں اور اے فلاں ان کے نام لے کر انہیں آواز دی جب یہ متوجہ ہوئے سب درباری لوگ بھی دیکھ رہے تھے اور خود بادشاہ بھی تعجب کے ساتھ سن رہا تھا اس مسلمان شہید کے سر نے کہا سنو خدا تعالیٰ فرماتا ہے يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ اتنا کہہ کر وہ سر پھر پانی میں غوطہ لگا گیا اس واقعہ کا اتنا اچھا اثر ہوا کہ قریب تھا کہ نصرانی اسی وقت مسلمان ہو جاتے بادشاہ نے اسی وقت دربار برخاست کرا دیا اور وہ تینوں پھر مسلمان ہو گئے اور ہم سب یونہی قید میں رہے آخر خلیفہ ابو جعفر منصور کی طرف سے ہمارا فدیہ آ گیا اور ہم نے نجات پائی۔

ابن عساکر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے کہا یہ دعا پڑھا کر اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَآئِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِكَ خدایا میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو تیری قضا پر راضی ہو تیرے دیئے ہوئے قناعت کرنے والا ہو۔

سورۂ والفجر کی تفسیر ختم ہوئی فالحمدللہ۔

تفسیر سورة البلد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ یَقُوۡلُ اَہۡلَکۡتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ۙ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ﴿ۚ۱۰﴾

میں اللہ تعالیٰ رحمن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں O مجھے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے O اور قسم ہے انسانی باپ اور اولاد کی O یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے O کیا یہ گمان ہے کہ یہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟ O کہتا پھرتا ہے کہ میں نے تو بہت کچھ مال خرچ کر ڈالا O کیا یوں سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ O کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ O اور زبان اور ہونٹ O اور دونوں راہیں دکھا دیں O

مکہ مکرمہ کی قسم: ☆☆ (آیت:۱-۱۰) اللہ تبارک وتعالیٰ مکہ مکرمہ کی قسم کھاتا ہے درآں حالیکہ وہ آباد ہے اس میں لوگ بستے ہیں اور وہ بھی امن چین میں ہیں' لا سے ان پر رد کیا' پھر قسم کھائی اور فرمایا کہ اے نبی تیرے لئے یہاں ایک مرتبہ لڑائی حلال ہونے والی ہے جس میں کوئی گناہ اور حرج نہ ہوگا اور اس میں جو ملے وہ حلال ہوگا صرف اسی وقت کے لئے یہ حکم ہے۔ صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس بابرکت شہر مکہ کو پروردگار عالم نے اول دن سے ہی حرمت والا بنایا ہے اور قیامت تک یہ حرمت وعزت اس کی باقی رہنے والی ہے' اس کا درخت نہ کاٹا جائے' اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں' میرے لئے بھی صرف ایک دن ہی کی ایک ساعت کے لئے حلال کیا گیا آج پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی جیسے کل تھی' ہر حاضر کو چاہئے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر یہاں کے جنگ وجدال کے جواز کی دلیل میں کوئی میری لڑائی پیش کرے تو کہہ دینا کہ خدا نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں نہیں دی۔ پھر قسم کھاتا ہے باپ کی اور اولاد کی' بعض نے تو کہا ہے کہ ماولد میں ما نافیہ ہے یعنی قسم ہے اس کی جو اولاد والا ہے اور قسم ہے اس کی جو بے اولاد ہے یعنی عیالدار اور بانجھ' اور ما کو موصولہ مانا جائے تو معنی یہ ہوئے کہ باپ کی اور اولاد کی قسم' باپ سے مراد حضرت آدمؑ اور اولاد سے مراد کل انسان' زیادہ قوی اور بہتر بات یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے قسم ہے مکہ کی جو تمام زمین اور کل بستیوں کی ماں ہے تو اس کے بعد اس کے رہنے والوں کی قسم کھائی اور رہنے والوں یعنی انسان کے اصل اور اس کی جڑ یعنی حضرت آدم کی پھر ان کی اولاد کی قسم کھائی ابو عمرانؒ فرماتے ہیں مراد حضرت ابراہیم اور آپ کی اولاد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں عام ہے یعنی ہر باپ اور ہر اولاد۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو بالکل درست قامت جچے تلے اعضاء والا ٹھیک ٹھاک پیدا کیا ہے' اس کی ماں کے پیٹ میں ہی اسے یہ پاکیزہ ترتیب اور عمدہ ترکیب دے دی جاتی ہے' جیسے فرمایا الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ یعنی اس خدا نے تجھے پیدا کیا درست کیا ٹھیک ٹھاک بنایا اور پھر جس صورت میں چاہا ترکیب دی' اور جگہ ہے لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ہم نے انسان کو بہترین صورت پر بنایا ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ قوت طاقت والا پیدا کیا ہے' خود اسے دیکھو

اس کی پیدائش کی طرف غور کرو اس کے دانتوں کا نکلنا دیکھو وغیرہ۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں پہلے نطفہ پھر خون بستہ پھر لوتھڑا گوشت کا' غرض اپنی پیدائش میں خوب مشقتیں اٹھاتا ہے' جیسے اور جگہ ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا یعنی اس کی ماں نے حمل میں تکلیف اٹھائی پھر وضع حمل میں مشقت برداشت کی بلکہ دودھ پلانے میں بھی مشقت اور معیشت میں بھی تکلیف۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سختی اور طلب کسب میں پیدا کیا گیا ہے' عکرمہؒ فرماتے ہیں شدت اور طول میں پیدا ہوا ہے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں مشقت میں یہ بھی مروی ہے اعتدال اور قیام میں دنیا اور آخرت میں سختیاں سہنی پڑتی ہیں' حضرت آدم چونکہ آسمان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے یہ کہا گیا کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال کے لئے لینے پر کوئی قادر نہیں اس پر کسی کا بس نہیں' کیا وہ نہ پوچھا جائے گا کہ کہاں سے مال لایا اور کہاں خرچ کیا؟ یقیناً اس پر خدا کا بس ہے اور وہ پوری طرح اس پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ میں نے بڑے وارے نیارے کئے' ہزاروں لاکھوں خرچ کر ڈالے' کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا؟ یعنی خدا کی نظروں سے کیا وہ اپنے تئیں غائب سمجھتا ہے؟ کیا ہم نے اس انسان کو دیکھنے والی وہ آنکھیں نہیں دیں؟ اور دل کی باتوں کے اظہار کے لئے زبان عطا نہیں فرمائی؟ اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ جن سے کلام کرنے میں مدد ملے' کھانا کھانے میں مدد ملے اور چہرے کی خوبصورتی بھی ہو اور منہ کی بھی۔

ابن عساکر میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم میں نے بڑی بڑی بے حد نعمتیں تجھ پر انعام کیں جنہیں تو گن بھی نہیں سکتا نہ اس کے شکر کی تجھ میں طاقت ہے' میری ہی یہ نعمت بھی ہے کہ میں نے تجھے دیکھنے کو دو آنکھیں دیں' پھر میں نے ان پر پلکوں کا غلاف بنا دیا ہے پس ان آنکھوں سے میری حلال کردہ چیزیں دیکھ اگر حرام چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان دونوں کو بند کر لے میں نے تجھے زبان دی ہے اور اس کا غلاف بھی عنایت فرمایا ہے' میری مرضی کی باتیں زبان سے نکال اور میری منع کی ہوئی باتوں سے زبان بند کر لے میں' نے تجھے شرمگاہ دی ہے اور اس کا پردہ بھی عطا فرمایا ہے' حلال جگہ تو بیشک استعمال کر لیکن حرام جگہ پردہ ڈال لے' اے ابن آدم تو میری ناراضگی نہیں اٹھا سکتا اور میرے عذابوں کے سہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے بھلائی کا اور برائی کا' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو راستے ہیں پھر تمہیں برائی کا راستہ بھلائی کے راستے سے زیادہ اچھا کیوں لگتا ہے؟ یہ حدیث بہت ضعیف ہے' یہ حدیث مرسل طریقے سے بھی مروی ہے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے دونوں دودھ ہیں اور مفسرین نے بھی یہی کہا ہے' امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ٹھیک قول پہلا ہی ہے جیسے اور جگہ ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ یعنی ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا' پھر ہم نے اسے سنتا دیکھتا کیا ہم نے اس کی رہبری کی اور راستہ دکھا دیا پس یا تو شکر گذار ہے یا ناشکرا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

ع ۱۵

سواس سے نہ ہوسکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا○ اور تو کیا سمجھا کہ گھاٹی ہے کیا؟○ کسی گردن کو آزاد کرنا○ یا بھوک والے دن کھانا کھلانا○ کسی رشتہ داریتیم کو○ یا خاکسار مسکین کو○ پھران لوگوں میں سے ہوجاتا جوایمان لاکے اور ایک دوسرے کوصبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں○ یہی لوگ ہیں جودائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جاتے ہیں○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا یہ بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے ہیں○ انہی پر آگ ہے چاروں طرف سے گھیری ہوئی○

صدقات اوراعمال صالحہ جہنم سے نجات کے ضامن ہیں: ☆☆ (آیت:۱۱-۲۰) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں عقبہ جہنم کے ایک پھسلنے پہاڑ کا نام ہے' حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں اس کے ستر درجے ہیں جہنم میں' قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ سخت گھاٹی داخلے کی ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے داخل ہوجاؤ پھراس کا داخلہ بتلایا یہ کہہ کرکہ تمہیں کس نے بتلایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ تو فرمایا غلام آزاد کرنا اور اللہ کے نام کھانا دینا- ابن زیدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نجات اور خیر کی راہوں میں کیوں نہ چلا؟ پھر ہمیں تنبیہ کی اور فرمایا تم کیا جانو عقبہ کیا ہے؟ آزادگی گردن یا صدقہ' طعام فكُّ رَقَبَةٍ جواضافت کے ساتھ ہے اسے فَكَّ رَقَبَةً بھی پڑھا گیا ہے یعنی فعل فاعل دونوں قراتوں کا مطلب قریباً ایک ہی ہے- مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جوکسی مسلمان کی گردن چھڑوائے اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہرعضو کے بدلے جہنم سے آزاد کردیتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ' حضرت علی بن حسین یعنی امام زیدالعابدین نے جب یہ حدیث سنی تو سعید بن مرجانہ راوی حدیث سے پوچھا کہ کیاتم نے خود حضرت ابو ہریرہؓ کی زبانی یہ حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں' تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ مطرف کو بلالو جب وہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ تم خدا کے نام پر آزاد ہو-

بخاری مسلم ترمذی اورنسائی میں بھی یہ حدیث ہے' صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ یہ غلام دس ہزار درہم کا خریدا ہوا تھا- اور حدیث میں ہے کہ جومسلمان کسی مسلمان غلام کوآزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد کرتا ہے اور جومسلمان عورت کسی مسلمان لونڈی کوآزاد کرے اس کی بھی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد ہوجاتی ہے-(ابن جریر)

مسند میں ہے جوشخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے اور جومسلمان غلام کوآزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنادیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کردیتا ہے' جوشخص اسلام میں بوڑھا ہو اسے قیامت کے دن نور ملے گا' اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جوشخص خدا کی راہ میں تیر چلائے خواہ وہ لگے یا نہ لگے اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا' اور حدیث میں ہے جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے پہلے مرجائیں اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل کرے گا اور جوشخص راہ خدا میں جوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا جس سے چاہے چلا جائے' ان تمام حدیثوں کی سندیں نہایت عمدہ ہیں- ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت واثلہ بن اسقع سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنایئے جس میں کوئی کمی زیادتی نہ ہوتو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے تم میں سے کوئی پڑھے اور اس کا قرآن شریف اس کے گھر میں ہوتو کیا وہ کمی زیادتی کرتا ہے؟ ہم نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی حدیث ہمیں سناؤ' آپ نے فرمایا ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کرلی تھی تو آپ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کردے

گا' یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے' اور حدیث میں ہے جو شخص کسی کی گردن آزاد کرائے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے' ایسی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جاسکوں آپ نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھا' نسمہ آزاد کر رقبہ چھڑا' اس نے کہا حضرت کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادگی کے معنی تو ہیں اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فَكُّ رَقَبَةٍ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے' دودھ والا جانور دودھ پینے کے لئے کسی مسکین کو دینا' ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا' یہ ہیں جنت کے کام اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا' پیاسے کو پلا' نیکیوں کو حکم کر' برائیوں سے روک' اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی کے اور نیک بات کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال۔ ذِىْ مَسْغَبَةٍ کے معنی ہیں بھوک والا جبکہ کھانے کی اشتہا ہو غرض بھوک کے وقت کا کھلانا اور وہ بھی اسے جو نادان بچہ ہے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے اور ہے بھی اس کا رشتہ دار۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین کو صدقہ دینا اکہرا ثواب رکھتا ہے اور رشتے دار کو دینا دوہرا اجر دلواتا ہے (مسند احمد) یا ایسے مسکین کو دینا جو خاک آلود ہو راستے میں پڑا ہوا ہو گھر ور نہ ہو بربستر نہ ہو بھوک کی وجہ سے پیٹ زمین دوز ہو رہی ہو' اپنے گھر سے دور ہو' مسافرت میں ہو' فقیر مسکین محتاج مقروض مفلس ہو' کوئی پرسان حال بھی نہ ہو اہل وعیال والا ہو' یہ سب معنی قریب قریب ایک ہی ہیں' پھر یہ شخص باوجود ان نیک کاموں کے دل میں ایمان رکھتا ہو ان نیکیوں پر اللہ سے اجر کا طالب ہو' جیسے اور جگہ ہے مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ جو شخص آخرت کا ارادہ رکھے اور اسی کے لئے کوشش کرے اور ہو بھی وہ باایمان تو ان کی کوشش خدا کے ہاں مشکور ہے' اور جگہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى الخ' ایمان والوں میں سے جو مرد وعورت مطابق سنت عمل کرے یہ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے حساب روزیاں پائیں گے' پھر ان کا اور وصف بیان ہو رہا ہے کہ لوگوں کے صدمات سہنے اور ان پر رحم وکرم کرنے کی یہ آپس میں ایک دوسروں کو وصیت کرتے ہیں' جیسے کہ حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے' تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا۔ اور حدیث میں ہے جو رحم نہ کرے اس پر رحم نہیں کیا جاتا' ابوداؤد میں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں عمل نامہ ملے گا اور سرین تہ بہ تہہ آگ میں ہو جائیں گے جس سے نہ کبھی چھٹکارا ملے گا نہ نجات نہ راحت نہ آرام' اس آگ کے دروازے ان پر بند رہیں گے۔

مزید بیان اس کا سورۂ وَيْلٌ لِّكُلِّ الخ' میں آئے گا' انشاء اللہ۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں روشنی ہوگی نہ سوراخ ہوگا نہ کبھی وہاں سے نکلنا ملے گا۔ حضرت ابو عمران جونیؒ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اللہ حکم دے گا اور ہر سرکش کو ہر ایک شیطان کو اور ہر اس شخص کو جس کی شرارت سے لوگ دنیا میں ڈرتے رہتے تھے لوہے کی زنجیروں سے مضبوط باندھ دیا جائے گا' پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا' پھر جہنم بند کر دی جائے گی' اللہ کی قسم کبھی ان کے قدم ٹکیں گے ہی نہیں' اللہ کی قسم انہیں کبھی آسمان کی صورت ہی دکھائی نہ دے گی' اللہ کی قسم کبھی آرام سے ان کی آنکھ لگے گی ہی نہیں' اللہ کی قسم انہیں کبھی کوئی مزے کی چیز کھانے پینے کو ملے گی ہی نہیں (ابن ابی حاتم)

سورۂ بلد کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمدللہ والمنہ۔

تفسیر سورة الشمس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰهَا ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾ وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا ﴿۸﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا ﴿۹﴾ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا ﴿۱۰﴾

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان بڑا رحیم ہے

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی O قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچھے آئے O قسم ہے دن کی جب سورج کو نمایاں کرے O قسم ہے رات کی جب اسے ڈھانپ لے قسم ہے O آسمان کی اور اس کے بنانے کی O قسم ہے زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی O قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی O پھر قسم ہے اس کے دل میں بدی اور نیکی ڈالنے کی O جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہو O اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا O

کامیابی کے لیے ضروری ہے؟: ☆☆ (آیت:۱-۱۰) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ضحا سے مراد روشنی ہے' قتادہؒ فرماتے ہیں پورا دن مراد ہے- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ٹھیک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کی اور دن کی قسم کھائی ہے اور چاند جبکہ اس کے پیچھے آئے یعنی سورج چھپ جائے اور چاند چمکنے لگے- ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ مہینہ کے پہلے پندرہ دن میں تو چاند سورج کے پیچھے رہتا ہے اور پچھلے پندرہ دنوں میں یہ آگے ہوتا ہے- زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں مراد اس سے لیلۃ القدر ہے' پھر دن کی قسم کھائی جبکہ وہ منور ہو جائے یعنی سورج دن کو گھیر لے' بعض عربی دانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دن جبکہ اندھیرے کو روشن کر دے لیکن اگر یوں کہا جاتا کہ پھیلاوٹ کو وہ جب چمکا دے تو اور اچھا ہوتا ہے تاکہ یَغۡشٰهَا میں بھی یہ معنی ٹھیک بیٹھتے' اسی لئے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں دن کی قسم جبکہ وہ اسے روشن کر دے' امام ابن جریرؒ اس قول کو پسند فرماتے ہیں کہ ان سب میں ضمیر ھا کا مرجع شمس ہے کیونکہ اسی کا ذکر چل رہا ہے' رات جبکہ اسے ڈھانپ لے یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور چوطرف اندھیرا پھیل جائے' یزید بن ذی حمایہ کہتے ہیں کہ جب رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے میرے بندوں کو میری ایک بہت بڑی خلق نے چھپالیا پس مخلوق رات سے ہیبت کرتی ہے' اس کے پیدا کرنے والی سے زیادہ ہیبت کرنی چاہئے (ابن ابی حاتم)

پھر آسمان کی قسم کھاتا ہے' یہاں جو ما ہے یہ مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے یعنی آسمان اور اس کی بناوٹ کی قسم' حضرت قتادہؒ کا قول یہی ہے اور یہ ما معنی میں من کے بھی ہو سکتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کی قسم اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی خود اللہ کی' مجاہدؒ یہی فرماتے ہیں' یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں- بنا کے معنی بلندی کے ہیں' جیسے اور جگہ ہے وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰهَا بِاَیۡدٍ یعنی آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا اور ہم کشادگی والے ہیں' ہم نے زمین کو بچھایا اور کیا ہی اچھا ہم بچھانے والے ہیں؟ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ زمین کی اور اس کی ہمواری کی' اسے بچھانے' اسے پھیلانے کی' اس کی تقسیم کی' اس کی مخلوق کی قسم' زیادہ مشہور قول اس کی تفسیر میں پھیلانے کا ہے- اہل لغت کے نزدیک بھی یہی معروف ہے' جوہری فرماتے ہیں طَحَوۡتُهٗ مثل دَحَوۡتُهٗ کے ہے اور اس کے معنی پھیلانے کے ہیں' اکثر مفسرین کا یہی قول ہے- پھر فرمایا نفس کی اور اسے ٹھیک ٹھاک بنانے کی قسم یعنی اسے پیدا کیا اور درآنحالیکہ یہ ٹھیک ٹھاک اور فطرت پر قائم تھا' جیسے اور

جگہ ہے فَاَقِمْ وَجْھَکَ الخ ' اپنے چہرے کو قائم رکھ دین حنیف کے لئے فطرت ہے اللہ کی جس پر لوگوں کو بنایا اللہ کی خلق کی تبدیل نہیں۔ حدیث میں ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں جیسے چوپائے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کوئی ان میں تم کن کٹا نہ پاؤ گے (بخاری مسلم)

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے پیدا کئے' ان کے پاس شیطان پہنچا اور دین سے ورغلالیا۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا نے اسے بدکاری و پرہیز گاری کو بیان کر دیا اور جو چیز اس کی قسمت میں تھی اس کی طرف اس کی رہبری ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی خیر و غیرہ ظاہر کر دیا۔ ابن جریرؒ میں ہے حضرت ابوالاسودؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا ذرا بتلاؤ تو لوگ جو کچھ اعمال کرتے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں یہ کیا ان کے لئے خدا کی جانب سے مقرر ہو چکی ہے اور ان کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے یا یہ خود آئندہ کے لئے اپنے طور پر کر رہے ہیں اس بنا پر کہ انبیاء ان کے پاس آ چکے اور خدا کی حجت ان پر پوری ہوئی' میں نے جواب میں کہا نہیں نہیں بلکہ یہ چیز پہلے سے فیصل شدہ ہے اور مقدر ہو چکی ہے۔ حضرت عمران نے کہا پھر یہ ظلم تو نہ ہوگا' میں تو اسے سن کر کانپ اٹھا اور گھبرا کر کہا کہ ہر چیز کا خالق مالک وہی خدا ہے' تمام ملک اسی کے ہاتھ میں ہے' اس کے افعال کی باز پرس کوئی نہیں کر سکتا' وہ سب سے سوال کر سکتا ہے' میرا یہ جواب سن کر حضرت عمران بہت خوش ہوئے اور کہا خدا تجھے درستگی عنایت فرمائے میں نے تو یہ سوالات اسی لئے کئے تھے کہ امتحان ہو جائے' سنو ایک شخص مزینہ یا جھینہ قبیلے کا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی سوال کیا جو میں نے پہلے تم سے کیا اور حضورؐ نے بھی وہی جواب دیا جو تم نے دیا تو اس نے کہا پھر ہمارے اعمال سے کیا؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس منزل کے لئے پیدا کیا ہے اس سے ویسے ہی کام ہو کر رہیں گے' اگر جنتی ہے تو اعمال جنت اور دوزخی لکھا گیا ہے تو ویسے ہی اعمال اس پر آسان ہوں گے' سنو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے۔

مسند احمد میں بھی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بامراد ہوا یعنی اطاعت رب میں لگا رہا' نکمے اعمال رذیل اخلاق چھوڑ دیئے' جیسے اور جگہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی جس نے پاکیزگی کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی اس نے کامیابی پالی' اور جس نے اپنے ضمیر کا ستیاناس کیا اور ہدایت سے ہٹا کر اسے برباد کیا' نافرمانیوں میں پڑ گیا' اطاعت خدا کو چھوڑ بیٹھا یہ ناکام اور نامراد ہوا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا وہ بامراد ہوا اور جس کے نفس کو خدا نے نیچے گرا دیا وہ برباد اور خائب اور خاسر رہا' عوفی اور علی بن ابوطلحہ حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور نے آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا پڑھ کر فرمایا کہ جس نفس کو خدا نے پاک کیا اس نے چھٹکارا پالیا' لیکن اس حدیث میں ایک علت تو یہ ہے کہ جویبر بن سعید متروک الحدیث ہے' دوسری علت یہ ہے کہ ضحاک جو حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا پڑھ کر آپ نے یہ دعا پڑھی اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا وَخَیْرُ مَنْ زَکّٰاھَا' ابن ابی حاتم کی حدیث میں یہ دعا یوں وارد ہوئی ہے اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰاھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا' مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رات کو ایک مرتبہ میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے بستر پر نہیں' اندھیرے کی وجہ سے میں گھر میں اپنے ہاتھوں سے ٹٹولنے لگی تو

میرے ہاتھ آپ پر پڑے، آپ اس وقت سجدے میں تھے اور یہ دعا پڑھ رہے تھے رَبِّ اَعْطِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَآ اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰاھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا، یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہی ہے۔

مسلم شریف اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰاھَآ اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَةٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَھَا یا اللہ میں عاجز اور بے چارہ ہو جانے سے سستی سے اور ہار جانے سے بڑھاپے سے اور نامردی سے اور بخیلی سے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اے اللہ میرے دل کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اسے پاک کر دے تو ہی اسے بہتر پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا والی اور مولیٰ ہے اے اللہ مجھے ایسے دل سے بچا جس میں تیرا ڈر نہ ہو اور ایسے نفس سے بچا جو آسودہ نہ ہو اور ایسے علم سے بچا جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے بچا جو قبول نہ کی جائے، راوی حدیث حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھائی اور ہم تمہیں سکھاتے ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾

ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا ○ جب ان میں کا بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا ○ انہیں اللہ کے رسول نے فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری کی حفاظت کرو ○

آل ثمود کی تباہی کے اسباب: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۳) اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ ثمودیوں نے اپنی سرکشی اور تکبر و تجبر کی بنا پر اپنے رسولوں کی تصدیق نہ کی۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں بِطَغْوٰھَا کا مطلب یہ ہے کہ ان سب نے تکذیب کی لیکن پہلی بات ہی زیادہ اولیٰ ہے۔ حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۠ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

ع ۵ / ۱۶

ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں پس ہلاکت ڈالی ان پر ان کے رب نے ان کے گناہوں کے باعث پھر عام کر دیا ہلاکت کو ○ وہ اس سزا کے انجام سے بے خوف ہے ○

(آیت: ۱۴-۱۵) اس سرکشی کی وجہ سے اور اس تکذیب کی شامت سے یہ اس قدر بدبخت ہو گئے کہ ان میں سے جو زیادہ بدشخص تھا وہ تیار ہو گیا، اس کا نام قدار بن سالف تھا، اسی نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں، اسی کے بارے میں فرمان ہے فَنَادَوْا صَاحِبَھُمْ فَتَعَاطٰی فَعَقَرَ ثمودیوں کی آواز پر یہ آ گیا اور اس نے اونٹنی کو مار ڈالا، یہ شخص اس قوم میں ذی عزت تھا، شریف تھا، ذی نسب تھا، قوم کا رئیس اور سردار تھا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں اس اونٹنی کا اور اس کے مارنے والے کا ذکر کیا اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جیسے ابو زمعہ اسی جیسا یہ شخص بھی اپنی قوم میں شریف عزیز اور بڑا آدمی تھا، امام بخاری بھی اسے تفسیر میں اور امام مسلم جہنم کی صفت میں لائے ہیں اور سنن ترمذی سنن نسائی میں بھی یہ روایت تفسیر میں ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تجھے دنیا بھر کے بد بخت ترین دو شخص بتلاتا ہوں ایک تو احمیر ثمود جس نے اونٹنی کو مار ڈالا دوسرا وہ شخص جو تیری پیشانی پر زخم لگائے گا یہاں تک کہ داڑھی خون سے تر بتر ہو جائے گی۔ اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرما دیا تھا کہ اے قوم خدا کی اونٹنی کو برائی پہنچانے سے ڈرو' اس کے پانی پینے کے مقرر دن میں ظلم کر کے اسے پانی سے نہ روکو' تمہاری اور اس کی باریاں بندھی ہوئی ہیں لیکن ان بدبختوں نے پیغمبر کی نہ مانی' جس گناہ کے باعث ان کے دل سخت ہو گئے اور پھر یہ صاف طور پر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں' جسے خدائے تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پتھر کی ایک چٹان سے پیدا کیا تھا جو حضرت صالح کا معجزہ اور اللہ کی قدرت کی کامل نشانی تھی۔ اللہ بھی ان پر غضبناک ہو گیا اور ہلاکت ڈال دی اور سب پر برابر سے عذاب اترا' یہ اس لئے کہ احمیر ثمود کے ہاتھ پر اس کی قوم کے چھوٹے بڑوں نے مرد عورت نے بیعت کر لی تھی اور سب کے مشورے سے اس نے اس اونٹنی کو کاٹا تھا' اس لئے عذاب میں بھی سب پکڑے گئے وَلَا یَخَافُ کو فَلَایَخَافُ بھی پڑھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کسی کو سزا کرے تو اسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟ کہیں یہ بگڑ نہ بیٹھیں' یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس بدکار احیمر نے اونٹنی کو مار تو ڈالا لیکن انجام سے نہ ڈرا مگر پہلا قول ہی اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

سورۂ والشمس وضحاھا کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورۃ اللیل

آنحضرت ﷺ کا حضرت معاذؓ سے یہ فرمانا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تو نے سبح اسم اور والشمس اور واللیل سے امامت کیوں نہ کرائی؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۝۱ وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ۝۳ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ۝۴ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۝۵ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۝۶ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ۝۷ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ۝۸ وَکَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۝۹ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ۝۱۰ وَمَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ۝۱۱

اللہ تعالیٰ رحمان ورحیم کے نام سے شروع

قسم ہے رات کی جب چھا جائے ۝ اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو ۝ اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر مادہ کو پیدا کیا ۝ یقیناً تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے ۝ ہاں جو شخص دیتا رہا ہے اور ڈرتا رہا ہے ۝ اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہا ہے ۝ تو ہم بھی سہج سہج اسے آسانی میں پہنچا دیں گے ۝ لیکن جو بخیلی کرے اور بے پرواہی برتے ۝ اور نیک بات کی تکذیب کرے ۝ تو ہم بھی اسے سہج سہج سختی میں پہنچا دیں گے ۝ اس کا مال اسے اوندھا گرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا ۝

نیکی کے لیے قصد ضروری ہے: ☆☆ (آیت: ۱-۱۱) مسند احمد میں ہے حضرت علقمہ شام میں آئے اور دمشق کی مسجد میں جا کر دو

رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا مجھے نیک ساتھی عطا فرما' پھر چلے تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ تو حضرت عقلمہ نے کہا میں کوفے والا ہوں' پوچھا ام عبد اس سورت کو کس طرح پڑھتے تھے؟ میں نے کہا وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى پڑھتے تھے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمانے لگے میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یونہی سنا ہے اور یہ لوگ مجھے شک وشبہ میں ڈال رہے ہیں پھر فرمایا کیا تم میں تکئے والے یعنی جن کے پاس سفر میں حضور ﷺ کا بستر ہ رہتا تھا اور راز دان ایسے بھیدوں سے واقف جن کا علم اور کسی کو نہیں وہ جو شیطان سے بہ زبان رسول ﷺ بچالئے گئے تھے وہ نہیں؟ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ حدیث بخاری میں بھی ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور ساتھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' آپ بھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے پہنچے پھر پوچھا کہ تم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرات پر قرآن پڑھنے والا کون ہے؟ تو کہا کہ ہم سب ہیں' پھر پوچھا کہ تم سب میں حضرت عبداللہ کی قرات کو زیادہ یاد رکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے حضرت عقلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا تو ان سے سوال کیا کہ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے تم نے کس طرح سنا؟ تو کہا وہ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى پڑھتے تھے' کہا میں نے بھی حضور علیہ السلام سے اسی طرح سنا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى پڑھوں' اللہ کی قسم میں تو ان کی مانوں گا نہیں الغرض حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرات یہی ہے اور حضرت ابوالدرداءؓ نے تو اسے مرفوع بھی کہا ہے' باقی جمہور کی قرات وہی ہے جو موجودہ قرآنوں میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ رات کی قسم کھاتا ہے جبکہ اس کا اندھیرا تمام مخلوق پر چھا جائے اور دن کی قسم کھاتا ہے جبکہ وہ تمام چیزوں کو اپنی روشنی سے منور کر دے اور اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے جو نر و مادہ کا پیدا کرنے والا ہے' جیسے فرمایا وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ہم نے تمہیں جوڑ جوڑ پیدا کیا ہے' اور فرمایا وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ہر چیز کے جوڑے ہم نے پیدا کئے ہیں' ان متضاد اور ایک دوسری کے خلاف قسمیں کھا کر اب فرماتا ہے کہ تمہاری کوششیں اور تمہارے اعمال بھی متضاد اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں' بھلائی کرنے والی بھی ہیں اور برائیوں میں مبتلا رہنے والے بھی ہیں' پھر فرماتا ہے کہ جس نے دیا یعنی اپنے مال کو خدا کے حکم کے ماتحت خرچ کیا اور پھونک پھونک قدم رکھا' ہر ہر امر میں خوف خدا کرتا رہا اور اس کے بدلے کو سچا جانتا رہا' اس کے ثواب پر یقین رکھا' حسنی کے معنی لا الہ الا اللہ کے بھی کئے گئے ہیں' اللہ کی نعمتوں کے بھی کئے گئے ہیں' نماز روزہ زکوۃ صدقہ فطر جنت کے بھی مروی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم اسے آسانی کی راہ آسان کر دیں گے یعنی بھلائی کی اور جنت کی اور نیک بدلے کی' اور جس نے اپنے مال کو راہ خدا میں نہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے بے نیازی برتی اور حسنی کی یعنی قیامت کے بدلے کی تکذیب کی تو اس پر ہم برائی کا راستہ آسان کر دیں گے' جیسے فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ یعنی ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح وہ پہلی بار قرآن پر ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتے رہیں گے۔ اس مطلب کی آیتیں قرآن کریم میں جا بجا موجود ہیں کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے' خیر کا قصد کرنے والے کو توفیق خیر ملتی ہے اور شر کا قصد رکھنے والوں کو اسی کی توفیق ہوتی ہے' اس معنی کی تائید میں یہ حدیثیں بھی ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارے اعمال فارغ شدہ تقدیر کے ماتحت ہیں یا نو پید ہماری طرف سے ہیں؟ آپ نے فرمایا بلکہ تقدیر کے لکھے ہوئے کے مطابق' کہنے لگے پھر عمل کی کیا ضرورت' فرمایا ہر شخص پر وہ عمل آسان ہوں گے جس چیز کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے (مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے تو آپ نے فرمایا

سنو تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت دوزخ میں مقرر کردہ ہے اور لکھی ہوئی ہے' لوگوں نے کہا پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ کیوں نہ رہیں؟ تو آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو' ہر شخص کو وہی اعمال آئیں گے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے' پھر آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں (صحیح بخاری شریف)

اسی روایت کے اور طریق میں ہے کہ اس بیان کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا اور سر نیچا کئے ہوئے زمین پر اسے پھیر رہے تھے الفاظ میں کچھ کمی بیشی بھی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی ایک ایسا ہی سوال جیسا اوپر کی حدیث میں حضرت صدیق کا گذرا مروی ہے اور آپ کا جواب بھی انہیں تقریباً ایسا ہی مروی ہے۔ ابن جریر میں حضرت جابرؓ سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں دونو جوانوں کا ایسا ہی سوال اور حضورؐ کا ایسا ہی جواب مروی ہے اور پھر ان دونوں حضرات کا یہ قول بھی ہے کہ یا رسول اللہ ہم بہ کوشش نیک اعمال کرتے رہیں گے۔ حضرت ابوالدرداء سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر دن غروب کے وقت سورج کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں اور وہ با آواز بلند دعا کرتے ہیں جسے تمام چیزیں سنتی ہیں سوائے جنات اور انسان کے کہ اے اللہ سخی کو نیک بدلہ دے اور بخیل کا مال تلف کر' یہی معنی ہیں قرآن کی ان چاروں آیتوں کے ابن ابی حاتم کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا' ان میں سے ایک درخت کی شاخیں ایک مسکین شخص کے گھر میں پڑتی تھیں وہ بیچارہ غریب نیک بخت اور بال بچوں دار تھا' باغ والا جب اس درخت کی کھجوریں اتارنے آتا تو اس مسکین کے گھر میں جا کر وہاں کی کھجوریں اتارتا' اس میں جو کھجوریں نیچے گرتیں انہیں اس غریب شخص کے بچے چن لیتے تو یہ آ کر ان سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال لی ہے تو انگلی ڈال کر اس کے منہ سے نکلوا لیتا' اس مسکین نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی' آپ نے اس سے فرما دیا کہ اچھا تم جاؤ اور آپ اس باغ والے سے ملے اور فرمایا کہ تو اپنا وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں مجھے دے دے' اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تجھے جنت کا ایک درخت دے گا وہ کہنے لگا اچھا حضرت میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں' میرے تمام باغ میں ایسی کھجوریں کسی اور درخت کی نہیں آنحضرت ﷺ یہ سن کر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے چلے ایک شخص جو یہ بات چیت سن رہا تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپ کا کر دوں تو کیا مجھے اس کے بدلے جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے' ان کا بھی ایک باغ کھجوروں کا تھا یہ پہلا شخص ان سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضرت مجھے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت دینے کو کہہ رہے تھے میں نے یہ جواب دیا یہ سن کر خاموش ہو رہے پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی مانگوں وہ کوئی مجھے دے دے لیکن کون دے سکتا ہے؟ پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟ کیا چالیس درخت خرما کے' اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو' ایک کے چالیس؟ پھر اور باتوں میں لگ گئے پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے ہی میں خریدتا ہوں اس نے کہا اچھا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کر لو۔ اس نے چند لوگوں کو بلا لیا اور معاملہ طے ہو گیا' گواہ مقرر ہو گئے' پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگا کہ دیکھئے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے' یہ معاملہ طے نہیں ہوا اس نے بھی کہا بہت اچھا میں بھی ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے ایک درخت کے بدلے جو خم کھایا ہوا ہے اپنے چالیس درخت دے دوں تو یہ کہنے لگا کہ اچھا اچھا مجھے منظور ہے لیکن درخت جو میں لوں گا وہ تنے والے بہت عمدہ لوں گا اس نے کہا اچھا منظور' چنانچہ گواہوں کے روبرو یہ سودا فیصل ہوا اور مجلس برخاست ہوئی۔ یہ شخص خوشی خوشی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ اب وہ درخت میرا ہو گیا اور میں نے اسے آپ کو دے دیا' رسول اللہ ﷺ اس مسکین کے پاس گئے اور فرمانے لگے یہ درخت تمہارا ہے اور تمہارے بال بچوں کا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں مروی ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں آپ مکہ شریف میں ابتداء اسلام کے زمانے میں بڑھیا عورتوں کا اور ضعیف لوگوں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے آزاد کر دیا کرتے تھے' اس پر ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت ابوقحافہ نے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہا کہ بیٹا تم جوان کمزور ہستیوں کو آزاد کرتے پھرتے ہو' اس سے تو یہ اچھا ہو کہ نوجوان طاقت والوں کو آزاد کراؤ تاکہ وقت پر وہ تمہیں کام آئیں' تمہاری مدد کریں اور دشمنوں سے لڑیں تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ابا جی میرا ارادہ دنیوی فائدے کا نہیں' میں تو صرف رضائے رب مرضی مولا چاہتا ہوں' اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ تردی کے معنی مرنے کے بھی مروی ہیں اور آگ میں گرنے کے بھی۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿۱۲﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿۱۳﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿۱۸﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿۱۹﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿۲۱﴾

راہ دکھا دینا ہمارا ذمہ ہے ○ اور ہمارے ہی ہاتھ ہے آخرت اور دنیا ○ میں نے تو تمہیں شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ○ جس میں صرف وہ بدبخت تر لوگ داخل ہوں گے ○ جنہوں نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ○ اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو پرہیزگار ہو ○ جو پاکی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال دیتا ہے ○ کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جاتا ہو ○ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کا دیدار مطلوب ہے ○ یقیناً وہ بھی عنقریب رضامند ہو جائے گا ○

مومن کی منزل اللہ تعالیٰ کی رضا: ☆☆ (آیت: ۱۲-۲۱) یعنی حلال و حرام کا ظاہر کر دینا ہمارے ذمے ہے' یہ بھی معنی ہیں کہ جو ہدایت پر چلا وہ یقیناً ہم تک پہنچ جائے گا' جیسے فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ آخرت اور دنیا کی ملکیت ہماری ہی ہے' میں نے بھڑکتی ہوئی آگ سے تمہیں ہوشیار کر دیا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے خطبہ کی حالت میں سنا ہے آپ بہت بلند آواز سے فرما رہے تھے یہاں تک کہ میری اس جگہ سے بازار تک آواز پہنچے اور بار بار فرماتے جاتے تھے لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا چکا' لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا رہا ہوں' بار بار یہ فرما رہے تھے یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پیروں میں گر پڑی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی قیامت کے دن وہ ہو گا جس کے دونوں قدموں تلے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے جس سے اس کا دماغ ابل رہا ہو گا۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے ہلکے عذاب والا وہ جہنمی ہو گا جس کی دونوں جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح ابل رہا ہو گا جس طرح ہنڈیا جوش کھا رہی ہو' باوجودیکہ سب سے ہلکے عذاب والا یہی ہے لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا اور کوئی نہ ہو گا' اس جہنم میں صرف وہی لوگ گھیر گھار کر بدترین عذاب کئے جائیں گے جو بدبخت تر ہوں' جن کے دل میں

تکذیب ہو اور اسلام پر عمل نہ ہو۔ مسند احمد کی حدیث میں بھی ہے کہ جہنم میں صرف شقی لوگ جائیں گے لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا جو اطاعت گذار نہ ہو اور نہ خدا کے خوف سے کوئی بدی چھوڑتا ہو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو انکار کریں' لوگوں نے پوچھا انکاری کون ہے؟ فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا' اور فرمایا جہنم سے دوری اسے ہوگی جو تقویٰ شعار' پرہیز گار' اللہ کے ڈر والا ہو' جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں دے تا کہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنی چیزوں کو بھی پاک کرے اور دین و دنیا میں پاکیزگی حاصل کرلے' یہ اس لئے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا کہ اس کا بھی کوئی احسان اس پر ہے بلکہ اس لئے کہ آخرت میں جنت ملے اور وہاں اللہ کا دیدار نصیب ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ بہت جلد بالیقین ایسی پاک صفتوں والا شخص راضی ہو جائے گا۔

اکثر مفسرین کہتے ہیں یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہیں یہاں تک کہ بعض مفسرین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے بیشک صدیق اکبرؓ اس میں داخل ہیں اور اس کی عمومیت میں ساری امت سے پہلے ہیں' گو الفاظ آیت کے عام ہیں لیکن آپ سب سے اول اس کے مصداق ہیں ان تمام اوصاف میں اور کل کی کل نیکیوں میں سب سے پہلے اور سب سے آگے اور سب سے بڑھے چڑھے آپ ہی تھے' آپ صدیق تھے پرہیز گار تھے' بزرگ تھے' سخی تھے' آپ اپنے مالوں کو اپنے مولا کی اطاعت میں اور رسول اللہ ﷺ کی امداد میں دل کھول کر خرچ کرتے رہتے تھے' ہر ایک کے ساتھ احسان و سلوک کرتے اور کسی دنیوی فائدے کی چاہت پر نہیں' کسی کے احسان کے بدلے نہیں بلکہ صرف اللہ کی مرضی کے لئے' رسول کی فرمانبرداری کے لئے' جتنے لوگ تھے خواہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے سب کے سب پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات کے بار تھے یہاں تک کہ عروہ بن مسعود جو قبیلہ ثقیف کا سردار تھا صلح حدیبیہ کے والے موقعہ پر جبکہ حضرت صدیقؓ نے اسے ڈانٹا ڈپٹا اور دو باتیں سنائیں تو اس نے کہا کہ اگر آپ کے احسان مجھ پر نہ ہوتے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا تو میں آپ کو ضرور جواب دیتا پس جبکہ عرب کے سرداروں اور قبائل عرب کے بادشاہ کے اوپر آپ کے اس قدر احسان تھے کہ وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا تو بھلا اور تو کہاں؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ کسی کے احسان کا بدلہ انہیں دینا نہیں بلکہ صرف دیدار اللہ کی خواہش ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے جو شخص جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے داروغے پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے ادھر سے آ یہ سب سے اچھا ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کو کوئی ضرورت تو ایسی نہیں لیکن فرمایئے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۔

الحمد للہ سورۃ اللیل کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کا احسان ہے اور اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورۃ الضحٰی

ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہو: ☆☆ اسمعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہؒ تلاوت قرآن کر رہے تھے جب اس سورت تک پہنچے تو دونوں نے فرمایا کہ اب سے آخر تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہا کرو۔ ہم نے ابن کثیر کے سامنے پڑھا تو انہوں نے ہمیں یہی فرمایا اور انہوں نے فرمایا کہ ہم سے مجاہدؒ نے یہ فرمایا ہے اور مجاہدؒ کو حضرت ابن عباسؓ کی یہی تعلیم تھی اور ابن عباسؓ کو حضرت ابی بن کعبؓ نے یہی فرمایا تھا اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا۔ امام القرأت حضرت ابوالحسنؒ بھی اس سنت کے راوی ہیں' حضرت ابو حاتم رازی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں' اس لئے کہ ابوالحسن ضعیف ہیں' ابو حاتم تو ان سے حدیث ہی نہیں لیتے' اسی

طرح ابوجعفر عقیلی بھی انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں لیکن شیخ شہاب الدین ابوشامہ شرح شاطبیہ میں حضرت امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ نماز میں اس تکبیر کو کہتے تھے تو آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اور سنت کو پہنچ گیا' یہ واقعہ تو اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو۔ پھر قاریوں میں اس بات کا بھی اختلاف ہے کہ کس جگہ یہ تکبیر پڑھے اور کس طرح پڑھے' بعض تو کہتے ہیں وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کے خاتمہ سے اور بعض کہتے ہیں والضحی کے آخر سے۔ پھر بعض تو کہتے ہیں صرف اللہ اکبر کہے' بعض کہتے ہیں اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے' بعض قاریوں نے سورۂ والضحی سے ان تکبیروں کے کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جب وحی آنے میں دیر لگی اور کچھ مدت حضورؐ پر وحی نہ اتری پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہی سورت لائے تو خوشی اور فرحت کے باعث آپ نے تکبیر کہی' لیکن یہ کسی ایسی اسناد کے ساتھ مروی نہیں جس سے صحت وضعف کا پتہ چل سکے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے

قسم ہے چاشت کے وقت کی ۞ اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے ۞ نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہ بیزار ہو گیا ۞ یقیناً تیرے لئے انجام آغاز سے بہتر ہے ۞ تجھے تیرا رب بہت جلد انعام دے گا اور تو راضی خوش ہو جائے گا ۞

(آیت: ۱-۵) مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ بیمار ہو گئے اور ایک یا دو راتوں تک آپ تہجد کی نماز کے لئے نہ اٹھ سکے تو ایک عورت کہنے لگی کہ تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں (بخاری ومسلم وغیرہ) حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیل کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ تو چھوڑ دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے والضحی سے قلی تک کی آیتیں اتاریں اور روایت میں ہے کہ حضور کی انگلی پر پتھر مارا گیا تھا جس میں سے خون نکلا اور جس پر آپ نے فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت وفى سبيل الله ما لقيت

یعنی تو صرف ایک انگلی ہے اور راہ اللہ میں تجھے یہ زخم لگا ہے۔

طبیعت کچھ ناساز ہو جانے کی وجہ سے دو تین رات آپ بیدار نہ ہوئے جس پر اس عورت نے وہ ناشائستہ الفاظ نکالے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ عورت ابولہب کی جورو ام جمیل تھی' اس پر اللہ کی مار' آپ کی انگلی کا زخمی ہونا اور اس موزوں کلام کا بے ساختہ زبان مبارک سے ادا ہونا تو صحیحین میں بھی ثابت ہے لیکن ترک قیام کا سبب اسے بتانا اور اس پر ان آیتوں کا نازل ہونا یہ غریب ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ آپ کا رب آپ سے کہیں ناراض نہ ہو گیا ہو؟ اس پر یہ آیتیں اتریں اور روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی حضورؐ بہت گھبرائے' اس پر حضرت خدیجہؓ نے یہ سبب بیان کیا اور اس پر یہ آیتیں اتریں' یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں اور حضرت خدیجہ کا نام تو اس میں محفوظ نہیں معلوم ہوتا' ہاں یہ ممکن ہے کہ مائی صاحبہ نے افسوس اور رنج کے ساتھ یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔ ابن اسحاق اور بعض سلف نے فرمایا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اور بہت ہی قریب ہو گئے تھے اس وقت اسی سورت کی وحی نازل فرمائی تھی۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ وحی کے رک جانے کی بنا پر مشرکین کے اس ناپاک قول سے

رد میں یہ آیتیں اتریں، یہاں اللہ تعالیٰ نے دھوپ چڑھنے کے وقت کی، دن کی روشنی اور رات کے سکون اور اندھیرے کی قسم کھائی جو قدرت اور خلق خالق کی صاف دلیل ہے، جیسے اور جگہ ہے وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ اور جگہ ہے فَالِقُ الْإِصْبَاحِ مطلب یہ ہے کہ اپنی اس قدرت کا یہاں بھی بیان کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب نے نہ تو تجھے چھوڑا نہ تجھ سے دشمنی کی، تیرے لئے آخرت اس دنیا سے بہت بہتر ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ دنیا میں سب سے زیادہ زاہد تھے اور سب سے زیادہ تارک دنیا تھے، آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور بوریئے پر سوئے، جسم مبارک پر بوریئے کے نشان پڑ گئے، جب بیدار ہوئے تو میں آپ کی کروٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا حضورؐ ہمیں کیوں اجازت نہیں دیتے کہ ایک بوریئے پر کچھ بچھا دیا کریں۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ میں کہاں دنیا کہاں؟ میری اور دنیا کی مثال تو اس راہرو سوار کی طرح ہے جو کسی درخت تلے ذرا سی دیر ٹھہر جائے پھر اسے چھوڑ کر چل دے، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے۔ پھر فرمایا تیرا رب تجھے آخرت میں تیری امت کے بارے میں اس قدر نعمتیں دے گا کہ تو خوش ہو جائے، ان کی بڑی تکریم ہوگی اور آپ کو خاص کر کے حوض کوثر عطا فرمایا جائے گا جس کے کنارے کھوکھلے موتیوں کے خیمے ہوں گے، جس کی مٹی خالص مشک ہوگی، یہ حدیثیں عنقریب آ رہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایک روایت میں ہے کہ جو خزانے آپ کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ پر ظاہر کئے گئے آپ بہت خوش ہوئے، اس پر یہ آیت اتری جب ایک ہزار محل آپ کو دے گئے ہر ہر محل میں پاک بیویاں اور بہترین خادم ہیں، ابن عباسؓ تک اس کی سند صحیح ہے اور بہ ظاہر ایسی بات بغیر حضورؐ سے روایت نہیں ہو سکتی، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضورؐ کی رضامندی میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔ حسنؒ فرماتے ہیں اس سے مراد شفاعت ہے۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ﴿٨﴾ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾

کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ ○ اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی ○ اور تجھے تنگ دست پا کر تونگر نہیں بنا دیا؟ ○ پس یتیم کو تو بھی نہ دبا ○ اور سوال کرنے والے کو نہ ڈانٹ ڈپٹ اور اپنے رب کے احسانوں کو بیان کرتا رہ ○

(آیت:۶-۱۱) ابن ابی شیبہ میں ہے حضورؐ نے فرمایا ہم وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت دنیا پر پسند کر لی ہے، پھر آپ نے آیت وَلَسَوْفَ کی تلاوت فرمائی کہ آپ کی یتیمی کی حالت میں خدائے تبارک وتعالیٰ نے آپ کا بچاؤ کیا اور آپ کی حفاظت کی اور پرورش کی اور جگہ عنایت فرمائی۔ آپ کے والد کا انتقال تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا، بعض کہتے ہیں ولادت کے بعد ہوا، چھ سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا، اب آپ دادا کی کفالت میں تھے لیکن جب آٹھ سال کی آپ کی عمر ہوئی تو دادا کا سایہ بھی اٹھ گیا، اب آپ اپنے چچا ابو طالب کی پرورش میں آئے۔ ابو طالب دل وجان سے آپ کی نگرانی اور امداد میں رہے، آپ کی پوری عزت وتوقیر کرتے اور قوم کی مخالفت کے چڑھتے طوفان کو روکتے رہتے تھے اور اپنے نفس کو بطور ڈھال کے پیش کر دیا کرتے تھے کیونکہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت مل چکی تھی اور قریش سخت ترمخالف بلکہ دشمن جان ہو گئے تھے، ابو طالب باوجود بت پرست مشرک ہونے کے آپ کا ساتھ دیتا

تھا اور مخالفین سے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا' یہ تھی منجانب اللہ حسن تدبیر کہ آپ کی یتیمی کے ایام اسی طرح گذرے اور مخالفین سے آپ کی خدمت اس طرح لی یہاں تک کہ ہجرت سے کچھ پہلے ابو طالب بھی فوت ہو گئے' اب سفہاء و جہلاء قریش اٹھ کھڑے ہوئے تو پروردگار عالم نے آپ کو مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنے کی رخصت عطا فرمائی اور اوس و خزرج جیسی قوموں کو آپ کا انصار بنا دیا' ان بزرگوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جگہ دی' مدد کی' حفاظت کی اور مخالفین سے سینہ سپر ہو کر مردانہ وار لڑائیاں کیں' اللہ ان سب سے خوش رہے۔ یہ سب کا سب اللہ کی حفاظت اور اس کی عنایت' احسان اور اکرام سے تھا۔ پھر فرمایا کہ راہ بھولا پا کر صحیح راستہ دکھا دیا' جیسے اور جگہ ہے مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ یعنی اسی طرح ہم نے اپنی حکم سے تمہاری طرف روح کی وحی کی' تم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے نہ کتاب کی خبر تھی بلکہ ہم نے اسے نور بنا کر جسے چاہا ہدایت کر دی۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ حضور بچپن میں مکہ کی گلیوں میں گم ہو گئے تھے اس وقت اللہ نے لوٹا لایا' بعض کہتے ہیں شام کی طرف اپنے چچا کے ساتھ جاتے ہوئے رات کو شیطان نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر راہ سے ہٹا کر جنگل میں ڈال دیا' پس جبرائیل علیہ السلام آئے اور پھونک مار کر شیطان کو تو حبشہ میں ڈال دیا اور سواری کو راہ لگا دیا۔ بغوی نے یہ دونوں قول نقل کئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بال بچوں والے ہوتے ہوئے تنگ دست پا کر ہم نے آپ کو غنی کر دیا' پس فقیر صابر اور غنی شاکر ہونے کے درجات آپ کو مل گئے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہ سب حال نبوت سے پہلے کے ہیں' صحیحین وغیرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تونگری مال واسباب کی زیادتی سے نہیں بلکہ حقیقی تونگر وہ ہے جس کا دل بے پرواہ ہو۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اس نے فلاح پالی جسے اسلام نصیب ہوا اور کافی ہو اتنا رزق بھی ملا اور اللہ کے دیئے ہوئے پر قناعت کی توفیق ملی۔ پھر فرماتا ہے کہ یتیم کو حقیر جان کر نہ ڈانٹ ڈپٹ کر بلکہ اس کے ساتھ احسان و سلوک کر اور اپنی یتیمی کو نہ بھول۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یتیم کے لئے ایسا ہو جانا چاہئے جیسے سگا باپ اپنی اولاد پر مہربان ہوتا ہے' سائل کو نہ جھڑک' جس طرح تم بے راہ تھے اور اللہ نے ہدایت دی تو اب جو تم سے علمی باتیں پوچھے' صحیح راستہ دریافت کرے تو تم اسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو غریب مسکین ضعیف بندوں پر تکبر تجبر نہ کرو' انہیں ڈانٹو ڈپٹو نہیں' برا بھلا نہ کہو' سخت سست نہ بولو' اگر مسکین کو کچھ نہ دے سکے تو بھی بھلا اور اچھا جواب دے' نرمی اور رحم کے ساتھ لوٹا دے۔ پھر فرمایا کہ اپنے رب کی نعمتیں بیان کرتے رہو۔ یعنی جس طرح تمہاری فقیری کو ہم نے تونگری سے بدل دیا تم بھی ہماری ان نعمتوں کو بیان کرتے رہو' اسی لئے حضور کی دعاؤں میں یہ بھی تھا وَاجْعَلْنَا شَاكِرِیْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِیْنَ بِهَا عَلَیْكَ قَابِلِیْهَا وَ اَتِمَّهَا عَلَیْنَا یعنی خدایا ہمیں اپنی نعمتوں کی شکر گزاری کرنے والا' ان کی وجہ سے تیری ثنا بیان کرنے والا ان کا اقرار کرنے والا کر دے اور ان نعمتوں کو ہم پر پورا کر دے ابو نضرہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ نعمتوں کی شکر گزاری میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کا بیان ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جس نے تھوڑے پر شکر نہ کیا اس نے زیادہ پر بھی شکر نہیں کیا جس نے لوگوں کی شکر گزاری جس نہ کی اس نے اللہ کی بھی نہیں کی' نعمتوں کا بیان بھی شکر ہے اور ان کا بیان نہ کرنا ناشکری ہے' جماعت کے ساتھ رہنا رحمت کا سبب ہے اور تفرقہ عذاب کا باعث ہے' اس کی اسناد ضعیف ہے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ انصار سارا کا سارا اجر لے گئے' فرمایا نہیں جب تک کہ تم ان کے لئے دعا کیا کرو اور ان کی تعریف کرتے رہو۔ ابو داؤد میں ہے اس نے اللہ کی شکر گزاری نہیں کی جس نے لوگوں کی شکر گذاری نہ کی' ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے جسے کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گذار رہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی' اور روایت میں ہے کہ جسے کوئی عطیہ دیا جائے اسے چاہئے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اگر نہ ہو سکے تو اس کی ثنا

بیان کرے، جس نے ثنا کی وہ شکر گذار ہوا اور جس نے اس نعمت کا اظہار نہ کیا اس نے ناشکری کی (ابوداؤد)۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے' ایک روایت میں ہے قرآن مراد ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں طلب یہ ہے کہ جو بھلائی کی باتیں آپ کو معلوم ہیں وہ اپنے بھائیوں سے بھی بیان کرو۔ محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں جو نعمت و کرامت نبوت کی تمہیں ملی ہے اسے بیان کرو' اس کا ذکر کرو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو۔ چنانچہ حضور نے اپنے رشتہ والوں میں سے جن پر آپ کو اطمینان ہوتا پوشیدگی سے پہلے پہل دعوت دینی شروع کی اور آپؐ پر نماز فرض ہوئی جو آپ نے ادا کی۔ سورۃ الضحی کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ کے احسان پر اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورۃ الم نشرح

بنام بخشنے والے مہربان اللہ کے

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟ ○ اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا ○ جس نے تیری پیٹھ بوجھل کر دی تھی ○ اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا ○ پس والبتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے ○ یقیناً دشواری کے ساتھ سہولت ہے ○ پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر ○ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا ○

(آیت: ۱-۸) یعنی ہم نے تیرے سینے کو منور کر دیا' چوڑا کشادہ اور رحمت و کرم والا کر دیا' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ الخ' یعنی جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے' جس طرح آپ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تھا اسی طرح آپ کی شریعت بھی کشادگی والی نرمی اور آسانی والی بنا دی' جس میں نہ تو کوئی حرج ہے نہ تنگی نہ ترشی نہ تکلیف اور سختی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد معراج والی رات سینے کا شق کیا جانا ہے جیسے کہ مالک بن صعصعہ کی روایت سے پہلے گذر چکا' امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو یہیں وارد کیا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں واقعات مراد ہو سکتے ہیں یعنی معراج کی رات سینے کا شق کیا جانا اور سینہ کو راز اللہ کا گنجینہ ت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی دلیری سے رسول اللہ ﷺ سے وہ باتیں پوچھ لیا کرتے تھے جسے دوسرے نہ پوچھ سکتے تھے' ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ امر نبوت میں سب سے پہلے آپ نے کیا دیکھا؟ آپ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے ابو ہریرہؓ میں دس سال کچھ ماہ کا تھا' جنگل میں کھڑا تھا کہ میں نے اوپر آسمان کی طرف سے کچھ آواز سنی کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کیا یہ وہی ہیں؟ اب دو شخص میرے سامنے آئے جن کے منہ ایسے منور تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے اور ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ میرے دماغ نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی اور ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ میں نے کبھی کسی پر ایسے کپڑے نہیں دیکھے اور آ کر انہوں نے میرے دونوں بازو تھام لئے لیکن مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی میرے بازو تھامے ہوئے ہے پھر ایک نے

دوسرے سے کہا کہ انہیں لٹا دو' چنانچہ اس نے لٹا دیا لیکن اس میں بھی نہ مجھے تکلیف ہوئی نہ محسوس ہوا پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ شق کرو۔ چنانچہ میرا سینہ چیر دیا لیکن نہ تو مجھے اس میں کچھ دکھ ہوا نہ میں نے خون دیکھا' پھر کہا اس میں سے غل وغش' حسد و بغض سب نکال دو' چنانچہ اس نے ایک خون بستہ جیسی کوئی چیز نکالی اور اسے پھینک دیا' پھر اس نے کہا اس میں رافت و رحمت' رحم و کرم بھر دو' پھر ایک چاندی جیسی چیز جتنی نکالی تھی اتنی ڈال دی' پھر میرے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا جائیے اور سلامتی سے زندگی گزاریئے' اب جو میں چلا تو میں نے دیکھا کہ ہر چھوٹے پر میرے دل میں شفقت ہے اور ہر بڑے پر رحمت ہے (مسند احمد)۔

پھر فرمان ہے کہ ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا' یہ اسی معنی میں ہے کہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے جس نے تیری کمر سے آواز نکلوادی تھی یعنی جس نے تیری کمر کو بوجھل کر دیا تھا' ہم نے تیرا ذکر بلند کیا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں تیرا ذکر کیا جائے گا جیسے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ قتادہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کر دیا' کوئی خطیب' کوئی واعظ' کوئی کلمہ گو کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اور آپ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ میں آپ کا ذکر کس طرح بلند کروں؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی کو پورا علم ہے' فرمایا جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے ایک سوال کیا لیکن نہ کرتا تو اچھا ہوتا میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے لئے تو نے ہوا کو تابعدار کر دیا تھا کسی کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا تجھے میں نے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ میں نے کہا بیشک' فرمایا راہ گم کردہ پا کر میں نے تجھے ہدایت نہیں کی؟ میں نے کہا بیشک' فرمایا کیا فقیر پا کر غنی نہیں بنا دیا؟ میں نے کہا بیشک فرمایا کیا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ کیا میں نے تیرا ذکر بلند نہیں کیا؟ میں نے کہا بیشک کیا ہے۔

ابو نعیم دلائل نبوت میں لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں فارغ ہوا اس چیز سے جس کا حکم مجھے میرے رب عزوجل نے کیا تھا آسمان اور زمین کے کام سے تو میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے جتنے انبیاء ہوئے ان سب کی تو نے تکریم کی' ابراہیم کو خلیل بنایا' موسیٰ کو کلیم بنایا' داؤد کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا' سلیمان کے لئے ہواؤں کو تابعدار بنایا اور شیاطین کو بھی تابعدار بنایا اور عیسیٰ کے ہاتھ پر مردے زندہ کرائے' پس میرے لئے کیا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تجھے ان سب سے افضل چیز نہیں دی؟ کہ میرے ذکر کے ساتھ ہی تیرا ذکر بھی کیا جاتا ہے اور میں نے تیری امت کے سینوں کو ایسا کر دیا کہ وہ قرآن کو قراءت پڑھتے ہیں' یہ میں نے کسی اگلی امت کو نہیں دیا اور میں نے تجھے اپنے عرش کے خزانوں میں سے خزانہ دیا جو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ہے۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اذان ہے یعنی اذان میں آپ کا ذکر ہے' جس طرح حضرت حسان کے شعروں میں ہے۔

اَغَرَّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ مِنَ اللّٰهِ مِنْ نُّوْرٍ يَّلُوْحُ وَيَشْهَدُ

وَضَمَّ الْاِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ اِلَى اسْمِهٖ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر نبوت کو اپنے پاس کا ایک نور بنا کر آپ پر چمکا دی جو آپ کی رسالت کی گواہ ہے' اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی کا نام ملا لیا جبکہ پانچوں وقت موذن اشھد کہتا ہے' آپ کی عزت و جلال کے اظہار کے لئے اپنے نام میں سے آپ کا نام نکالا' دیکھو وہ عرش والا محمود ہے اور آپ محمد ہیں (ﷺ) اور لوگ کہتے ہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کیا اور تمام انبیاء علیہم السلام سے

روز میثاق میں عہد لیا گیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی آپ پر ایمان لانے کا حکم کریں' پھر آپ کی امت میں آپ کے ذکر کو مشہور کیا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے۔

صرصریؒ نے کتنی اچھی بات بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ فرضوں کی اذان صحیح نہیں ہوتی مگر آپ کے پیارے اور میٹھے نام سے جو پسندیدہ اور اچھے منہ سے ادا ہو اور فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ ہماری اذان اور ہمارا فرض صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ آپ کا ذکر بار بار اس میں نہ آئے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ تکرار اور تاکید کے ساتھ دو دو دفعہ فرماتا ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی' دشواری کے ساتھ سہولت ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا پس لوگوں نے کہا اگر سختی آئے اور اس پتھر میں گھس جائے تو آسانی بھی آئے گی اور اسی میں جائے گی اور اسے نکال لائے گی' اس پر یہ آیت اتری۔ مسند بزار میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ اگر دشواری اس پتھر میں داخل ہو جائے تو آسانی آ کر اسے نکالے گی' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی' یہ حدیث صرف عائذ بن شریح حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ابو حاتم رازی کا فیصلہ ہے کہ ان کی حدیث میں ضعف ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ موقوف مروی ہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے کہ ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی' حضرت حسن سے ابن جریرؒ میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن شاداں وفرحاں آئے اور ہنستے ہوئے فرمانے لگے ہرگز ایک دشواری دو نرمیوں پر غالب نہیں آ سکتی' پھر اس آیت کی آپ نے تلاوت کی' یہ حدیث مرسل ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو خوشخبری سنائی کہ دو آسانیوں پر ایک سختی غالب نہیں آ سکتی' مطلب یہ ہے کہ عسرہ کے لفظ کو تو دونوں جگہ معرفہ لائے ہیں تو وہ مفرد ہوا اور یسر کے لفظ کو نکرہ لائے ہیں تو وہ متعدد ہو گیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ معونۃ یعنی امداد اللہ بقدر مونۃ یعنی تکلیف کے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور صبر مصیبت کے مقدار پر نازل ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صَبرًا جَمِیلًا مَا اَقرَبَ الفَرَجَا مِنْ رَّاقَبَ اللّٰهَ فِی الْاُمُورِ نَجَا
مَنْ صَدَّقَ اللّٰهَ لَمْ یَنَلْهُ اَذیٰ وَمَنْ رَجَاهُ یَکُوْنُ حَیْثُ رَجَا

یعنی اچھا صبر آسانیوں سے کیا ہی قریب ہے؟ اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھنے والا نجات یافتہ ہے' اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی' اس سے بھلائی کی امید رکھنے والا اسے اپنی امید کے ساتھ ہی پاتا ہے۔ حضرت ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ہیں کہ جب مایوسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور سینہ باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتا ہے' تکلیفیں گھیر لیتی ہیں اور مصیبتیں ڈیرہ جما لیتی ہیں' کوئی چارہ سجھائی نہیں دیتا اور کوئی تدبیر نجات کارگر نہیں ہوتی' اس وقت اچانک اللہ کی مدد آ پہنچتی ہے اور وہ دعاؤں کا سننے والا باریک بین اللہ اس سختی کو آسانی سے اور اس تکلیف کو راحت سے بدل دیتا ہے' تنگیاں جب کہ بھرپور آ پڑتی ہیں پروردگار معاً کشادگیاں نازل فرما کر نقصان کو فائدہ سے بدل دیتا ہے۔ کسی اور شاعر نے کہا ہے۔

وَلَرُبَّ نَازِلٍ یَّضِیقُ بِهِ الْفَتیٰ ذَرعًا وَّعِندَ اللّٰهِ مِنهَا الْمخرَجُ
کَمُلَتْ فَلَمَّا اسْتَحْلَمَتْ حَلَقَاتُهَا فَرِجَتْ وَکَانَ یَظُنُّهَا لَا تُفرَجُ

یعنی بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن سے وہ تنگدل ہو جاتا ہے حالانکہ اللہ کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ہے۔ جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں اور اس زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ بھلا یہ کیا ہٹیں گی؟ کہ اچانک اس رحیم وکریم اللہ کی شفقت بھری نظریں پڑتی ہیں اور اس مصیبت کو اس طرح دور کر دیتا ہے کہ گویا آئی ہی نہ تھی۔ اس کے بعد ارشاد باری ہوتا

ہے کہ جب تو دنیوی کاموں سے اور یہاں کے اشغال سے فرصت پائے تو ہماری عبادتوں میں لگ جا اور فارغ البال ہو کر دلی توجہ کر کے ہمارے سامنے عاجزی میں لگ جا' اپنی نیت خالص کر لے' اپنی پوری رغبت کے ساتھ ہماری جناب کی طرف متوجہ ہو جا۔

اسی معنی کی وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے جس میں ہے کہ کھانا سامنے موجود ہونے کے وقت نماز نہیں اور اس حالت میں بھی کہ انسان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو۔ اور حدیث میں ہے جب نماز کھڑی کی جائے اور شام کا کھانا سامنے موجود ہو تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کر لو۔ حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑا ہوا تو محنت کے ساتھ عبادت کر اور مشغولیت کے ساتھ رب کی طرف توجہ کر۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز سے فارغ ہو تو تہجد کی نماز میں کھڑا ہو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے اپنے رب کی طرف توجہ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یعنی دعا کر۔ زید بن اسلم اور ضحاک فرماتے ہیں جہاد سے فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگ جا۔ ثوریؒ فرماتے ہیں اپنی نیت اور اپنی رغبت اللہ ہی کی طرف رکھ۔

سورۂ الم نشرح کی تفسیر اللہ کے فضل و کرم سے ختم ہوئی فالحمدللہ۔

تفسیر سورة والتین

(تفسیر سورۃ التین) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اپنے سفر میں دو رکعتوں میں سے کسی ایک میں یہ سورت پڑھ رہے تھے' میں نے آپ سے زیادہ اچھی آواز اور اچھی قرات کسی کی نہیں سنی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿۷﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸﴾

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے' مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی ○ اور طور سینین کی ○ اور اس امن والے شہر کی ○ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ○ پھر اسے نیچوں سے نیچ کر دیا ○ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور مطابق سنت عمل کئے تو ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی نہ ختم ہو ○ پس تجھے اب روز جزا کے جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ ○ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں؟ ○

(آیت: ۱-۸) تین سے مراد کسی کے نزدیک تو مسجد دمشق ہے' کوئی کہتا ہے خود دمشق مراد ہے' کسی کے نزدیک دمشق کا ایک پہاڑ مراد ہے' بعض کہتے ہیں اصحاب کہف کی مسجد مراد ہے' کوئی کہتا ہے جودی پہاڑ پر مسجد نوح جو ہے وہ مراد ہے' بعض کہتے ہیں انجیر مراد ہے زیتون سے کوئی کہتا ہے مسجد بیت المقدس مراد ہے' کسی نے کہا ہے وہ زیتون جسے نچوڑتے ہو' طور سینین وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ بَلَدُ الْاَمِيْنَ سے مراد مکہ شریف ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں' بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تینوں

وہ جگہیں ہیں جہاں تین اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبر بھیجے گئے ہیں۔

تین سے مراد تو بیت المقدس ہے جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور طور سینین سے مراد طور سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے' تورات کے آخر میں بھی ان تینوں جگہوں کا نام ہے' اس میں ہے کہ طور سینا سے اللہ تعالیٰ آیا یعنی وہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدائے تعالیٰ نے کلام کیا اور ساعیر یعنی بیت المقدس کے پہاڑ سے اس نے اپنا نور چمکایا یعنی حضرت عیسیٰؑ کو وہاں بھیجا اور فاران کی چوٹیوں پر وہ بلند ہوا یعنی مکہ کے پہاڑوں سے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا پھر ان تینوں زبردست بڑے مرتبے والے پیغمبروں کی زمانی اور وجودی ترتیب بیان کر دی' اسی طرح یہاں بھی پہلے جس کا نام لیا اس سے زیادہ شریف چیز کا نام پھر لیا پھر ان دونوں سے بزرگ تر چیز کا نام آخر میں لیا' پھر ان قسموں کے بعد بیان فرمایا کہ انسان کو اچھی شکل و صورت میں صحیح قد قامت والا' درست اور سڈول اعضاء والا' خوبصورت اور سہانے چہرے والا پیدا کیا' پھر اسے نیچوں کا نیچ کر دیا یعنی جہنمی ہو گیا' اگر اللہ کی اطاعت اور رسول کی اتباع نہ کی' تو اسی لئے ایمان والوں کو اس سے الگ کر لیا۔ بعض کہتے ہیں مراد انتہائی بڑھاپے کی طرف لوٹا دینا ہے۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جس نے قرآن جمع کیا وہ رذیل عمر کو نہ پہنچے گا۔ امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اگر یہی بڑھاپا مراد ہوتا تو مومنوں کا استثناء کیوں ہوتا' بڑھاپا تو بعض مومنوں پر بھی آتا ہے پس ٹھیک بات وہی ہے جو اوپر ہم نے ذکر کی' جیسے اور جگہ سورۂ والعصر میں ہے کہ تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ایمان اور اعمال صالح والوں کے کہ انہیں جزا وہ ملے گی جس کی انتہا نہ ہو' جیسے پہلے بیان ہو چکا۔ پھر فرماتا ہے اے انسان جبکہ تو اپنی پہلی اور اول مرتبہ کی پیدائش کو جانتا ہے تو پھر جزا و سزا کے دن کے آنے پر اور تیرے دوبارہ زندہ ہونے پر تجھے کیوں یقین نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ تو اسے نہیں مانتا؟ حالانکہ ظاہر ہے کہ جس نے پہلی دفعہ پیدا کر دیا اس پر دوسری دفعہ کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ حضرت مجاہدؒ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھ بیٹھے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں؟ آپ نے فرمایا معاذ اللہ اس سے مراد مطلق انسان ہے' عکرمہؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا خدا احکم الحاکمین نہیں ہے؟ وہ نہ ظلم کرے نہ بے عدلی کرے' اسی لئے وہ قیامت قائم کرے گا اور ہر ایک ظالم سے مظلوم کا انتقام لے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ جو شخص وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ پڑھے اور اس کے آخر کی آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ پڑھے تو کہہ دے بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی ہاں میں اس پر گواہ ہوں' اللہ کے فضل و کرم سے سورۂ والتین کی تفسیر ختم ہوئی فالحمدللہ۔

تفسیر سورة العلق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ
يَعْلَمْ ﴿٥﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑی بخشش کرنے والا بہت زیادہ مہربان ہے O

اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا O جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا O تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے O جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا O جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا O

(آیت:۱-۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتداً سچے خوابوں سے ہوئی' جوخواب آپ دیکھتے وہ صبح کے ظہور کی طرح ظاہر ہو جاتا' پھر آپ نے گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کی- ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے توشہ لے کر غار حرا میں چلے جاتے اور کئی کئی راتیں وہیں عبادت میں گذارا کرتے' پھر آتے اور توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ اچانک وہیں شروع شروع میں وحی آئی' فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا اقرا یعنی پڑھئے' آپ فرماتے ہیں' میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں' فرشتے نے مجھے پکڑا اور دبوچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھ' میں نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا' فرشتے نے مجھے دوبارہ دبوچا جس سے مجھے تکلیف بھی ہوئی پھر چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھو' میں نے پھر یہی کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں' اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور تکلیف پہنچائی پھر چھوڑ دیا اور اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ سے مَالَمْ يَعْلَمْ تک پڑھا' آپ ان آیتوں کو لئے ہوئے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا مجھے کپڑا اڑھا دو' چنانچہ کپڑا اوڑھا دیا' یہاں تک کہ ڈر خوف جاتا رہا تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا اور فرمایا مجھے اپنی جان جانے کا خوف ہے-

حضرت خدیجہؓ نے کہا حضورؐ آپ خوش ہو جائیے' اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا' آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' سچی باتیں کرتے ہیں' دوسروں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق پر دوسروں کی مدد کرتے ہیں- پھر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس آئیں' جاہلیت کے زمانہ میں یہ نصرانی ہو گئے تھے' عربی کتاب لکھتے تھے اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے' بہت بڑی عمر کے انتہائی بوڑھے تھے' آنکھیں جا چکی تھیں' حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کا واقعہ سنئے' ورقہ نے پوچھا بھتیجے آپ نے کیا دیکھا؟ رسول اللہ ﷺ نے سارا واقعہ کہہ سنایا' ورقہ نے سنتے ہی کہا کہ یہی وہ راز داں فرشتہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے پاس بھی اللہ کا بھیجا ہوا آیا کرتا تھا' کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا' کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جبکہ آپ کو آپ کی قوم نکال دے گی- رسول اللہ ﷺ نے تعجب سے سوال کیا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں ایک آپ کیا؟ جتنے بھی لوگ آپ کی طرح نبوت سے سرفراز ہو کر آئے ان سب سے دشمنیاں کی گئیں' اگر وہ وقت میری زندگی میں آ گیا تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا- لیکن اس واقعہ کے بعد ورقہ بہت کم زندہ رہے' ادھر وحی بھی رک گئی اور اس کے رکنے کا حضورؐ کو بڑا قلق تھا' کئی مرتبہ آپ نے پہاڑ کی چوٹی پر سے اپنے تئیں گرا دینا چاہا لیکن ہر وقت حضرت جبرئیلؑ آ جاتے اور فرما دیتے کہ اے محمد آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں (ﷺ) اس سے آپ کا قلق اور رنج وغم جاتا رہتا اور دل میں قدرے اطمینان پیدا ہو جاتا اور آرام سے گھر واپس آ جاتے (مسند احمد)

یہ حدیث صحیح بخاری شریف' صحیح مسلم شریف میں بھی بروایت زہری مروی ہے' اس کی سند میں' اس کے متن میں' اس کے معانی میں جو کچھ بیان کرنا چاہئے تھا وہ ہم نے ہماری شرح بخاری میں پورے طور پر بیان کر دیا ہے' اگر جی چاہے وہیں دیکھ لیا جائے والحمدللہ- پس قرآن کریم کی باعتبار نزول کے سب سے پہلی آیتیں یہی ہیں' یہی پہلی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کی اور یہی وہ پہلی رحمت ہے جو اس ارحم الراحمین نے اپنے رحم وکرم سے ہمیں دی- اس میں تنبیہ ہے انسان کی اول پیدائش پر کہ وہ ایک جمے ہوئے خون کی شکل میں تھا'

اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ احسان کیا اسے اچھی صورت میں پیدا کیا اس پر علم جیسی اپنی خاص نعمت اسے مرحمت فرمائی اور وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا' علم ہی کی برکت تھی کہ کل انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں میں بھی ممتاز نظر آئے۔ علم کبھی تو ذہن میں ہی ہوتا ہے اور کبھی زبان پر ہوتا ہے اور کبھی کتابی صورت میں لکھا ہوا ہوتا ہے پس علم کی تین قسمیں ہوئیں' ذہنی' لفظی اور رسمی' اور رسمی علم ذہنی اور لفظی کو مستلزم ہے لیکن وہ دونوں اسے مستلزم نہیں' اسی لئے فرمایا کہ پڑھ تیرا رب تو بڑے اکرام والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور آدمی کو جو وہ نہیں جانتا تھا معلوم کرا دیا ایک اثر میں وارد ہے کہ علم کو لکھ لیا کرو' اور اسی اثر میں ہے جو شخص اپنے علم پر عمل کرے اسے اللہ تعالیٰ اس علم کا بھی وارث کر دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ﴿٦﴾ أَن رَّءَاهُ اسْتَغْنَىٰٓ ﴿٧﴾ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰٓ ﴿٨﴾ أَرَءَيْتَ الَّذِى يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰٓ ﴿١٠﴾ أَرَءَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰٓ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰٓ ﴿١٢﴾

سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے ○ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھتا ہے ○ یقیناً تیرا لوٹنا اللہ کی طرف ہے ○ بھلا اسے بھی تو نے دیکھا؟ جو روکتا ہے ○ بندے کو جب وہ نماز ادا کرے ○ بھلا بتلا تو اگر وہ ہدایت پر ہے ○ یا تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو ○

طالب علم اور طالب دنیا: ☆☆ (آیت: ۶-۱۲) فرماتا ہے کہ انسان کے پاس جہاں دو پیسے ہوئے' ذرا فارغ البال ہوا کہ اس کے دل میں کبر و غرور' عجب و خود پسندی آئی' اسے ڈرتے رہنا چاہئے اور خیال رکھنا چاہئے کہ اسے ایک دن اللہ کی طرف لوٹنا ہے' وہاں جہاں اور حساب ہوں گے' مال کی بابت بھی سوال ہوگا کہ لایا کہاں سے اور خرچ کہاں کیا؟ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا' ایک طالب علم' دوسرا طالب دنیا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ علم کا طالب تو اللہ کی رضامندی کے حاصل کرنے میں بڑھتا رہتا ہے اور دنیا کا لالچی سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جس میں دنیا داروں کا ذکر ہے' پھر طالب علموں کی فضیلت کے بیان کی یہ آیت تلاوت کی اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا یہ حدیث مرفوعاً یعنی نبی ﷺ کے فرمان سے بھی مروی ہے کہ دو لالچی ہیں جو شکم پر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب دنیا' اس کے بعد کی آیتیں ابو جہل ملعون کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتا تھا پس پہلے تو اسے بہترین طریقہ سے سمجھایا گیا کہ جنہیں تو روکتا ہے یہی اگر سیدھی راہ پر ہوں' انہی کی باتیں تقوے کا حکم کرتی ہوں پھر تو انہیں اگر ڈانٹ ڈپٹ کرے اور خانہ اللہ سے روکے تو تیری بدقسمتی کی انتہا ہے یا نہیں؟ کیا یہ روکنے والا جو نہ صرف خود حق کی راہنمائی سے محروم ہے بلکہ راہ حق سے روکنے کے درپے ہے اتنا بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اس کا کلام سن رہا ہے اور اس کے کلام اور کام پر اسے سزا دے گا' اس طرح سمجھا چکنے کے بعد اب ڈرا رہا ہے کہ اگر اس نے اپنی مخالفت' سرکشی اور ایذا دہی نہ چھوڑی تو ہم بھی اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے' جو اقوال میں کاذب اور افعال میں خطا کار ہے' یہ اپنے مددگاروں کو' ہمنشینوں کو' قرابت داروں کو' کنبہ قبیلے کو بلا لے' دیکھیں تو کون اس کی مدافعت کر سکتا ہے' ہم بھی اپنے عذاب کے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں۔ پھر ہر ایک کو کھل جائے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا؟ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں گا تو گردن دبوچوں گا'

حضورؐ کو بھی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرے گا تو اللہ کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام مقام ابراہیم کے پاس بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ ملعون آیا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھے منع کر دیا پھر بھی تو باز نہیں آتا اگر اب میں نے تجھے کعبے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو سخت سزا دوں گا وغیرہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے جواب دیا اس کی بات کو ٹھکرا دیا اور اچھی طرح ڈانٹ دیا اس پر وہ کہنے لگا کہ تو مجھے ڈانٹتا ہے اللہ کی قسم میری ایک آواز پر یہ ساری وادی آدمیوں سے بھر جائے گی اس پر یہ آیت اتری کہ اچھا تو اپنے حامیوں کو بلا ہم بھی اپنے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں اگر وہ اپنے کنبے والوں کو پکارتا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے اسے لپک لیتے (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ)

مسند احمد میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا اگر میں رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے دیکھوں گا تو اس کی گردن توڑ دوں گا آپ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو اسی وقت لوگوں کے دیکھتے ہوئے عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اسی طرح جبکہ یہودیوں سے قرآن نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو موت مانگو اگر وہ اسے قبول کر لیتے اور موت طلب کرتے تو سارے کے سارے مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے۔ اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر یہ مباہلہ کے لئے نکلتے تو لوٹ کر نہ اپنا مال پاتے نہ اپنے بال بچوں کو پاتے ابن جریر میں ہے کہ ابو جہل نے کہا اگر میں آپ کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتا ہوا دیکھ لوں گا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ اس پر یہ سورت اتری۔ حضور علیہ السلام تشریف لے گئے ابو جہل موجود تھا اور آپ نے وہیں نماز ادا کی تو لوگوں نے اس بدبخت سے کہا کہ کیوں بیٹھا رہا؟ اس نے کہا کیا بتاؤں کون میرے اور اس کے درمیان حائل ہو گئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر ذرا بھی ہلتا جلتا تو لوگوں کے دیکھتے ہوئے فرشتے اسے ہلاک کر ڈالتے۔ ابن جریر کی اور روایت میں ہے کہ ابو جہل نے پوچھا کہ کیا محمد (ﷺ) تمہارے سامنے سجدہ کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں تو کہنے لگا اللہ کی قسم اگر میرے سامنے اس نے یہ کیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کے منہ کو مٹی میں ملا دوں گا ادھر اس نے یہ کہا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبارک علیہ نے نماز شروع کی جب آپ سجدے میں گئے تو یہ آگے بڑھا لیکن ساتھ ہی اپنے ہاتھ سے اپنے تئیں بچاتا ہوا پچھلے پیروں نہایت بدحواسی سے پیچھے ہٹا لوگوں نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا کہ میرے اور حضور کے درمیان آگ کی خندق ہے اور گھبراہٹ کی خوفناک چیزیں ہیں اور فرشتوں کے پر ہیں وغیرہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اور ذرا قریب آ جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو الگ الگ کر دیتے پس یہ آیتیں كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى سے آخر سورت تک نازل ہوئیں اللہ ہی کو علم ہے کہ یہ کلام حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے یا نہیں؟

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾

اچھا یہ بھی بتا کہ اگر یہ جھٹلاتا ہو اور منہ پھیرتا ہو ○ کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا ہے ○ یقیناً اگر یہ باز نہ رہا تو ہم اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹیں گے چوٹی جو جھوٹی خطا کار ہے ○ یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ○ ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلا لیں گے ○ خبردار اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدے میں اور

قرب الٰہی کی طلب میں لگے رہنا ○

(آیت:۱۳-۱۹) یہ حدیث مسند' مسلم' نسائی' ابن ابی حاتم میں بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی تم اس مردود کی بات نہ ماننا' عبادت پر مداومت کرنا اور بکثرت عبادت کرتے رہنا اور جہاں جی چاہے نماز پڑھتے رہنا اور اس کی مطلق پرواہ نہ کرنا' اللہ تعالیٰ خود تیرا حافظ و ناصر ہے' وہ تجھے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا' تو سجدے میں اور قرب اللہ کی طلب میں مشغول رہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے بہت ہی قریب ہوتا ہے' پس تم بہ کثرت سجدوں میں دعائیں کرتے رہو۔ پہلے یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ حضور ﷺ سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں اور اس سورت میں سجدہ کیا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۂ اقراء کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ کا شکر و احسان ہے۔

تفسیر سورة القدر

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع

یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا ○ تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ ○ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے ○ اس میں ہر کام کے سرانجام دینے کو اللہ کے حکم سے فرشتے اور روح اترتے ہیں ○ یہ رات سراسر سلامتی کی ہے فجر کے طلوع ہونے تک ○

غیر متعلقہ روایات اور بحث: ☆☆ (آیت:۱-۵) مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے' اسی کا نام لیلۃ المبارکہ بھی ہے' اور جگہ ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے' جیسے فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ - ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ پورا قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان اول پر بیت العزت میں اس رات اترا' پھر تفصیل وار واقعات کے مطابق بہ تدریج تیس سال میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر کی شان و شوکت کا اظہار فرماتا ہے کہ اس رات کی ایک زبردست برکت تو یہ ہے کہ قرآن کریم جیسی اعلیٰ نعمت اسی رات اتری' تو فرماتا ہے کہ تمہیں کیا خبر لیلۃ القدر کیا ہے؟ پھر خود بتاتا ہے کہ یہ ایک رات ایک ہزار مہینہ سے افضل ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ ترمذی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت لائے ہیں کہ یوسف بن سعد نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے جبکہ آپ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی کہا کہ تم نے ایمان والوں کے منہ کالے کر دیئے یا یوں کہا کہ اے مومنوں کے منہ سیاہ کرنے والے' تو آپ نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے مجھ پر خفا نہ ہو نبی ﷺ کو دکھلایا گیا کہ گویا آپ کے ممبر پر بنوامیہ ہیں آپ کو یہ برا معلوم ہوا تو اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ نازل ہوئی یعنی جنت کی نہر کوثر آپ کو عطا کیے جانے کی خوش خبری ملی اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ اتری' پس ہزار مہینے وہ مراد ہیں جن میں آپ کے بعد بنوامیہ

کی مملکت رہے گی' قاسم کہتے ہیں ہم نے حساب لگایا تو وہ پورے ایک ہزار دن ہوئے نہ ایک دن زیادہ نہ ایک دن کم' امام ترمذی اس روایت کو غریب بتلاتے ہیں اور اس کی سند میں یوسف بن سعد ہیں جو مجہول ہیں اور صرف اسی ایک سند سے یہ مروی ہے۔

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے' امام ترمذی کا یہ فرمانا کہ یہ یوسف مجہول ہیں اس میں ذرا تذبذب ہے' ان کے بہت سے شاگرد ہیں یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ مشہور ہیں اور ثقہ ہیں اور اس کی سند میں کچھ اضطراب جیسا بھی ہے واللہ اعلم بہرصورت ہے یہ روایت بہت ہی منکر ہمارے شیخ حافظ حجت ابوالحجاج منیری بھی اس روایت کو منکر بتلاتے ہیں (یہ یاد رہے کہ قاسم کا قول جو ترمذی کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے حساب لگایا تو بنوامیہ کی سلطنت ٹھیک ایک ہزار دن تک رہی یہ نسخے کی غلطی ہے۔ ایک ہزار مہینے لکھنا چاہیئے تھا' میں نے ترمذی شریف میں دیکھا تو وہاں بھی ایک ہزار مہینے ہیں اور آگے بھی یہی آتا ہے مترجم) قاسم بن فضل حدائی کا یہ قول کہ بنوامیہ کی سلطنت کی ٹھیک مدت ایک ہزار مہینے تھی یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستقل سلطنت سنہ ۴۰ ہجری میں قائم ہوئی جبکہ حضرت امام حسنؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور امر خلافت آپ کو سونپ دیا اور سب لوگ بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت پر جمع ہو گئے اور اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ مشہور ہوا۔ پھر شام وغیرہ میں برابر بنوامیہ کی سلطنت قائم رہی' ہاں تقریباً نو سال تک حرمین شریفین اور اھواز اور بعض شہروں پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سلطنت ہو گئی تھی لیکن تاہم اس مدت میں بھی کلیتہً ان کے ہاتھ سے حکومت نہیں گئی۔ البتہ بعض شہروں پر سے حکومت ہٹ گئی تھی ہاں سنہ ۱۳۲ھ میں بنوالعباس نے اس سے خلافت اپنے قبضہ میں کر لی' پس ان کی سلطنت کی مدت بانوے برس ہوئی اور یہ ایک ہزار ماہ سے بہت زیادہ ہے' ایک ہزار مہینے کے تراسی سال چار ماہ ہوتے ہیں' ہاں قاسم بن فضل کا یہ حساب اس طرح تو تقریباً ٹھیک ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیر کی مدت خلافت اس گنتی میں سے نکال دی جائے واللہ اعلم۔

اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ بنوامیہ کی سلطنت کے زمانہ کی تو برائی اور مذمت بیان کرنی مقصود ہے اور لیلۃ القدر کی اس زمانہ پر فضیلت کا ثابت ہونا کچھ ان کے زمانہ کی مذمت کی دلیل نہیں' لیلۃ القدر تو ہر طرح بندگی والی ہے ہی اور یہ پوری سورت اس مبارک رات کی مدح وستائش بیان کر رہی ہے' پس بنوامیہ کے زمانہ کے دنوں کی مذمت سے لیلۃ القدر کی کون سی فضیلت ثابت ہو جائے گی یہ تو بالکل وہی مثل اصل ہو جائے گی کہ کوئی شخص تلوار کی تعریف کرتے ہوئے کہے کہ لکڑی سے بہت تیز ہے' کسی بہترین فضیلت والے شخص کو کسی کم درجہ کے ذلیل شخص پر فضیلت دینا تو اس شریف بزرگ کی توہین کرنا ہے' اور وجہ سنئے اس روایت کی بنا پر یہ ایک ہزار مہینے وہ ہوئے جن میں بنوامیہ کی سلطنت رہے گی اور یہ سورت اتری ہے' مکہ شریف میں تو اس میں ان مہینوں کا حوالہ کیسے دیا جا سکتا ہے جو بنوامیہ کے زمانہ کے ہیں' اس پر نہ تو کوئی لفظ دلالت کرتا ہے نہ معنی کے طور پر یہ سمجھا جا سکتا ہے' ممبر تو مدینہ میں قائم ہوتا ہے اور ہجرت کی ایک مدت بعد ممبر بنایا جاتا ہے اور رکھا جاتا ہے پس ان تمام وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ضعیف اور منکر ہے واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا جو ایک ہزار ماہ تک اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں ہتھیار بند رہا' مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب معلوم ہوا تو اللہ عزوجل نے یہ سورت اتاری کہ ایک لیلۃ القدر کی عبادت اس شخص کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو رات کو قیام کرتا تھا' صبح تک اور دن میں دشمنان دین سے جہاد کرتا تھا شام تک' ایک ہزار مہینے تک یہی کرتا رہا' پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ اس امت کے کسی شخص کا صرف لیلۃ القدر کا قیام اس عابد کی ایک ہزار مہینے کی اس عبادت سے افضل ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار عابدوں کا

ذکر کیا جنہوں نے اسی سال تک خدا تعالیٰ کی عبادت کی تھی ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی تھی' حضرت ایوب' حضرت ذکریا' حضرت خرقیل بن عجوز' حضرت یوشع بن نون علیہم السلام۔ اصحاب رسول ﷺ کو سخت تر تعجب ہوا' آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ آپ کی امت نے اس جماعت کی اس عبادت پر تعجب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی افضل چیز آپ پر نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ افضل ہے اس سے جن پر آپ اور آپ کی امت نے تعجب ظاہر کیا تھا۔ پس آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ بے حد خوش ہوئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس رات کا نیک عمل' اس کا روزہ' اس کی نماز ایک ہزار مہینوں کے روزے بے نماز سے افضل ہے جن میں لیلتہ القدر نہ ہو اور مفسرین کا بھی یہ قول ہے۔

امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار مہینے جن میں لیلتہ القدر نہ ہو' یہی ٹھیک ہے اس کے سوا اور کوئی قول ٹھیک نہیں' جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک رات کی جہاد کی تیاری اس کے سوا کی ایک ہزار راتوں سے افضل ہے (مسند احمد) اسی طرح اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی نیت اور اچھی حالت سے جمعہ کی نماز کے لئے جائے اس کے لئے ایک سال کے اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے سال بھر کے روزوں کا اور سال بھر کی نمازوں کا' اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں' پس مطلب یہ ہے کہ مراد ایک ہزار مہینے سے وہ مہینے ہیں جن میں لیلتہ القدر نہ آئے جیسے ایک ہزار راتوں سے مراد راتیں ہیں جن میں کوئی رات اس عبادت کی نہ ہو اور جیسے جمعہ کی طرف جانے والے کو ایک سال کی نیکیاں یعنی وہ سال جس میں جمعہ نہ ہو۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو تم پر رمضان کا مہینہ آ گیا' یہ بابرکت مہینہ آ لگا' اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کئے ہیں' اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں' شیاطین قید کر لئے جاتے ہیں' اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینے سے افضل ہے' اس کی بھلائی سے محروم رہنے والا حقیقی بدقسمت ہے۔ نسائی شریف میں بھی یہ روایت ہے چونکہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے' اس لئے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لیلتہ القدر کا قیام ایمانداری اور نیک نیتی سے کرے اس کے تمام اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اس رات کی برکت کی زیادتی کی وجہ سے بکثرت فرشتے اس میں نازل ہوتے ہیں' فرشتے تو ہر برکت اور رحمت کے ساتھ نازل ہوتے رہتے ہیں جیسے تلاوت قرآن کے وقت اترتے ہیں اور ذکر کی مجلسوں کو گھیر لیتے ہیں اور علم دین کے سیکھنے والوں کے لئے راضی خوشی اپنے پر بچھا دیا کرتے ہیں اور اس کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ روح سے مراد یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں' یہ خاص عطف ہے عام پر' بعض کہتے ہیں روح کے نام کے ایک خاص قسم کے فرشتے ہیں' جیسے کہ سورۂ عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ کی تفسیر میں تفصیل سے گذر چکا واللہ اعلم۔ پھر فرمایا وہ سراسر سلامتی والی رات ہے جس مین شیطان نہ تو برائی کر سکتا ہے نہ ایذا پہنچا سکتا ہے۔ حضرت قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس میں تمام کاموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے' عمر اور رزق مقدر کیا جاتا ہے' جیسے اور جگہ ہے فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ یعنی اسی رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اس رات میں فرشتے مسجد والوں پر صبح تک سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ امام بیہقی نے اپنی کتاب فضائل اوقات میں حضرت علی کا ایک غریب اثر فرشتوں کے نازل ہونے میں نمازیوں پر ان کے گذرنے میں اور انہیں برکت حاصل ہونے میں وارد کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک عجیب و غریب بہت طول طویل اثر وارد کیا ہے جس میں فرشتوں کا سدرۃ المنتہیٰ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ زمین پر آنا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں کرنا وارد ہے۔ ابوداؤد طیالسیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلتہ القدر ستائیسویں ہے یا انتیسویں' اس رات میں فرشتے

زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں- عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰ فرماتے ہیں اس رات میں ہر امر سے سلامتی ہے یعنی کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوتی-

حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا قول ہے کہ یہ رات سراسر سلامتی والی ہے' کوئی برائی صبح ہونے تک نہیں ہوتی- مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلتہ القدر دس باقی کی راتوں میں ہے جو ان کا قیام طلب ثواب کی نیت سے کرے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے' یہ رات اکائی کی ہے یعنی اکیسویں یا تئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا آخری رات' آپ فرماتے ہیں یہ رات بالکل صاف اور ایسی روشن ہوتی ہے کہ گویا چاند چڑھا ہوا ہے' اس میں سکون اور دلجمعی ہوتی ہے' نہ سردی زیادہ ہوتی ہے نہ گرمی' صبح تک ستارے نہیں جھڑتے' ایک نشانی اس کی یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج تیز شعاروں سے نہیں نکلتا بلکہ وہ چودہویں رات کے چاند کی طرح صاف نکلتا ہے' اس دن اس کے ساتھ شیطان بھی نہیں نکلتا' یہ اسناد تو صحیح ہے لیکن متن میں غرابت ہے اور بعض الفاظ میں نکارت بھی ہے- ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلتہ القدر صاف' پرسکون' سردی گرمی سے خالی رات ہے' اس کی صبح کو سورج مدھم روشنی والا سرخ رنگ نکلتا ہے- حضرت ابو عاصم نبیل اپنی اسناد سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا لیلتہ القدر دکھلایا گیا پھر بھلا دیا گیا' یہ آخری دس راتوں میں ہے یہ صاف شفاف سکون و وقار والی رات ہے نہ زیادہ سردی ہوتی ہے نہ زیادہ گرمی' اس قدر روشن رات ہوتی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے گویا چاند چڑھا ہوا ہے سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا یہاں تک کہ دھوپ چڑھ جائے-

فصل: ☆☆ اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ لیلتہ القدر اگلی امتوں میں بھی تھی یا صرف اسی امت کو خصوصیت کے ساتھ عطا کی گئی ہے' پس ایک حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب نظریں ڈالیں اور یہ معلوم کیا کہ اگلے لوگوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی تھیں تو آپ کو خیال گذرا کہ میری امت کی عمریں ان کے مقابلہ میں کم ہیں تو نیکیاں بھی کم رہیں گی اور پھر درجات اور ثواب میں بھی کمی رہے گی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ رات عنایت فرمائی اور اس کا ثواب ایک ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ دینے کا وعدہ فرمایا' اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسی امت کو یہ رات دی گئی ہے بلکہ صاحب عدق نے جو شافعیہ میں سے ایک امام ہیں جمہور علماء کا یہی قول نقل کیا ہے- واللہ اعلم-

اور خطابی نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن ایک حدیث اور ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات جس طرح اس امت میں ہے اگلی امتوں میں بھی تھی- چنانچہ حضرت مرثد فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے لیلتہ القدر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کیا سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا سنو میں حضورؐ سے اکثر باتیں دریافت کرتا رہتا تھا' ایک مرتبہ میں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو فرمایئے کہ لیلتہ القدر رمضان میں ہی ہے یا اور مہینوں میں؟ آپ نے فرمایا رمضان میں- میں نے کہا اچھا یا رسول اللہ یہ انبیاء کے ساتھ ہی ہے کہ جب تک وہ ہیں یہ بھی ہے جب انبیاء قبض کئے جاتے ہیں تو یہ بھی اٹھ جاتی ہیں یا یہ قیامت تک باقی رہے گی؟ حضور نے جواب دیا کہ نہیں وہ قیامت تک باقی رہے گی' میں نے کہا اچھا رمضان کے کس حصہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا اسے رمضان کے اول دہے میں اور آخری دہے میں ڈھونڈ- پھر میں خاموش ہو گیا آپ بھی اور باتوں میں مشغول ہو گئے میں نے پھر موقعہ پا کر سوال کیا کہ حضورؐ ان دونوں عشروں میں سے کس عشرے میں اس رات کو تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا آخری عشرے میں' بس اب کچھ نہ پوچھنا' میں پھر چپکا ہو گیا لیکن پھر موقعہ پا کر میں نے سوال کیا کہ حضورؐ آپ کو قسم ہے میرا بھی کچھ حق آپ پر ہے فرما دیجئے کہ وہ کون سی رات ہے؟ آپ سخت غصے ہوئے' میں نے تو کبھی آپ کو اپنے اوپر اتنا غصہ ہوتے ہوئے دیکھا ہی نہیں اور فرمایا آخری ہفتہ میں تلاش کر و اب کچھ نہ پوچھا- یہ روایت نسائی میں بھی مروی ہے'

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات اگلی امتوں میں بھی تھی اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات نبی ﷺ کے بعد بھی قیامت تک ہر سال آتی رہے گی' بعض شیعہ کا قول ہے کہ یہ رات بالکل اٹھ گئی یہ قول غلط ہے' ان کو غلط فہمی اس حدیث سے ہوئی ہے جس میں ہے کہ وہ اٹھا لی گئی اور ممکن ہے کہ تمہارے لئے اسی میں بہتری ہو' یہ حدیث پوری بھی آئے گی۔

مطلب حضور کے اس فرمان سے یہ ہے کہ اس رات کی تعیین اور اس کا تقرر اٹھ گیا نہ یہ کہ سرے سے لیلتہ القدر ہی اٹھ گئی مندرجہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رات رمضان شریف میں آتی ہے کسی اور مہینہ میں نہیں۔ حضرت ابن مسعود اور علماء کوفہ کا قول ہے کہ سارے سال میں ایک رات ہے اور ڈ ہر مہینہ میں اس کا ہو جانا ممکن ہے' یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ اس شخص کی دلیل جو کہتا ہے لیلتہ القدر سارے رمضان میں ہے' پھر حدیث لائے ہیں کہ حضورؐ سے لیلتہ القدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سارے رمضان میں ہے' اس کی سند کے کل راوی ثقہ ہیں' یہ موقوف بھی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ رمضان المبارک کے سارے مہینہ میں اس رات کا ہونا ممکن ہے' غزالی نے اس کو نقل کیا ہے لیکن رافعی اسے بالکل غریب بتلاتے ہیں۔

فصل: ☆☆ ابوزرین تو فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات ہی لیلتہ القدر ہے۔ امام شافعی محمد بن ادریسؒ کا فرمان ہے کہ یہ سترھویں شب ہے' ابوداؤد میں اس مضمون کی ایک حدیث مرفوع مروی ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن العاص سے موقوف بھی مروی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا مذہب بھی یہی نقل کیا گیا ہے' اس کی ایک دلیل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ رمضان المبارک کی یہی سترھویں رات شب جمعہ تھی اور یہی رات بدر کی رات تھی اور سترھویں تاریخ کو جنگ بدر واقع ہوئی تھی جس دن کو قرآن نے یوم الفرقان کہا ہے' حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ انیسویں رات لیلتہ القدر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اکیسویں رات ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان شریف کے دس پہلے دن کا اعتکاف کیا' ہم بھی آپ کے ساتھ ہی اعتکاف بیٹھے پھر آپ کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور فرمایا کہ جسے آپ ڈھونڈتے ہیں وہ تو آپ کے آگے ہے' پھر آپ نے دس سے بیس تک کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی' پھر جبرئیلؑ آئے اور یہی فرمایا کہ جسے آپ ڈھونڈتے ہیں وہ تو ابھی بھی آگے ہے' یعنی لیلتہ القدر پس رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ پھر اعتکاف میں بیٹھ جائیں میں نے لیلتہ القدر دیکھ لی لیکن میں بھول گیا۔ لیلتہ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے' میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت صرف کھجور کے پتوں کی تھی' آسمان پر اس وقت ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ تھا' پھر ابر اٹھا اور بارش ہوئی اور نبی ﷺ کا خواب سچا ہوا اور میں نے خود دیکھا کہ نماز کے بعد آپ کی پیشانی پر ترمٹی لگی ہوئی تھی۔ اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ یہ اکیسویں رات کا واقعہ ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری' صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تمام روایتوں میں سب سے زیادہ صحیح یہی حدیث ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ لیلتہ القدر رمضان شریف کی تیئیسویں رات ہے' اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن انیسؓ کی صحیح مسلم والی ایسی ہی ایک روایت ہے واللہ اعلم۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ چوبیسویں رات ہے' ابوداؤد طیالسی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لیلتہ القدر چوبیسویں شب ہے' اس کی سند بھی صحیح ہے' مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں۔ بخاری میں حضرت بلال کہ یہ پہلی ساتویں ہے آخری دس میں سے' یہ موقوف روایت ہی صحیح ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابن مسعود' ابن عباس' جابر' حسن' قتادہ' عبداللہ بن وہب

رحمہم اللہ عنہم بھی فرماتے ہیں کہ چوبیسویں رات لیلتہ القدر ہے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت کی ہوئی مرفوع حدیث بیان ہو چکی ہے کہ قرآن کریم رمضان شریف کی چوبیسویں رات کو اترا' بعض کہتے ہیں پچیسویں رات لیلتہ القدر ہے' ان کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اسے رمضان کے آخری عشرے میں ڈھونڈو نو باقی رہیں تب' سات باقی رہیں تب' پانچ باقی رہیں تب اکثر محدثین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد طاق راتیں ہیں' یہی زیادہ ظاہر ہے اور زیادہ مشہور ہے' گو بعض اوروں نے اسے جفت راتوں پر بھی محمول کیا ہے جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ نے اسے جفت پر محمول کیا ہے واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے' اس کی دلیل صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ ستائیسویں رات ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت زرؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو فرماتے ہیں جو شخص سال بھر راتوں کو قیام کرے گا وہ لیلتہ القدر کو پائے گا' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے وہ جانتے ہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے' یہ ستائیسویں رات رمضان کی ہے پھر اس بات پر حضرت ابی نے قسم کھائی۔ میں نے پوچھا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیا کہ ان نشانیوں کو دیکھنے سے جو ہم بتائے گئے ہیں کہ اس دن سورج شعاؤں بغیر نکلتا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے' آپ نے اس پر انشاء اللہ بھی نہیں فرمایا اور پختہ قسم کھائی' پھر فرمایا مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ کون سی رات ہے جس میں قیام کرنے کا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے' یہ ستائیسویں رات ہے' اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی صبح کو سورج سفید رنگ نکلتا ہے اور تیزی زیادہ نہیں ہوتی حضرت معاویہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ رات ستائیسویں رات ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا مختار مسلک بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اسی قول کی ہے۔

بعض سلف نے قرآن کریم کے الفاظ سے بھی اس کے ثبوت کا حوالہ دیا ہے اس طرح کہ ھی اس سورت میں ستائیسواں کلمہ ہے اور اس کے معنی ہیں یہ فاللہ اعلم' طبرانی میں ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصحاب رسول ﷺ کو جمع کیا اور ان سے لیلتہ القدر کی بابت سوال کیا تو سب کا اجماع اس امر پر ہوا کہ یہ رمضان کے آخری دہے میں ہے' ابن عباسؓ نے اس وقت فرمایا کہ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کون سی رات ہے' حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر کہو وہ کون سی رات ہے؟ فرمایا اس آخری عشرے میں سات گزرنے پر یا سات باقی رہنے پر' حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیسے معلوم ہوا تو جواب دیا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے آسمان بھی سات پیدا کئے اور زمینیں بھی سات بنائیں' مہینہ بھی ہفتوں پر ہے' انسان کی پیدائش بھی سات پر ہے' کھانا بھی سات ہے سجدہ بھی سات پر ہے' طواف بیت اللہ کی تعداد بھی سات کی ہے' رمی جمار کی کنکریاں بھی سات ہیں اور اسی طرح کی سات کی گنتی کی بہت سی چیزیں اور بھی گنوادیں' حضرت فاروق اعظم نے فرمایا تمہاری سمجھ وہاں پہنچی جہاں تک ہمارے خیالات کو رسائی نہ ہو سکی' یہ جو فرمایا سات ہی کھاتا ہے اس سے قرآن کریم کی آیتیں فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا مراد ہیں جن میں سات چیزوں کا ذکر ہے جو کھائی جاتی ہیں' اس کی اسناد بھی جید اور قوی ہے کہ انتیسویں رات ہی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اسے آخری عشرے میں ڈھونڈو' طاق راتوں میں اکیس' تئیس' پچیس' ستائیس اور انتیس یا آخری رات۔ مسند میں ہے کہ لیلتہ القدر ستائیسویں رات ہے یا انتیسویں۔ اس رات فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ

ہوتے ہیں' اس کی اسناد بھی اچھی ہے' ایک قول یہ بھی ہے کہ آخری رات لیلتہ القدر ہے کیونکہ ابھی جو حدیث گذری اس میں ہے اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے کہ جب نو باقی رہ جائیں یا سات یا پانچ یا تین یا آخری رات یعنی ان راتوں میں لیلتہ القدر کی تلاش کرو' امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند میں ہے یہ آخری رات ہے۔

فصل: ☆☆ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان مختلف حدیثوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ یہ سوالوں کا جواب ہے کسی نے کہا حضرت ہم اسے فلاں رات میں تلاش کریں' تو آپ نے فرما دیا ہاں حقیقت یہ ہے کہ لیلتہ القدر مقرر ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہوتی' امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا اسی معنی کا قول نقل کیا ہے۔ ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ آخری عشرے کی راتوں میں یہ پھیر بدل ہوا کرتی ہے امام مالکؒ امام ثوریؒ امام احمد بن حنبلؒ امام اسحاق بن راہویہؒ ابو ثور مزنیؒ' ابو بکر بن خزیمہ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے' امام شافعی سے بھی قاضی نے یہی نقل کیا ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے واللہ اعلم۔ اس قول کی تھوڑی بہت تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ چند اصحاب رسول ﷺ خواب میں لیلتہ القدر رمضان کی سات پچھلی راتوں میں دکھائے گئے آپ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس بارے میں موافق ہیں' ہر طلب کرنے والے کو چاہئے کہ لیلتہ القدر کو ان سات آخری راتوں میں تلاش کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی بخاری مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرو۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے اس فرمان پر کہ لیلتہ القدر ہر رمضان میں ایک معین رات ہے اور اس کا ہیر پھیر نہیں ہوتا' یہ حدیث دلیل بن سکتی ہے جو صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لئے کہ فلاں رات لیلتہ القدر ہے نکلے' دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لئے آیا تھا لیکن فلاں فلاں کی لڑائی کی وجہ سے وہ اٹھالی گئی اور ممکن ہے کہ اسی میں تمہاری بہتری ہو' اب اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو' وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر اس کا تعین ہمیشہ کے لئے نہ ہوتا تو ہر سال کی لیلتہ القدر کا علم حاصل نہ ہوتا' اگر لیلتہ القدر کا ہیر پھیر ہوتا رہتا تو صرف اس سال کے لئے تو معلوم ہو جاتا۔

کہ فلاں رات ہے لیکن اور برسوں کے لئے تعیین نہ ہوتی۔ ہاں یہ ایک جواب اس کا ہو سکتا ہے کہ آپ صرف اسی سال کی اس مبارک رات کی خبر دینے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑائی جھگڑا خیر و برکت اور نفع دینے والے علم کو غارت کر دیتا ہے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے گناہ کے باعث خدا کی روزی سے محروم رکھ دیا جاتا ہے' یہ یاد رہے کہ اس حدیث میں جو آپ نے فرمایا کہ وہ اٹھالی گئی اس سے مراد اس کی تعیین کے علم کا اٹھا لیا جانا ہے نہ یہ کہ بالکل لیلتہ القدر ہی دنیا سے اٹھالی گئی' جیسے کہ جاہل شیعہ کا قول ہے' اس پر بڑی دلیل یہ ہے کہ اس لفظ کے بعد ہی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو' آپ کا یہ فرمان کہ ممکن ہے اسی میں تمہاری بہتری ہو یعنی اس کی مقرر تعیین کا علم نہ ہونے میں' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ مبہم ہے تو اس کا ڈھونڈنے والا جن جن راتوں میں اس کا ہونا ممکن دیکھے گا ان تمام راتوں میں کوشش و خلوص کے ساتھ عبادت میں لگا رہے گا بخلاف اس کے کہ معلوم ہو جائے کہ فلاں رات ہی ہے تو وہ صرف اسی ایک رات کی عبادت کرے گا' کیونکہ ہمتیں پست ہیں' اس لئے حکمت حکیم کا تقاضا یہی ہوا کہ اس رات کی تعیین کی خبر نہ دی جائے تاکہ اس رات کے پالینے کے شوق میں اس مبارک مہینہ میں جی لگا کر اور دل کھول کر بندے اپنے معبود برحق کی بندگی کریں اور آخری عشرے میں تو پوری کوشش اور خلوص کے ساتھ عبادتوں میں مشغول رہیں۔ اسی لئے خود پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی اپنے انتقال تک رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے اور آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آخری دس راتیں رمضان شریف کی رہ جاتیں تو اللہ کے رسول ﷺ ساری رات جاگتے اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور کمر کس لیتے (صحیحین)

مسلم شریف میں ہے کہ حضورؐ ان دنوں میں جس محنت کے ساتھ عبادت کرتے اتنی محنت سے عبادت آپ کی اور وقت نہیں ہوتی تھی' یہی معنی ہیں اوپر والی حدیث کے اس جملے کے کہ آپ تہمد مضبوط باندھ لیا کرتے یعنی کمر کس لیا کرتے' یعنی عبادت میں پوری کوشش کرتے' گو اس کے یہ معنی کئے گئے ہیں کہ آپ بیویوں سے نہ ملتے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی باتیں مراد ہوں یعنی بیویوں سے ملنا بھی ترک کر دیتے تھے اور عبادت کی مشغولی میں بھی کمر باندھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث کے یہ لفظ ہیں کہ جب رمضان کا آخری دہا باقی رہ جاتا تو آپ تہمد مضبوط باندھ لیتے اور عورتوں سے الگ رہتے' امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان کی آخری دسوں راتوں میں لیلتہ القدر کی یکساں جستجو کرے' کسی ایک رات کو دوسری رات پر ترجیح نہ دے (شرح رافعی)۔ یہ بھی یاد رہے کہ یوں تو ہر وقت دعا کی کثرت مستحب ہے لیکن رمضان میں اور زیادتی کرے اور خصوصاً آخری عشرے میں اور بالخصوص طاق راتوں میں اس دعا کو بہ کثرت پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ خدا تو درگذر کرنے والا اور درگذر کو پسند فرمانے والا ہے مجھ سے بھی درگذر فرما۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورؐ سے پوچھا کہ اگر مجھے لیلتہ القدر سے موافقت ہو تو میں کیا دعا پڑھوں؟ آپ نے یہی دعا بتلائی۔ یہ حدیث ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے' امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ مروی ہے اور امام حاکم اسے شرط صحیحین پر صحیح بتلاتے ہیں' ایک عجیب وغریب اثر جس کا تعلق لیلتہ القدر سے ہے۔

امام ابو محمد بن ابو حاتم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس سورت کی تفسیر میں حضرت کعب سے یہ روایت وارد کی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جو ساتویں آسمان کی حد پر جنت سے متصل ہے جو دنیا اور آخرت کے فاصلہ پر ہے' اس کی بلندی جنت میں ہے' اس کی شاخیں اور ڈالیاں کرسی تلے ہیں' اس میں اس قدر فرشتے ہیں جن کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا' اس کی ہر ہر شاخ پر بیشمار فرشتے ہیں' ایک بال برابر بھی جگہ ایسی نہیں جو فرشتوں سے خالی ہو' اس درخت کے بیچوں بیچ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل کو آواز دی جاتی ہے کہ اے جبرئیل لیلتہ القدر میں اس درخت کے تمام فرشتوں کو لے کر زمین پر جاؤ' یہ کل کے کل فرشتے رافت ورحمت والے ہیں' جن کے دلوں میں ہر ہر مومن کے لئے رحم کے جذبات موج زن ہیں' سورج غروب ہوتے ہی یہ کل کے کل فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ لیلتہ القدر میں اترتے ہیں' تمام روئے زمین پر پھیل جاتے ہیں' ہر ہر جگہ سجدے میں قیام میں مشغول ہو جاتے ہیں اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں' ہاں گرجا گھر میں' مندر میں' آتش کدے میں' بت خانے میں غرض خدا کے سوا اوروں کی جہاں پرستش ہوتی ہے وہاں تو یہ فرشتے نہیں جاتے اور ان جگہوں میں بھی جن میں تم گندی چیزیں ڈالتے ہو اور اس گھر میں بھی جہاں نشے والا شخص ہو یا نشہ والی چیز ہو یا جس گھر میں کوئی بت گڑا ہوا ہو یا جس گھر میں باجے گاجے گھنٹیاں ہوں یا ہیولے ہو یا کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو وہاں تو یہ رحمت کے فرشتے جاتے نہیں' باقی چپے چپے پر گھوم جاتے ہیں اور ساری رات مومن مردوں عورتوں کے لئے دعائیں مانگنے میں گذارتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام مومنوں سے مصافحہ کرتے ہیں' اس کی نشانی یہ ہے کہ رونگھٹے جسم پر کھڑے ہو جائیں' دل نرم پڑ جائے' آنکھیں بہہ نکلیں اس وقت آدمی کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت میرا ہاتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں جو شخص اس رات میں تین مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے اس کی پہلی مرتبہ کے پڑھنے پر گناہوں کی بخشش ہو جاتی

ہے' دوسری مرتبہ کے کہنے پر آگ سے نجات مل جاتی ہے' تیسری مرتبہ کے کہنے پر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ اے ابو اسحاق جو اس کلمہ کو سچائی سے کہے اس کے؟ فرمایا یہ تو نکلے گا ہی اس کے منہ سے جو سچائی سے اس کا کہنے والا ہو' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ لیلۃ القدر کافر و منافق پر تو اتنی بھاری پڑتی ہے کہ گویا اس کی پیٹھ پر پہاڑ آ پڑا۔ غرض فجر ہونے تک فرشتے اسی طرح رہتے ہیں' پھر سب سے پہلے حضرت جبرئیلؑ چڑھتے ہیں اور بہت اونچے چڑھ کر اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں بالخصوص ان دو سبز پروں کو جنہیں اس رات کے سوا وہ کبھی نہیں پھیلاتے' یہی وجہ ہے کہ سورج کی تیزی ماند پڑ جاتی ہے اور شعائیں جاتی رہتی ہیں' پھر ایک ایک فرشتے کو پکارتے ہیں اور سب کے سب اوپر چڑھتے ہیں' پس فرشتوں کا نور اور جبرئیل علیہ السلام کے پروں کا نور مل کر سورج کو ماند کر دیتا ہے' اس دن سورج متحیر رہ جاتا ہے' حضرت جبرئیل اور یہ سارے کے سارے بیشمار فرشتے یہ دن آسمان و زمین کے درمیان مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے رحمت کی دعائیں مانگنے میں اور ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرنے میں گذار دیتے ہیں نیک نیتی کے ساتھ روزے رکھنے والوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کا یہ خیال رہا کہ اگلے سال بھی اگر خدا نے زندگی رکھی تو رمضان کے روزے عمدگی کے ساتھ پورے کریں گے' یہی دعائیں مانگتے رہتے ہیں' شام کو آسمان دنیا پر چڑھ جاتے ہیں وہاں کے تمام فرشتے حلقے باندھ باندھ کر ان کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت کے بارے میں ان سے سوال کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کو امسال تم نے کس حالت میں پایا' تو یہ کہتے ہیں کہ گذشتہ سال تو ہم نے اسے عبادتوں میں پایا تھا لیکن اس سال تو وہ بدعتوں میں مبتلا تھا اور فلاں شخص گذشتہ سال بدعتوں میں مبتلا تھا لیکن اس سال ہم نے اسے سنت کے مطابق عبادتوں میں پایا' پس یہ فرشتے اس سے پہلے شخص کے لئے بخشش کی دعائیں مانگنی موقوف کر دیتے ہیں اور اس دوسرے شخص کے لئے شروع کر دیتے ہیں اور یہ فرشتے انہیں سناتے ہیں کہ فلاں فلاں کو ہم نے ذکر اللہ میں پایا اور فلاں کو رکوع میں اور فلاں کو سجدے میں اور فلاں کو کتاب اللہ کی تلاوت میں' غرض ایک رات دن یہاں گذار کر دوسرے آسمان پر جاتے ہیں' یہاں بھی یہی ہوتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ میں اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ مجھ میں بسنے والو میرا بھی تم پر حق ہے' میں بھی ان سے محبت رکھتا ہوں جو خدا سے محبت رکھیں ذرا مجھے بھی تو لوگوں کی حالت کی خبر دو اور ان کے نام بتاؤ۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب فرشتے اس کے سامنے گنتی کر کے اور ایک ایک مرد و عورت کا مع ولدیت کے نام بتلاتے ہیں پھر جنت سدرۃ المنتہیٰ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتی ہے کہ تجھ میں رہنے والے فرشتوں نے جو خبریں تجھے دی ہیں مجھ سے بھی تو بیان کر' چنانچہ سدرہ اس سے ذکر کرتا ہے یہ سن کر وہ کہتی ہے خدا کی رحمت ہو فلاں مرد پر اور فلاں عورت پر' خدایا تمہیں جلدی مجھ سے ملا۔ جبرئیل علیہ السلام سب سے پہلے اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں انہیں الہام ہوتا ہے اور یہ عرض کرتے ہیں پروردگار میں نے تیرے فلاں فلاں بندوں کو سجدے میں پایا تو انہیں بخش' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بخشا' حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو سناتے ہیں' پھر سب کہتے ہیں فلاں فلاں مرد و عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور مغفرت ہوئی' پھر حضرت جبرئیل خبر دیتے ہیں کہ باری تعالیٰ فلاں شخص کو گذشتہ سال تو عامل سنت اور عابد چھوڑا تھا لیکن امسال تو بدعتوں میں پڑ گیا ہے اور تیرے احکام سے روگردانی کر لی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبرئیل اگر یہ مرنے سے تین ساعت پہلے بھی توبہ کر لے گا تو میں اسے بخش دوں گا اس وقت حضرت جبرئیل بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں خدایا تیرے ہی لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں' الٰہی تو اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ مہربان ہے' بندوں پر تیری مہربانی خود ان کی مہربانی سے بھی بڑھی ہوئی ہے' اس وقت عرش اور اس کے آس پاس کی چیزیں اور پردے اور تمام آسمان جنبش میں آ جاتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں اَلْحَمْدُ

لِلّٰہِ الرَّحِیمِ - اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ الرَّحِیمِ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان شریف کے روزے پورے کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ رمضان کے بعد بھی میں گناہوں سے بچتا رہوں گا وہ بغیر سوال جواب کے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو گا' سورۂ لیلتہ القدر کی تفسیر الحمدللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورة البينة

سات قراءت اور قرآن حکیم: ☆☆ جب یہ سورت اتری تو حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اللہ کا آپ کو حکم ہوا ہے کہ یہ سورت حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو سناؤ حضورؐ نے حضرت ابی سے یہ ذکر کیا تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ کیا وہاں میرا ذکر کیا گیا' آپ نے فرمایا ہاں ہاں تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا یارسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا؟ یہ حدیث بخاری' مسلم' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔

مسند کی اور روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت ابیؓ نے یہ واقعہ بیان کیا اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابزاء نے کہا کہ پھر تو تم اے ابو منذر بہت ہی خوش ہوئے ہو گے' کہا ہاں خوش کیوں نہ ہوتا؟ خدا خود فرماتا ہے قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ لوگ خوش ہوا کریں یہ ان کے جمع کئے ہوئے سے بہت ہی بہتر ہے اور حدیث میں ہے کہ حضور نے یہ سورت حضرت ابیؓ کے سامنے پڑھی اس میں یہ آیت بھی تھی لَوۡ اَنَّ ابۡنَ اٰدَمَ سَاَلَ وَادِيًا مِنۡ مَّالٍ فَاُعۡطِيَهٗ لَسَاَلَ ثَانِيًا وَّلَوۡ سَاَلَ ثَانِيًا فَاُعۡطِيَهٗ لَسَاَلَ ثَالِثًا وَلَا يَمۡلَاُ جَوۡفَ ابۡنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنۡ تَابَ وَاِنَّ ذَاتَ الدِّيۡنِ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡحَنِيۡفَةُ غَيۡرَ الۡمُشۡرِكَةِ وَلَا الۡيَهُوۡدِيَّةِ وَلَا النَّصۡرَانِيَّةِ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ خَيۡرًا فَلَنۡ يُّكۡفَرَهٗ یعنی اگر انسان مجھ سے ایک جنگل بھر کر سونا مانگے اور میں اسے دے دوں تو پھر دوسرا مانگے گا اور دوسرے کو بھی دے دوں تو یقیناً تیسرے کی طلب کرے گا' انسان کے پیٹ کو سوا مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے' اللہ کے نزدیک دیندار وہ ہے جو یکطرفہ ہو کر صرف اس کی عبادت کرے' نہ وہ مشرک ہو نہ یہودی ہو نہ نصرانی ہو' جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے اللہ کے ہاں اس کی ناقدری نہ کی جائے گی (مسند احمد)

ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں تو حضرت ابیؓ نے فرمایا کہ حضرت میں اللہ پر ایمان لایا' آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا' آپ ہی سے علم دین حاصل کیا' آپ نے پھر یہی فرمایا۔ اس پر حضرت ابی نے فرمایا یارسول اللہ کیا میرا وہاں ذکر کیا گیا' آپ نے فرمایا تیرے نام سب کے ساتھ مَلَاءُ الۡاَعۡلٰی میں تیرا ذکر ہوا حضرت ابی نے فرمایا اچھا پھر پڑھئے' یہ روایت اس طریقہ سے غریب ہے اور ثابت وہ ہے جو پہلے بیان ہوا۔

یہ یاد رہے کہ حضور کا اس سورت کو حضرت ابی کے سامنے پڑھنا یہ ان کی ثابت قدمی اور ان کے ایمان کی زیادتی کے لئے تھا۔ مسند احمد نسائی ابوداؤد اور مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات سن کر حضرت ابیؓ بگڑ بیٹھے تھے کیونکہ انہوں نے جس طرح اس سورت کو آنحضرت ﷺ سے سیکھا تھا حضرت عبداللہ نے اسی طرح نہیں پڑھا تھا تو غصے میں آ کر انہیں لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے حضورؐ نے ان دونوں سے قرآن سنا' اس نے اپنے طریقے پر' اس نے اپنے طور پر پڑھا' آپ نے فرمایا دونوں نے درست پڑھا۔ حضرت ابیؓ فرماتے ہیں میں تو اس قدر شک و شبہ میں پڑ گیا کہ جاہلیت کے زمانہ کا شک سامنے آ گیا آپ نے یہ حالت دیکھ کر میرے

سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جس سے میں پسینوں پسینوں ہو گیا اور اس قدر مجھ پر خوف طاری ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے فرمایا سن جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا خدا کا حکم ہے کہ قرآن ایک ہی قرات پر اپنی امت کو پڑھاؤ' میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر اور بخشش و مغفرت چاہتا ہوں' پھر مجھے دو طرح کی قراتوں کی اجازت ہوئی لیکن میں پھر بھی زیادہ طلب کرتا رہا یہاں تک کہ سات قراتوں کی اجازت ملی۔ یہ حدیث بہت سی سندوں اور مختلف الفاظ سے تفسیر کے شروع میں پوری طرح بیان ہو چکی ہے اب جبکہ یہ مبارک سورت نازل ہوئی اور اس میں آیت رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ بھی نازل ہوئی تھی اس لئے حضور کو حکم ہوا کہ بطور پہنچا دینے کے اور ثابت قدمی عطا فرمانے کے اور آگاہی کرنے کے پڑھ کر حضرت ابی کو سنا دیں' کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ بطور سیکھنے کے اور یاد رہنے کے آپ نے یہ سورت ان کے پاس تلاوت کی تھی واللہ اعلم۔ پس جس طرح آپ نے حضرت ابیؓ کے اس دن کے شک و شبہ کے دفع کرنے کے لئے جو انہیں مختلف قراتوں کو حضورؐ کے جائز رکھنے پر پیدا ہوا تھا ان کے سامنے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی' ٹھیک اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے بھی حدیبیہ والے سال صلح کے معاملہ پر اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے بہت سے سوالات حضورؐ سے کئے تھے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا آپ نے ہمیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ شریف جائیں گے اور طواف کریں گے' آپ نے فرمایا ہاں یہ تو ضرور کہا تھا لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال یہ ہوگا' یقیناً وہ وقت آ رہا ہے کہ تو وہاں پہنچے گا اور طواف کرے گا' اب حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے سورۂ فتح نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کو بلوایا اور یہ سورت پڑھ کر سنائی جس میں یہ آیت بھی ہے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ الخ' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا یقیناً تمہارا داخلہ مسجد حرام میں امن و امان کے ساتھ ہوگا جیسے کہ پہلے اس کا بیان بھی گذر چکا۔ حافظ ابو نعیم اپنی کتاب اسماء صحابہ میں حدیث لائے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب سورۂ لَمْ يَكُنِ کی قرات سنتا ہے تو فرماتا ہے میرے بندے خوش ہو جا مجھے اپنی عزت کی قسم میں تجھے جنت میں ایسا ٹھکانا دوں گا کہ تو خوش ہو جائے گا' یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ میں تجھے دنیا اور آخرت کے احوال میں سے کسی حال میں نہ بھولوں گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿۵﴾

اللہ تعالیٰ رحم و کرم کرنے والے کے نام سے شروع

اہل کتاب کے کافر اور مشرک لوگ جب تک کہ ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آ جائے باز رہنے والے نہ تھے ○ ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھے ○ جن میں صحیح اور

درست احکام ہیں ○ اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آ جانے کے بعد ہی اختلاف میں پڑ کر متفرق ہو گئے ○ انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوۃ دیتے رہیں یہی دین درست اور مضبوط ہے ○

پاک وشفاعت اوراق کی زینت قرآن حکیم: ☆☆ (آیت:۱-۵) اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد بت پرست عرب اور آتش پرست عجمی ہیں' فرماتا ہے کہ یہ لوگ بغیر دلیل کے آ جانے کے باز رہنے والے نہ تھے۔ پھر بتلایا کہ وہ دلیل اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں جو پاک صحیفے یعنی قرآن کریم پڑھ سناتے ہیں' جو اعلیٰ فرشتوں میں پاک ورقوں میں لکھا ہوا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ کہ وہ نامی گرامی بلند و بالا پاک صاف ورقوں میں پاک باز نیکوکار بزرگ فرشتوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان پاک صحیفوں میں خدا کی لکھی ہوئی باتیں عدل و استقامت والی موجود ہیں' جن کے خدا کی جانب سے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں' نہ ان میں کوئی خطا اور غلطی ہوئی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ وہ رسول عمدگی کے ساتھ قرآنی وعظ کہتے ہیں اور اس کی اچھی تعریفیں بیان کرتے ہیں۔ ابن زید فرماتے ہیں ان صحیفوں میں کتابیں ہیں' استقامت اور عدل وانصاف والی۔

پھر فرمایا کہ اگلی کتابوں والے خدا کی حجتیں قائم ہو چکنے اور دلیلیں آ جانے کے بعد خدائی کلام کی مراد میں اختلاف کرنے لگے اور جدا جدا راہوں میں بٹ گئے' جیسے کہ اس حدیث میں ہے جو مختلف طریقوں سے مروی ہے کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے ہو گئے اور نصرانیوں کے بہتر اور اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے' سوا ایک کے سب جہنم میں جائیں گے' لوگوں نے پوچھا وہ ایک کون ہے؟ فرمایا وہ جو اس پر ہو جس پر میں اور میرے اصحابؓ ہیں پھر فرمایا کہ انہیں صرف اتنا ہی حکم تھا کہ خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف اپنے سچے معبود کی عبادت میں لگے رہیں' جیسے اور جگہ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو' اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یکسو ہو کر یعنی شرک سے دور اور توحید میں مشغول ہو کر' جیسے اور جگہ ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور خدا کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو۔ حنیف کی پوری تفسیر سورۂ انعام میں گذر چکی ہے جسے لوٹانے کی اب ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا نمازوں کو قائم کریں جو کہ بدن کی تمام عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت ہے اور زکوۃ دیتے رہیں یعنی فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرتے رہیں' یہی دین مضبوط' سیدھا' درست' عدل والا اور عمدگی والا ہے۔ بہت سے ائمہ کرام نے جیسے امام زہریؒ امام شافعیؒ وغیرہ نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں کیونکہ ان آیتوں میں خدائے تعالیٰ کی خلوص اور یکسوئی کے ساتھ کی عبادت اور نماز و زکوۃ کو دین فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

ع ۲۴

بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے یہ لوگ بدترین خلائق ہیں ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور سنت کے مطابق نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں ○ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور یہ اس سے یہ ہے اس کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرے ○

ساری مخلوق سے بہتر اور بدتر کون ہے؟: ☆☆ (آیت:۶-۸) اللہ تعالیٰ کافروں کا انجام بیان فرماتا ہے وہ کافر خواہ یہود و نصاری ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں جو بھی انبیاء اللہ کے مخالف ہوں اور کتاب خدا کے جھٹلانے والے ہوں وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈل دیئے جائیں گے اور اسی میں پڑے رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں گے نہ چھوٹیں یہ لوگ تمام مخلوق سے بدتر اور کمتر ہیں۔ پھر اپنے نیک بندوں کے انجام کی خبر دیتا ہے جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جو اپنے جسموں سے سنت کی بجا آوری میں رہا کرتے ہیں کہ یہ ساری مخلوق سے بہتر اور بزرگ ہیں۔ اس آیت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ایمان والے انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا نیک بدلہ ان کے رب کے پاس ان ہیشگی والی جنتوں کی صورت میں ہے جن کے چپے چپے پر پاک صاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں دوام اور ہیشگی کی زندگی کے ساتھ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں ان سے جدا ہوں نہ کم ہوں نہ اور کوئی کھٹکا ہے نہ غم پھر ان سب سے بڑھ چڑھ کر نعمت و رحمت یہ ہے کہ رضائے رب مرضی مولا انہیں حاصل ہوگئی ہے اور انہیں اس قدر نعمتیں جناب باری نے عطا فرمائی ہیں کہ یہ بھی بہ دل راضی ہوگئے ہیں۔ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ یہ بہترین بدلہ یہ جزائے جزیل یہ اجر عظیم دنیا میں خدا سے ڈرتے رہنے کا عوض ہے۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں ڈر ہو جس کی عبادت میں اخلاص ہو جو جانتا ہو کہ خدا کی اس پر نظریں ہیں بلکہ عبادت کے وقت اس مشغولی اور دلچسپی سے عبادت کر رہا ہو کہ گویا خود وہ اپنی آنکھوں سے اپنے خالق مالک سچے رب اور حقیقی اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز اٹھے اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں اور کڑ کڑاتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاعت دوں لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے نہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے۔ آؤ سب میں بدترین مخلوق بتاؤں وہ شخص کہ اللہ کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے[1] سورۂ لم یکن کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔

تفسیر سورۃ الزلزال

جامع سورت اور عید قربان کے احکام: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا حضور مجھے پڑھایئے آپ نے فرمایا الروالی تین سورتیں پڑھو تو اس نے کہا بوڑھا بڑا ہو گیا حافظہ کمزور ہو گیا زبان موٹی ہو گئی تو آپ نے فرمایا اچھا حم والی سورتیں پڑھا کرو اس نے پھر وہی عذر بیان کیا آپ نے فرمایا یسبح والی تین سورتیں پڑھ لیا کرو اس نے پھر وہی عذر بیان کیا اور درخواست کی کہ حضورؐ مجھے تو کوئی جامع سورت کا سبق دے دیجئے تو آپ نے اسے یہ سوت پڑھائی جب پڑھا چکے تو وہ کہنے لگا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں کبھی اس پر زیادتی نہ کروں گا پھر وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا اس مرد نے فلاح پالی یہ نجات کو پہنچ گیا پھر فرمایا ذرا سے بلا لانا وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے بقر عید کا حکم کیا گیا ہے اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کی عید کا دن

بنایا ہے تو اس شخص نے کہا کہ اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہوا اور کسی شخص نے مجھے دودھ پینے کے لئے کوئی جانور تحفتہ دے رکھا ہو تو کیا میں اس کو ذبح کر ڈالوں فرمایا نہیں نہیں' پھر تو تو اپنے بال کتروا نے ناخن پست کرا' زیر ناف کے بال لے' اللہ تعالیٰ عزوجل کے نزدیک تیری پوری قربانی یہی ہے' یہ حدیث مسند احمد' ابوداؤد و نسائی میں بھی ہے۔ ترمذی شریف کی اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس سورت کو پڑھے اسے نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے' یہ حدیث غریب ہے اور روایت میں ہے اِذَا زُلْزِلَتْ آدھے قرآن کے برابر ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یا چوتھائی قرآن کے برابر' یہ حدیث بھی غریب ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابیوں میں سے ایک سے فرمایا کیا تم نے نکاح کر لیا؟ اس نے کہا نہیں حضور' میرے پاس اتنا ہے ہی نہیں جو میں اپنا نکاح کر سکوں' آپ نے فرمایا قل ھو اللہ تیرے ساتھ نہیں؟ اس نے کہا ہاں یہ تو ہے فرمایا تہائی قرآن یہ ہوا' اِذَا جَآءَ نہیں؟ کہا وہ بھی ہے' فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا فرمایا کیا قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ یاد نہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی قرآن کے برابر یہ ہے جا اب نکاح کر لے یہ حدیث حسن ہے یہ تینوں حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

ع ۸ / ۲۴

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بخشش کرنے والا مہربان ہے

جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی ○ اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی ○ انسان کہنے لگے گا اسے کیا ہو گیا؟ ○ اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی ○ اس لئے کہ تیرے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے ○ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر واپس لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں ○ پس جس نے ذرے برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا ○ اور جس نے ذرے برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا ○

مرحلہ اور قیامت: ☆☆ (آیت: ۱-۸) زمین نیچے سے اوپر تک کپکپانے لگے گی اور جتنے مردے اس میں ہیں سب نکال پھینکے گی' جیسے اور جگہ ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ لوگو اپنے رب سے ڈرو' یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ اس دن کی بھونچال بڑی چیز ہے' اور جگہ ارشاد ہے وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ جبکہ زمین کھینچ کھانچ کر برابر ہموار کر دی جائے گی اور اس میں جو کچھ ہے وہ اسے باہر ڈال دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں زمین اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اگل دے گی' سونا چاندی مثل ستونوں کے باہر نکل پڑے گا' قاتل اسے دیکھ کر افسوس کرتا ہوا کہے گا کہ ہائے اسی مال کے لئے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا' آج یہ یوں ادھر ادھر رل رہا ہے' کوئی آنکھ بھر کر دیکھتا بھی نہیں' اسی طرح صلہ رحمی توڑنے والا بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں آ کر رشتے داروں سے میں سلوک نہیں کرتا تھا' چور بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں میں نے ہاتھ کٹوا دیئے تھے غرض وہ

مال یونہی رلتا پھرے گا' کوئی نہیں لے گا - انسان اس وقت ہکا بکا رہ جائے گا اور کہے گا یہ تو ہلنے جلنے والی نہ تھی' بالکل ٹھہری ہوئی بوجھل اور جمی ہوئی تھی' اسے کیا ہوگیا کہ یوں بید کی طرح تھرانے لگی؟ اور ساتھ ہی جب دیکھے گا کہ تمام پہلی پچھلی لاشیں بھی زمین نے اگل دیں تو اور حیران و پریشان ہو جائے گا کہ آخر اسے کیا ہو گیا ہے؟

پس زمین بالکل بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اس قہار خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے' زمین کھلے طور پر صاف صاف گواہی دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں نافرمانی اس پر کی ہے - حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا جانتے بھی ہو کہ زمین کی بیان کردہ خبریں کیا ہوں گی؟ لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے تو آپ نے فرمایا جو جو اعمال نبی آدم نے زمین پر کیے ہیں وہ تمام وہ ظاہر کر دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے' امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں - معجم طبرانی میں ہے کہ آپ نے فرمایا زمین سے بچو' یہ تمہاری ماں ہے جو شخص جو نیکی بدی اس پر کرتا ہے یہ اور سب کھول کھول کر بیان کر دے گی - یہاں وحی سے مراد حکم دینا ہے' اوحی اور اس کے ہم معنی افعال کا صلہ حرف لام بھی آتا ہے الی بھی - مطلب یہ ہے کہ خدا اسے فرمائے گا کہ بتا اور وہ بتاتی جائے گی - اس دن لوگ حساب کی جگہ سے مختلف قسموں کی جماعتیں بن بن کر لوٹیں گے' کوئی بد ہوگا' کوئی نیک' کوئی جنتی بنا ہوگا کوئی جہنمی - یہ معنی بھی ہیں کہ یہاں سے جو الگ الگ ہوں گے تو پھر اجتماع نہ ہوگا' یہ اس لئے کہ وہ اپنے اعمال کو جان لیں اور بھلائی برائی کا بدلہ پالیں' اسی لئے آخر میں بھی بیان فرما دیا - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ گھوڑوں والے تین قسم کے ہیں اور ایک اجر پانے والا' ایک پردہ پوشی والا' ایک بوجھ اور گناہ والا' اجر والا تو وہ ہے جو گھوڑا پالتا ہے جہاد کی نیت سے' اگر اس کے گھوڑے کی اگاڑی پچھاڑی ڈھیلی ہو گئی اور یہ ادھر ادھر سے چر تا رہا تو یہ بھی گھوڑے والے کے لئے اجر کا باعث ہے اور اگر یہ رسی کی ٹوٹ گئی اور یہ ادھر ادھر چڑھ گیا تو اس کے نشان قدم اور لید کا بھی اسے ثواب ملتا ہے' اگر یہ کسی نہر پر جا کر پانی پی لے گو ارادہ نہ ہو تو ثواب ہے' دوسرا وہ شخص جس نے اس لئے پال رکھا ہے کہ دوسروں سے بے پرواہ رہے اور کسی سے سوال کی ضرورت نہ ہو لیکن خدا کا حق نہ تو خود اس میں بھولتا ہے نہ اس کی سواری میں' پس یہ اس کے لئے پردہ ہے - تیسرا وہ شخص ہے جس نے فخر و ریاکاری اور ظلم و ستم کے لئے پال رکھا ہے پس یہ اس کے ذمہ بوجھ اور اس پر گناہ کا بار ہے - پھر حضورؐ سے سوال ہوا کہ گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے آپ نے فرمایا مجھ پر خدا تعالیٰ کی جانب سے سوائے اس جامع آیت کے اور کچھ نازل نہیں ہوا کہ ذرے برابر نیکی اور اتنی ہی بدی ہر شخص دیکھ لے گا (مسلم) -

حضرت صعصعہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو حضور کی زبانی یہ آیت سن کر کہہ دیا تھا کہ صرف یہی آیت کافی ہے اور زیادہ اگر نہ بھی سنوں تو کوئی ضرورت نہیں (مسند احمد و نسائی) صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ آگ سے بچو' اگرچہ آدھی کھجور کا صدقہ ہی ہو' اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نیکی کے کام کو ہلکا نہ سمجھو' گو اتنا ہی کام ہو کہ تو اپنے ڈول میں سے ذرا سا پانی کسی پیاسے کو پلوا دے یا اپنے کسی مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کر لے - دوسری ایک صحیح حدیث میں ہے اے ایمان والی عورتو! تم اپنی پڑوسن کے بھیجے ہوئے تحفے ہدیئے کو حقیر نہ سمجھو گو ایک کھر ہی آیا ہو - اور حدیث میں ہے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دے دو گو جلا ہوا کھر ہی ہو - مسند احمد کی حدیث میں ہے اے عائشہ! گناہوں کو حقیر نہ سمجھو' یاد رکھو کہ ان کا بھی حساب لینے والا ہے - ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ یہ آیت اتری تو حضرت صدیق نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا اور پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا میں ایک ایک ذرے برابر کا بدلہ دیا جاؤں گا تو آپ نے فرمایا اے صدیق دنیا میں جو جو تکلیفیں تمہیں پہنچی ہیں یہ تو اس میں آ گئیں اور نیکیاں تمہارے لئے خدا کے ہاں ذخیرہ بنی ہوئی ہیں اور ان سب کا پورا

پورا بدلہ قیامت کے دن تمہیں دیا جائے گا - ابن جریر کی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی آپ اسے سن کر بہت روئے' حضور نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھے یہ سورت رلا رہی ہے' آپ نے فرمایا اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں بخشا جائے اور معاف کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کسی اور امت کو پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتے اور خدا انہیں بخشتا -

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے یہ آیت سن کر پوچھا کہ حضورؐ کیا مجھے اپنے سب اعمال دیکھنے پڑیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں پوچھا' بڑے بڑے' فرمایا ہاں پوچھا اور چھوٹے چھوٹے بھی' فرمایا ہاں' میں نے کہا ہائے افسوس' آپ نے فرمایا ابو سعید خوش ہو جاؤ' نیکی تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ تک خدا جسے چاہے دے گا ہاں گناہ اسی کے مثل ہوں گے یا اللہ تعالیٰ اسے بھی بخش دے گا' سنو کسی شخص کو صرف اس کے اعمال نجات نہ دے سکیں گے - میں نے کہا حضور کیا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا نہ مجھے ہی مگر یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے - اس کے راویوں میں ایک ابن لہیعہ ہیں' یہ روایت صرف انہی سے مروی ہے - حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب آیت وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ الخ' نازل ہوئی یعنی مال کی محبت کے باوجود مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ اگر ہم تھوڑی سی چیز راہ اللہ دیں گے تو کوئی ثواب نہ ملے گا' مسکین ان کے دروازے پر آتا لیکن ایک آدھ کھجور یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ دینے کو حقارت خیال کر کے یونہی لوٹا دیتے تھے کہ اگر دیں تو کوئی اچھی محبوب و مرغوب چیز دیں' ادھر تو اس خیال کی ایک جماعت تھی دوسری جماعت وہ تھی جنہیں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ ہو گی مثلاً کبھی کوئی جھوٹ بات کہہ دی کبھی ادھر ادھر نظریں ڈال لیں کبھی غیبت کر لی وغیرہ' جہنم کی وعید تو کبیرہ گناہوں پر ہے تو یہ آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ نازل ہوئی اور انہیں بتلایا گیا کہ چھوٹی سی نیکی کو حقیر نہ سمجھو یہ بڑی ہو کر ملے گی اور تھوڑے سے گناہ کو بھی بے جان نہ سمجھو کہیں تھوڑا تھوڑا مل کر بہت نہ بن جائے' ذرہ کے معنی چھوٹی چیونٹی کے ہیں یعنی نیکیوں کو اور برائیوں کو' چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اپنے نامہ اعمال میں دیکھ لے گا' بدی تو ایک ہی لکھی جاتی ہے' نیکی ایک کے بدلے دس بلکہ جس کے لئے خدا چاہے اس سے بھی بہت زیادہ بلکہ ان نیکیوں کے بدلے برائیاں بھی معاف ہو جاتی ہیں' ایک ایک کے بدلے دس دس بدیاں معاف ہو جاتی ہیں' پھر یہ بھی ہے کہ جس کی نیکی برائی سے ایک ذرے کے برابر بڑھ گئی وہ جنتی ہو گیا - رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں گناہوں کو ہلکا نہ سمجھا کرو یہ سب جمع ہو کر آدمی کو ہلاک کر ڈالتے ہیں - رسول اللہ ﷺ نے ان برائیوں کی مثال بیان کی کہ جیسے کچھ لوگ کسی جگہ اترے اور چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کریں پھر اگر انہیں سلگائی جائیں تو اس وقت آگ میں جو چاہیں پکا سکتے ہیں (اسی طرح تھوڑے تھوڑے گناہ بہت زیادہ ہو کر آگ کا کام کرتے ہیں اور انسان کو جلا دیتے ہیں) سورۃ اذا زلزلت کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمدللہ -

تفسیر سورة العاديات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ

لَشَدِيدٌ ۝٨ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝١٠ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝١١

ع ۲۵

شروع اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے

ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم ○ پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی ○ پھر صبح کے وقت دھاوا ڈالنے والوں کی ○ پس اس وقت غبار اڑاتے ہیں ○ پھر فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں ○ یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے ○ اور یقیناً وہ خود بھی اس سے باخبر ہے ○ یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے ○ کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں؟ جب قبروں کے مردے اٹھا کھڑے کر دیئے جائیں گے ○ اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی ○ بیشک ان کا رب اس دن ان کے حال سے پورا باخبر ہے ○

انسان کا نفسیاتی تجزیہ: ☆☆ (آیت:۱-۱۱) مجاہدین کے گھوڑے جبکہ خدا کی راہ کے جہاد کے لئے ہانپتے اور ہنہناتے ہوئے دوڑتے ہیں ان کی اللہ تبارک وتعالیٰ قسم کھاتا ہے' پھر اس تیزی میں دوڑتے ہوئے پتھروں کے ساتھ ان کے نعل کا ٹکرانا اور اس رگڑ سے آگ کی چنگاریاں اڑنا' پھر صبح کے وقت دشمن پر ان کا چھاپہ مارنا اور دشمنان خدا کو تہہ و بالا کرنا۔ آنحضرت ﷺ کی یہی عادت مبارک تھی کہ دشمن کی کسی بستی پر آپ جاتے تو وہاں رات کو ٹھہر کر کان لگا کر سنتے اگر اذان کی آواز آ گئی تو تو آپ رک جاتے' نہ آتی تو لشکر کو حکم دیتے کہ بزن بول دیں' پھر ان گھوڑوں کا گرد و غبار اڑانا اور ان سب کا دشمنوں کے درمیان گھس جانا' ان سب چیزوں کی قسم کھا کر پھر مضمون شروع ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ وَالْعَادِيَاتِ سے مراد اونٹ ہیں۔ حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا گھوڑے ہمارے بدر والے دن تھے ہی کب' یہ تو اس چھوٹے لشکر میں تھا جو بھیجا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص نے آ کر اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو بوقت جہاد دشمنوں پر دھاوا بولتے ہیں' پھر رات کے وقت یہ گھوڑے سوار مجاہد اپنے کیمپ میں آ کر کھانے پکانے کے لئے آگ جلاتے ہیں' وہ یہ پوچھ کر حضرت علیؓ کے پاس گیا آپ اس وقت زمزم کا پانی لوگوں کو پلا رہے تھے۔ اس نے آپ سے بھی یہی سوال کیا' آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی اور سے بھی تم نے پوچھا ہے؟ کہا ہاں حضرت ابن عباس سے پوچھا ہے تو انہوں نے فرمایا مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو خدا کی راہ میں دھاوا کریں حضرت علیؓ نے فرمایا جانا ذرا انہیں میرے پاس بلانا' جب وہ آ گئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں اور تم لوگوں کو فتوے دے رہے ہو' اللہ کی قسم پہلا غزوہ اسلام میں بدر کا ہوا' اس لڑائی میں ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے' ایک شخص حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا' دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا' تو عَادِيَاتِ ضَبْحًا یہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس سے مراد تو عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانے والے اور پھر مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جانے والے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا اور حضرت علیؓ نے جو فرمایا تھا وہی کہنے لگا۔ مزدلفہ میں پہنچ کر حاجی بھی اپنی ہنڈیا روٹی کے لئے آگ سلگاتے ہیں غرض حضرت علیؓ کا فرمان یہ ہوا کہ اس سے مراد اونٹ ہیں اور یہی قول ایک جماعت کا ہے جن میں ابراہیم عبید بن عمیر وغیرہ ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے گھوڑے مروی ہیں۔

مجاہدؒ، عکرمہؒ، عطاءؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ بھی یہی کہتے ہیں اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت عطاؒ سے مروی ہے کہ ضَبْح یعنی ہانپنا کسی جانور کے لئے نہیں ہوتا سوائے گھوڑے اور کتے کے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں ان کے منہ سے ہانپتے ہوئے جو آواز اح اح کی نکلتی ہے یہی ضبح ہے اور دوسرے جملے کے ایک تو معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ان گھوڑوں کی ٹاپوں کا پتھر سے ٹکرا کر آگ

پیدا کرنا' اور دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان کے سواروں کا لڑائی کی آگ کو بھڑکانا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لڑائی میں مکرو دھوکہ کرنا' اور یہ بھی مروی ہے کہ راتوں کو اپنی قیام گاہ پہنچ کر آگ روشن کرنا اور مزدلفہ میں حاجیوں کا بعد از مغرب پہنچ کر آگ جلانا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں میرے نزدیک سب سے زیادہ ٹھیک قول یہی ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور سموں کا پتھر سے رگڑ کھا کر آگ پیدا کرنا' پھر صبح کے وقت مجاہدین کا دشمنوں پر اچانک ٹوٹ پڑنا۔ اور جن صاحبان نے اس سے مراد اونٹ لئے ہیں وہ فرماتے ہیں اس سے مراد مزدلفہ سے منی کی طرف صبح کو جانا ہے' پھر یہ سب کہتے ہیں کہ پھر ان کا جس مکان میں یہ اترے ہیں خواہ جہاد میں ہوں خواہ حج میں غبار اڑانا' پھر ان مجاہدین کا کفار کی فوجوں میں درانہ گھس جانا اور چیرتے پھاڑتے مارتے پچھاڑتے ان کے بیچ لشکر میں پہنچ جانا' اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ سب جمع ہو کر اس جگہ درمیان میں آجاتے ہیں تو اس صورت میں جمعاً حال موکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ ابوبکر بزار میں اس جگہ ایک غریب حدیث ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لشکر بھیجا تھا ایک مہینہ گذر گیا لیکن اس کی کوئی خبر نہ آئی اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس لشکر کی خدا تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے گھوڑے ہانپتے ہوئے تیز چال سے گئے' ان کے سموں کی ٹکر سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں' انہوں نے صبح ہی صبح دشمنوں پر پوری یلغار کے ساتھ حملہ کر دیا' ان کی ٹاپوں سے گرد اڑ رہا تھا' پھر غالب آ کر سب جمع ہو کر بیٹھ گئے' ان قسموں کے بعد اب وہ مضمون بیان ہو رہا ہے جس پر قسمیں کھائی گئی تھیں کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا قدر دان نہیں' اگر کوئی دکھ درد کسی وقت آ گیا ہے تو وہ تو بخوبی یاد ہے لیکن خدائے تعالیٰ کی ہزارہا نعمتیں جو ہیں سب کو بھلائے ہوئے ہے۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ کنود وہ ہے جو تنہا کھائے' غلاموں کو مارے اور احسان سلوک نہ کرے' اس کی اسناد ضعیف ہے۔ پھر فرمایا اللہ اس پر شاہد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خود اس بات پر اپنا گواہ آپ ہے' اس کی ناشکری اس کے افعال و اقوال سے صاف ظاہر ہے۔ جیسے اور جگہ ہے شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ یعنی مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی نہیں ہو سکتی جبکہ یہ اپنے کفر کے آپ گواہ ہیں۔ پھر فرمایا یہ مال کی چاہت میں بڑا سخت ہے یعنی اسے مال کی بے حد محبت ہے' اور یہ بھی معنی ہیں کہ اس محبت میں پھنس کر ہماری راہ میں دینے سے جی چراتا اور بخل کرتا ہے۔ پھر پروردگار عالم اسے دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت وہ آ رہا ہے کہ جب تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور جو کچھ باتیں چھپی لگی ہوئی تھیں سب ظاہر ہو جائیں گی' سن لو ان کا رب ان کے تمام کاموں سے باخبر ہے اور ہر ایک عمل کا بدلہ پورا پورا دینے والا ہے' ایک ذرے کے برابر ظلم وہ روا نہیں رکھتا اور نہ رکھے۔ سورۂ عادیات کی تفسیر اللہ کے فضل و احسان سے ختم ہوئی' فالحمد للہ۔

تفسیر سورة القارعة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱

ع ۱۱

اللہ تعالیٰ بہت مہربان بڑے رحم والے کے نام سے

کھڑ کھڑا دینے والی ○ کیا ہے وہ کھڑ کھڑانے والی ○ تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑ کھڑانے والی کیا ہے ○ جس دن انسان پراگندہ پروانوں کی طرح ہو جائیں گے ○ اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے ○ ہاں جس کا پلہ بھاری ہو گیا ○ وہ تو من مانتی آرام کی زندگی میں ہو گا ○ اور جس کی تول ہلکی ہو گی ○ اس کی ماں ہاویہ ہے ○ تجھے کس نے بتایا کہ وہ کیا ہے؟ ○ وہ تیز تند آگ ہے ○

اعمال کا ترازو: ☆☆ (آیت:۱-۱۱) قارعہ بھی قیامت کا ایک نام ہے جیسے حَآقَّةُ طَآمَّه' صَآخَّه' غَاشِیَه' وغیرہ اس کی بڑائی اور ہولناکی کے بیان کے لئے سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا علم بغیر میرے بتائے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا' پھر خود بتلاتا ہے کہ اس دن لوگ منتشر اور پراگندہ حیران و پریشان ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے جس طرح پروانے ہوتے ہیں' اور جگہ فرمایا ہے کَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئیں۔ پھر فرمایا پہاڑوں کا یہ حال ہو گا کہ وہ دھنی ہوئی اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے نظر آئیں گے۔ پھر فرماتا ہے اس دن ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہو جائے گا' نیکوں کی بزرگی اور بروں کی اہانت کھل جائے گی' جس کی نیکیاں وزن میں برائیوں سے بڑھ گئیں وہ عیش و آرام کی جنت میں بسر کرے گا اور جس کی بدیاں نیکیوں پر چھا گئیں بھلائیوں کا پلڑا جھکا ہو گا وہ جہنمی ہو جائے گا' وہ منہ کے بل اوندھا جہنم میں گرا دیا جائے گا' ام سے مراد دماغ ہے یعنی سر کے بل ہاویہ میں جائے گا' اور یہ بھی معنی ہیں کہ فرشتے جہنم میں اس کے سر پر عذابوں کی بارش برسائیں گے' اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کا اصلی ٹھکانا وہ جگہ جہاں اس کے لئے قرار گاہ مقرر کیا گیا ہے وہ جہنم ہے' ھَاوِیَه جہنم کا نام ہے اسی لئے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ شعلے مارتی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

حضرت اشعث بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ مومن کی موت کے بعد اس کی روح کو ایمانداروں کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کی دلجوئی اور تسکین کرو' یہ دنیا کے رنج و غم میں مبتلا تھا' اب وہ نیک روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ تو مر چکا تمہارے پاس نہیں آیا تو یہ سمجھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں پھونکو اسے' وہ تو اپنی ماں ہاویہ میں پہنچا۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بیان خوب بسط سے ہے اور ہم نے بھی اسے کتاب صفۃ النار میں وارد کیا ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس آگ جہنم سے نجات دے' آمین۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ سخت تیز حرارت والی آگ ہے' بڑے شعلے مارنے والی بھلسا دینے والی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہاری یہ آگ تو اس کا سترھواں حصہ ہے لوگوں نے کہا حضرت ہلاکت کو تو یہی کافی ہے' آپ نے فرمایا ہاں لیکن آتش دوزخ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہر ہر حصہ اس آگ جیسا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے' مسند کی ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ آگ باوجود اس آگ کا سترھواں حصہ ہونے کے بھی دو مرتبہ سمندر کے پانی میں بجھا کر بھیجی گئی ہے' اگر یہ نہ ہوتا تو اس سے بھی نفع نہ اٹھا سکتے' اور حدیث میں ہے یہ آگ سوواں حصہ ہے۔ طبرانی میں ہے جانتے ہو کہ تمہاری اس آگ اور آگ جہنم کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تمہاری اس آگ کے دھوئیں سے بھی ستر حصہ زیادہ سیاہ خود وہ آگ ہے' ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سرخ ہوئی' پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہو گئی' پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سیاہ ہو گئی' پس اب وہ سخت سیاہ اور بالکل اندھیرے والی ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے' جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی جس سے اس کا دماغ کھدبدیاں لے رہا ہو گا۔ صحیحین میں ہے کہ آگ نے اپنے رب کی طرف شکایت کی کہ خدایا میرا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا ہے تو

پروردگار نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی' ایک گرمی میں' ایک جاڑے میں' پس سخت جاڑا جو تم پاتے ہو یہ اس کا سرد سانس ہے اور سخت گرمی جو پڑتی ہے یہ اس کے گرم سانس کا اثر ہے' اور حدیث میں ہے کہ جب گرمی شدت کی پڑے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو' گرمی کی سختی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔ الحمدللہ سورۂ قارعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة التکاثر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ﴿۲﴾ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡئَلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ﴿۸﴾

ع ۲۷ / ۸

بہت بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع

زیادتی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا ○ یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے ○ نہیں نہیں تم معلوم کر لو گے ○ اور ابھی ابھی تمہیں علم ہو جائے گا ○ یوں نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے ○ بیشک تم جہنم کو دیکھ لو گے ○ اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ○ پھر اس دن تم سے ضرور ضرور نعمتوں کا سوال ہو گا ○

مال و دولت اور اعمال: ☆☆ (آیت: ۱-۸) ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت' اس کے پا لینے کی کوشش نے تمہیں آخرت کی طلب اور نیک کاموں سے بے پرواہ کر دیا' تم اسی دنیا کی ادھیڑ بن میں رہے کہ اچانک موت آ گئی اور تم قبروں میں پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اطاعت پروردگار سے' تم نے دنیا کی جستجو میں پھنس کر بے رغبتی کر لی اور مرتے دم تک غفلت برتی (ابن ابی حاتم) حسن بصریؒ فرماتے ہیں مال اور اولاد کی زیادتی کی ہوس میں موت کا خیال پرے پھینک دیا۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم لَوْ کَانَ لِاِبْنِ اٰدَمَ وَادٍ مِّنْ ذَهَبٍ یعنی اگر ابن آدم کے پاس ایک جنگل بھر کر سونا ہو اسے قرآن کی آیت ہی سمجھتے رہے یہاں تک کہ اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ نازل ہوئی۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب آیا تو آپ اس آیت کو پڑھ رہے تھے' آپ نے فرمایا ابن آدم کہتا رہتا ہے کہ میرا مال میرا مال' حالانکہ تیرا مال صرف وہ ہے جسے تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر پھاڑ دیا یا صدقہ دے کر باقی رکھ لیا' صحیح مسلم شریف میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو لوگوں کے لئے چھوڑ چھاڑ کر چل دے گا۔ بخاری کی حدیث میں ہے میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو تو پلٹ آتی ہیں صرف ایک ساتھ رہ جاتی ہے' گھر والے مال اور اعمال' اہل و مال لوٹ آئے' عمل ساتھ رہ گئے' مسند احمد کی حدیث میں ہے ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہیں' لالچ اور امنگ۔ حضرت ضحاکؒ نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا' فرمایا تیرا تو اس وقت ہو گا کہ کسی نیک کام میں تو خرچ کر دے یا بطور شکر اللہ کے خرچ کرے۔ حضرت احنف نے اس واقعہ کو بیان کر کے پھر یہ شعر پڑھا۔

اَنْتَ لِلْمَالِ اِذَا اَمْسَکْتَهٗ   فَاِذَا اَنْفَقْتَهٗ فَالْمَالُ لَكَ

یعنی جبکہ تو مال کو لے بیٹھا ہے تو تو مال کی ملکیت ہے ہاں جب اسے خرچ کر دے گا اس وقت مال تیری ملکیت میں ہو جائے گا۔

ابن بریدہؓ فرماتے ہیں بنو حارثہ اور بنو حارث انصار کے قبائل کے آپس میں فخر و غرور کرنے لگے ایک کہتا دیکھو ہم میں فلاں شخص ایسا بہادر ایسا جیوٹ یا اتنا بڑا مالدار وغیرہ ہے' دوسرے قبیلے والے اپنے میں سے ایسوں کو پیش کرتے تھے جب زندوں کے ساتھ یہ فخر و مباہات کر چکے تو کہنے لگے آؤ قبرستان میں چلیں' وہاں جا کر اپنے اپنے مردوں کی قبروں کی طرف اشارے کر کے کہنے لگے بتلاؤ اس جیسا بھی تم میں کوئی گذرا ہے' وہ انہیں اپنے مردوں کے ساتھ الزام دینے لگے اس پر یہ دونوں ابتدائی آیتیں اتریں کہ تم فخر و مباہات کرتے ہوئے قبرستان میں پہنچ گئے اور اپنے اپنے مردوں پر بھی فخر و غرور کرنے لگے' چاہئے تھا کہ یہاں آ کر عبرت حاصل کرتے' اپنا مرنا اور سڑ نا گلنا یاد کرتے۔

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی زیادتی اور اپنی کثرت پر گھمنڈ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ایک ہو کر قبروں میں ٹھس گئے۔ مطلب یہ ہے کہ بہتات کی چاہت نے غفلت میں ہی رکھا یہاں تک کہ مر گئے اور قبروں میں دفن ہو گئے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک اعرابی کی بیمار پرسی کو گئے اور حسب عادت فرمایا کوئی ڈر خوف نہیں' انشاء اللہ گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوگی' تو اس نے کہا آپ اسے خوب پاکی بتلا رہے ہیں' یہ تو وہ بخار ہے جو بوڑھے بڑوں پر جوش مارتا ہے اور قبر تک پہنچا کر رہتا ہے آپ نے فرمایا اچھا پھر یوں ہی سہی' اس حدیث میں بھی لفظ تُزِیْرُہُ الْقُبُوْرَ ہے اور یہاں قرآن میں بھی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مر کر قبر میں دفن ہونا ہی ہے۔ ترمذی میں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نہ اتری ہم عذاب قبر کے بارے میں شک میں ہی رہے' یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر کچھ دیر سوچ کر فرمانے لگے میمون قبروں کا دیکھنا تو صرف بطور زیارت ہے اور ہر زیارت کرنے والا اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے یعنی خواہ جنت کی طرف خواہ دوزخ کی طرف' ایک اعرابی نے بھی ایک شخص کی زبانی ان دونوں آیتوں کی تلاوت سن کر یہی فرمایا تھا کہ اصل مقام اور ہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ دھمکاتے ہوئے دو دو مرتبہ فرماتا ہے کہ حقیقت حال کا علم تمہیں ابھی ہو جائے گا' یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے مراد کفار ہیں دوبارہ مومن مراد ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تم علم یقینی کے ساتھ اسے معلوم کر لیتے یعنی اگر ایسا ہوتا تو تم غفلت میں نہ پڑتے اور مرتے دم تک اپنی آخری منزل آخرت سے غافل نہ رہتے' پھر جس چیز سے پہلے دھمکایا تھا اسی کا بیان کر رہا ہے کہ تم جہنم کو انہی ان آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ اس کی ایک ہی جنبش کے ساتھ اور تو اور انبیاء علیہم السلام بھی ہیبت و خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے' اس کی عظمت اور دہشت ہر دل پر چھائی ہوئی ہوگی' جیسے کہ بہت سی حدیثوں میں یہ تفصیل مروی ہے۔

پھر فرمایا کہ اس دن تم سے نعمتوں کی باز پرس ہوگی' صحت' امن' رزق وغیرہ تمام نعمتوں کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کا شکر کہاں تک ادا کیا۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ ٹھیک دوپہر کو رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے چلے' دیکھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسجد میں آ رہے ہیں پوچھا کہ اس وقت کیسے نکلے ہو؟ کہا حضور جس چیز نے آپ کو نکالا ہے اسی نے مجھے بھی نکالا ہے' اتنے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ گئے ان سے بھی حضور نے یہی سوال کیا اور آپ نے بھی یہی جواب دیا' پھر حضورؐ نے ان دونوں بزرگوں سے باتیں کرنی شروع کیں پھر فرمایا کہ اگر ہمت ہو تو اس باغ تک چلے چلو' کھانا پینا مل ہی جائے گا اور سائے دار جگہ بھی۔ ہم نے کہا بہت اچھا' پس آپ ہمیں لے کر ابوالہیثم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ کے دروازہ پر آئے آپ نے سلام کیا اور اجازت چاہی' ام ہیثم انصاریہ دروازے کے پیچھے ہی کھڑی تھیں سن رہی تھیں لیکن اونچی آواز سے جواب نہیں دیا اس لالچ سے کہ خدا کے رسول اور زیادہ سلامی کی

دعا کریں اور کئی کئی مرتبہ آپ کا سلام سنیں' جب تین مرتبہ حضورؐ سلام کر چکے اور کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چل دیئے' اب تو حضرت ابو الہیثم کی بیوی صاحبہ دوڑیں اور کہا حضور میں آپ کی آواز سن رہی تھی لیکن میرا ارادہ تھا کہ خدا کرے آپ کئی کئی مرتبہ سلام کریں اس لئے میں نے اپنی آواز آپ کو نہ سنائی' آپ آیئے' تشریف لے چلئے' آپ نے ان کے اس فعل کو اچھی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا کہ خود ابوالہیثم کہاں ہیں؟ مائی صاحبہ نے فرمایا حضورؐ وہ بھی یہیں قریب ہی پانی لینے گئے ہیں' آپ تشریف لایئے' انشاء اللہ آتے ہی ہوں گے' حضور باغ میں رونق افروز ہوئے۔ اتنے میں ہی حضرت ابوالہیثم بھی آ گئے بے حد خوش ہوئے' آنکھوں ٹھنڈک اور دل سکون نصیب ہوا اور جلدی جلدی ایک کھجور کے درخت پر چڑھ گئے اور اچھے اچھے خوشے اتار اتار کر دینے لگے یہاں تک کہ خود آپ نے روک دیا۔ صحابی نے کہا یا رسول اللہ گدلی اور تر اور بالکل پکی اور جس طرح کی چاہیں تناول فرمائیں' جب کھجوریں کھا چکے تو میٹھا پانی لائے' جسے پیا پھر حضور فرمانے لگے یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں خدا کے ہاں پوچھے جاؤ گے۔

ابن جریر کی اسی حدیث میں ہے کہ ابوبکرؓ عمر بیٹھے ہوئے تھے جو ان کے پاس حضورؐ آئے اور پوچھا کہ یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ دونوں نے کہا حضورؐ بھوک کے مارے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں' فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بھی اسی وجہ سے اس وقت نکلا ہوں' اب آپ انہیں لے کر چلے اور ایک انصاری کے گھر آئے' ان کی بیوی صاحبہ مل گئیں' پوچھا کہ تمہارے میاں کہاں گئے ہیں؟ کہا گھر کے لئے میٹھا پانی لانے گئے ہیں' اتنے میں تو وہ مشک اٹھائے ہوئے آ ہی گئے' خوش خوش ہو گئے اور کہنے لگے مجھ جیسا خوش قسمت آج کوئی بھی نہیں جس کے گھر اللہ کے نبی تشریف لائے ہیں' مشک تو لٹکا دی اور خود جا کر کھجوروں کے تازہ تازہ خوشے لے آئے۔ آپ نے فرمایا چن کر الگ کر کے لاتے تو جواب دیا کہ حضورؐ میں نے چاہا کہ آپ اپنی طبیعت کے مطابق اپنی پسند سے چن لیں اور نوش فرمالیں' پھر چھری ہاتھ میں اٹھائی کہ کوئی جانور ذبح کر کے گوشت پکائیں تو آپ نے فرمایا دیکھو دودھ دینے والے جانور ذبح نہ کرنا چنانچہ اس نے ذبیحہ کیا' آپ نے وہیں کھانا کھایا پھر فرمانے لگے دیکھو بھوکے گھر سے نکلے اور پیٹ بھرے جا رہے ہیں' یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد غلام حضرت ابوعسیب کا بیان ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی' میں نکلا' پھر حضرت ابوبکرؓ کو بلایا' پھر حضرت عمرؓ کو بلایا' پھر کسی انصاری کے باغ میں گئے اور اس سے فرمایا لاؤ بھائی کھانے کو دو' وہ انگور کے خوشے اٹھا لائے اور آپ کے سامنے رکھ دیئے آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھائے' پھر فرمایا ٹھنڈا پانی پلواؤ' وہ لائے آپ نے پیا پھر فرمانے لگے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی' حضرت عمر نے وہ خوشہ اٹھا کر زمین پر دے مارا اور کہنے لگے اس کے بارے میں بھی خدا کے ہاں پرسش ہوگی' آپ نے فرمایا ہاں صرف تین چیزوں کی تو پرسش نہیں۔ پردہ پوشی کے لائق کپڑا۔ بھوک روکنے کے قابل ٹکڑا اور سردی گرمی میں سر چھپانے کے لئے مکان (مسند احمد)۔

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور حضورؐ نے پڑھ کر سنائی تو صحابہ کہنے لگے ہم سے کس نعمت پر سوال ہو گا؟ کھجوریں کھا رہے ہیں اور پانی پی رہے ہیں' تلواریں گردنوں میں لٹک رہی ہیں اور دشمن سر پر کھڑا ہے؟ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں' عنقریب نعمتیں آ جائیں گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے تھے جو حضور ﷺ آئے اور نہائے ہوئے معلوم ہوتے تھے' ہم نے کہا حضورؐ اس وقت تو آپ خوش و خرم نظر آتے ہیں' آپ نے فرمایا ہاں' پھر لوگ تونگری کا ذکر کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے دل میں خوف خدا ہو اس کے لئے تونگری کوئی بری چیز نہیں اور یاد رکھو متقی شخص کے لئے صحت تونگری سے بھی اچھی ہے اور خوش نفسی بھی خدا کی نعمت ہے (مسند احمد)۔

ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے' ترمذی شریف میں ہے نعمتوں کے سوال میں قیامت والے دن سب سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے صحت نہیں دی تھی اور ٹھنڈے پانی سے تجھے آسودہ نہیں کیا کرتے تھے؟ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ اس آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ کو سنا کر صحابہ کہنے لگے کہ حضور ہم تو جو کی روٹی اور وہ بھی آدھا پیٹ کھا رہے ہیں' تو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ کیا تم پیر بچانے کے لئے جوتیاں نہیں پہنچے اور کیا تم ٹھنڈے پانی نہیں پیتے؟ یہی قابل پرستش نعمتیں ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ امن اور صحت سے سوال ہوگا' پیٹ بھر کھانے سے' ٹھنڈے پانی سے سائے دار گھروں سے' میٹھی نیند سے بھی سوال ہوگا' شہد پینے سے' لذتیں حاصل کرنے سے' صبح شام کے کھانے سے' گھی شہد اور میدے کی روٹی وغیرہ غرض ان تمام نعمتوں کے بارے میں خدا کے ہاں سوال ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بدن کی صحت کانوں اور آنکھوں کی صحت کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ ان طاقتوں سے کیا کیا کام کئے۔

جیسے قرآن کریم میں ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ہر شخص سے اس کے کان اس کی آنکھ اور اس کے دل کے بارے میں سوال ہوگا لوگ بہت ہی غفلت برت رہے ہیں' صحت اور فراغت یعنی نہ تو ان کا پورا شکر ادا کرتے ہیں نہ ان کی عظمت کو جانتے ہیں نہ انہیں اللہ کی مرضی کے مطابق صرف کرتے ہیں۔ بزار میں ہے تہ بند کے سوا اور سائے دار دیواروں کے سوا اور روٹی کے ٹکڑے کے سوا ہر چیز کا قیامت کے دن حساب دینا پڑے گا۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن کہے گا اے ابن آدم میں نے تجھے گھوڑوں پر اور اونٹوں پر سوار کرایا' عورتیں تیرے نکاح میں دیں' تجھے مہلت دی کہ تو ہنسی خوشی آرام و راحت سے زندگی گذارے اب بتا کہ اس کا شکریہ کہاں ہے؟ اللہ کے فضل و کرم سے سورۂ تکاثر کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورة العصر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش والے بہت بڑے رحم والے کے نام سے شروع

زمانے کی قسم! ○ بے شک وبالیقین انسان نقصان میں ہے ○ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی ○

مسیلمہ کذاب اور عمرو بن عاص میں مکالمہ: ☆☆ (آیت:۱-۳) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب سے ملے۔ اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا تھا' عمرو کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہو اس مدت میں تمہارے نبی پر بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمرو نے جواب دیا ایک مختصر سی نہایت فصاحت والی سورت اتری ہے' پوچھا وہ کیا ہے؟ حضرت عمرو نے سورۂ والعصر پڑھ کر سنا دی۔ مسیلمہ ذرا دیر تو سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔ عمرو دیکھو مجھ پر بھی اسی جیسی سورت اتری ہے عمرو نے کہا وہ کیا؟ کہا یہ یَا وَبْرُ يَا وَبْرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَائِرُ حَصْرٍ نَقْرٍ پھر کہنے لگا عمرو کہو تمہارا کیا خیال ہے؟ عمرو نے کہا میرا خیال تو تو خود ہی جانتا ہے کہ مجھے تیرے جھوٹا ہونے کا علم ہے۔ وبر بلی جیسا ایک جانور ہے اس کے دونوں کان ذرا بڑے ہوتے ہیں اور سینہ بھی باقی جسم بالکل حقیر اور واہیات ہوتا ہے' اس کذاب نے ایسی فضول گوئی اور بکواس کے ساتھ اللہ کے کلام کا معارضہ کرنا چاہا جسے سن کر عرب کے بت پرست لوگوں

نے بھی اس کا کاذب اور مفتری ہونا سمجھ لیا۔ طبرانی میں ہے کہ دو صحابیوں کا یہ دستور تھا کہ جب ملتے ایک اس سورت کو پڑھتا دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے' حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس سورت کو غور و تدبر سے پڑھیں اور سمجھیں تو صرف یہی ایک سورت کافی ہے۔

مختصر نقصان اور اصحاب فلاح و نجات: ☆☆ عصر سے مراد زمانہ ہے جس میں انسان نیکی بدی کے کام کرتا ہے' حضرت زید بن اسلم نے اس سے مراد عصر کی نماز یا عصر کی نماز کا وقت بیان کیا ہے لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے' اس قسم کے بعد بیان فرماتا ہے کہ انسان نقصان میں' ٹوٹے میں اور ہلاکت میں ہے' ہاں اس نقصان سے بچنے والے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہو' اعمال میں نیکیاں ہوں حق کی وصیتیں کرنے والے ہوں' یعنی نیکی کے کام کرنے کی' حرام کاموں سے رکنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہوں' قسمت کے لکھے پر' مصیبتوں کی برداشت پر صبر کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہوں' ساتھ ہی بھلی باتوں کا حکم کرنے اور بری باتوں سے روکنے میں لوگوں کی طرف سے جو بلائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان کی بھی سہار کرتے ہوں اور اسی کی تلقین اپنے ساتھیوں کو بھی کرتے ہوں' یہ ہیں جو اس صریح نقصان سے مستثنیٰ ہیں۔ سورۂ والعصر کی تفسیر بحمد اللہ ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الهمزة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ﴿١﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴿٢﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ﴿٣﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ﴿٤﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿٦﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿٧﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے ○

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو ○ جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے ○ سمجھے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ کی زندگی دے دے گا ○ نہیں نہیں یہ تو توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا ○ تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہے؟ ○ یہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے ○ جو دلوں پر چڑھتی چلی جاتی ہے ○ جو ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہے ○ بڑے بڑے لمبے ستونوں میں ○

وزنی بیڑیاں اور قید و بند کو یاد رکھو: ☆☆ (آیت:۱-۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زبان سے لوگوں کی عیب گیری کرنے والا' اپنے کاموں سے دوسروں کی حقارت کرنے والا خرابی والا شخص ہے هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے مراد طعنہ دینے والا غیبت کرنے والا ہے' ربیع بن انس کہتے ہیں سامنے برا کہنا تو ھمز ہے اور پیٹھ پیچھے عیب بیان کرنا لم ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں زبان سے اور آنکھ کے اشاروں سے بندگان خدا کو ستانا اور چڑانا مراد ہے کہ کبھی تو ان کا گوشت کھائے یعنی غیبت کرے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کرے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ہمز ہاتھ اور آنکھ سے ہوتا ہے اور لمز زبان سے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد اخنس بن شریق کافر ہے مجاہدؒ فرماتے ہیں آیت عام ہے۔ پھر فرمایا جو جمع کرتا جاتا ہے اور گن گن کر رکھتا جاتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے جَمَعَ فَاَوْعٰى۔

حضرت کعب فرماتے ہیں دن بھر تو مال کمانے کی ہائے وائے میں لگا رہا اور رات کو سڑی بھسی لاش کی طرح پڑ رہا' اس کا خیال یہ ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ دنیا میں رکھے گا حالانکہ واقعہ یوں نہیں بلکہ یہ بخیل اور لالچی انسان جہنم کے اس طبقے میں گرے گا جو ہر اس چیز کو جو اس میں گرے چور چور کر دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ توڑ پھوڑ کرنے والی کیا چیز ہے؟ اس کا حال اے نبی تمہیں معلوم نہیں' یہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے جلا کر بھسم کر دیتی ہے لیکن مرتے نہیں۔ حضرت ثابت بنانی جب اس آیت کی تلاوت کر کے اس کا یہ معنی بیان کرتے تو رو دیتے اور کہتے انہیں عذاب نے بڑا ستایا۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں آگ جلاتی ہوئی حلق تک پہنچ جاتی ہے پھر لوٹتی پھر پہنچتی ہے' یہ آگ ان پر چوطرف سے بند کر دی گئی ہے' جیسے کہ سورۂ بلد کی تفسیر میں گذرا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے اور دوسرا طریق اس کا موقوف ہے لوہا جو مثل آگ کے ہے اس کے ستونوں میں یہ لمبے لمبے دروازے ہیں' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں بعد مروی ہے ان جہنمیوں کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی' یہ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور اوپر سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے' ان آگ کے ستونوں میں انہیں بدترین عذاب کئے جائیں گے۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں یعنی وزنی بیڑیاں اور قید و بند ان کے لئے ہوں گی' اس سورت کی تفسیر بھی اللہ کے فضل و کرم سے پوری ہوئی' فالحمد للہ۔

تفسیر سورة الفیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿١﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿٢﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿٣﴾ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٤﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿٥﴾

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع O

کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ O کیا ان کے مکر کو بیکار نہیں کر دیا O اور ان پر پرندوں کے جھرمٹ بھیج دیئے O جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے O پس انہیں کھائی ہوئی بھوسی کی طرح کر دیا O

ابرہہ اور اس کا حشر: ☆☆ (آیت:۱-۵) اللہ رب العزت نے قریش پر جو اپنی خاص نعمت انعام فرمائی تھی اس کا ذکر کر رہا ہے کہ جس لشکر نے ہاتھیوں کو ساتھ لے کر کعبے کو ڈھانے کے لئے چڑھائی کی تھی' خدائے تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ وہ کعبے کے وجود کو مٹائیں ان کا نام و نشان مٹا دیا' ان کی تمام فریب کاریاں' ان کی تمام قوتیں سلب کر لیں' برباد و غارت کر دیا' یہ لوگ مذہباً نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کر دیا تھا' قریب بت پرست ہو گئے تھے' انہیں اس طرح نامراد کرنا یہ گویا پیش خیمہ تھا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا اور اطلاع تھی آپ کی آمد آمد کی۔ حضور علیہ السلام اسی سال تولد ہوئے' اکثر تاریخ داں حضرات کا یہی قول ہے تو گویا خدائے عالم فرما رہا ہے کہ اے قریشیو حبشہ کے اس لشکر پر تمہیں فتح تمہاری بھلائی کی وجہ سے نہیں دی گئی تھی بلکہ اس میں ہمارے دین کا بچاؤ تھا جسے ہم شرف بزرگی عظمت و عزت میں اپنے آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت سے بڑھانے والے تھے۔

غرض اصحاب فیل کا مختصر واقعہ تو یہ ہے جو بیان ہوا اور مطول واقعہ اصحاب الاخدود کے بیان میں گذر چکا ہے کہ قبیلہ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس جو مشرک تھا' جس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو کھائیوں میں قتل کیا تھا جو سچے نصرانی تھے اور تعداد میں تقریباً بیس ہزار تھے سارے کے سارے ہی شہید کر دیئے گئے تھے' صرف دوس ذوثعلبان ایک بچ گیا تھا جو ملک شام جا پہنچا اور قیصر روم سے فریاد رسی چاہی۔ یہ بادشاہ نصرانی مذہب پر تھا' اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ اس کے ساتھ اپنی پوری فوج کر دو اس لئے کہ یہاں سے دشمن کا ملک قریب تھا' اس بادشاہ نے ارباط اور ابو یکسوم ابرہہ بن صباح کو امیر لشکر بنا کر بہت بڑا لشکر دے کر دونوں کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا' یہ لشکر یمن پہنچا اور یمن کو اور یمنیوں کو تاخت و تاراج کر دیا' ذونواس بھاگ کھڑا ہوا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا اور ان لوگوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور سارے یمن پر شاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا اور یہ دونوں سردار یہاں رہنے سہنے لگے لیکن کچھ تھوڑی ہی مدت کے بعد ان میں ناچاقی ہو گئی' آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں نے آمنے سامنے صفیں باندھ لیں اور لڑنے کے لئے نکل آئے' عام حملہ ہو اس سے پیشتر ان دونوں سرداروں نے آپس میں کہا کہ فوجوں کو لڑانے اور لوگوں کو قتل کرانے کی کیا ضرورت' آؤ ہم تم دونوں میدان میں نکلیں اور ایک دوسرے سے لڑ کر فیصلہ کر لیں' جو زندہ بچ جائے ملک و فوج اسی کی' چنانچہ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں میدان میں نکل آئے' ارباط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے چہرہ خونا خون کر دیا' ناک ہونٹ اور منہ کٹ گیا' ابرہہ کے غلام عتودہ نے اس موقعہ پر ارباط پر ایک بے پناہ حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ ابرہہ زخمی ہو کر میدان سے زندہ واپس گیا' علاج معالجہ سے زخم اچھے ہو گئے اور یمن کا یہ مستقل بادشاہ بن بیٹھا۔ نجاشی حبشہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ سخت غصہ ہوا اور ایک خط ابرہہ کو لکھا' اسے بڑی لعنت ملامت کی اور کہا کہ قسم اللہ کی میں تیرے شہروں کو پامال کروں گا۔ اور تیری چوٹی کاٹ لاؤں گا' ابرہہ نے اس کا جواب نہایت عاجزی سے لکھا اور قاصد کو بہت سارے ہدیئے دے اور ایک تھیلی میں یمن کی مٹی بھر دی اور اپنی پیشانی کے بال کاٹ کر اس میں رکھ دے اور اپنے خط میں اپنے قصوروں کی معافی طلب کی اور لکھا کہ یہ یمن کی مٹی حاضر ہے اور مٹی چوٹی کے بال بھی' آپ اپنی قسم پوری کیجئے اور ناراضی معاف فرمایئے' اس سے شاہ حبشہ خوش ہو گیا اور یہاں کی سرداری اسی کے نام کر دی۔ اب ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں یہاں یمن میں آپ کے لئے ایک ایسا گرجا تعمیر کر رہا ہوں کہ اب تک دنیا میں ایسا نہ بنا ہو اور اس گرجا گھر کا بنانا شروع کیا۔

بڑے اہتمام اور کروفر سے بہت اونچا بہت مضبوط بے حد خوبصورت اور منقش و مزین گرجا بنایا' اس قدر بلند تھا کہ چوٹی تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی' اسی لئے عرب اسے قلیس کہتے تھے یعنی ٹوپی پھینک دینے والا' اب ابرہہ اشرم کو یہ سوجھی کہ لوگ بجائے کعبۃ اللہ کے حج کے اس کا حج کریں' اپنی ساری مملکت میں اس کی منادی کرا دی۔ عدنانیہ اور قحطانیہ عرب کو یہ بہت برا لگا' ادھر سے قریش بھی بھڑک اٹھے' تھوڑے دن میں کوئی شخص رات کے وقت اس کے اندر گھس گیا اور وہاں پاخانہ کر کے چلا آیا' چوکیدار نے جب یہ دیکھا تو بادشاہ کو خبر پہنچائی اور کہا کہ یہ کام قریشیوں کا ہے چونکہ آپ نے ان کا کعبہ روک دیا ہے لہٰذا انہوں نے جوش اور غضب میں آ کر یہ حرکت کی ہے' ابرہہ نے اسی وقت قسم کھا لی کہ میں مکہ سے پہنچوں گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ چند من چلے نوجوان قریشیوں نے اس گرجا میں آگ لگا دی تھی اور اس وقت ہوا بھی بہت تیز تھی' سارا گرجا جل گیا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا' اس پر ابرہہ نے بہت بڑا لشکر ساتھ لے کر مکہ پر چڑھائی کی تاکہ کوئی روک نہ سکے اور اپنے ساتھ ایک بڑا اونچا اور موٹا ہاتھی لیا جسے محمود کہا جاتا تھا جس جیسا ہاتھی اور کوئی نہ تھا۔ شاہ حبشہ نے یہ ہاتھی اس کے پاس اسی غرض سے بھیجا تھا' آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی ساتھ تھے' یہ کعبے کے ڈھانے کی نیت سے چلا' یہ سوچ کر کہ کعبہ کی دیواروں میں مضبوط زنجیریں ڈال دوں گا اور ہاتھیوں کی گردنوں میں ان زنجیروں کو باندھ دوں گا۔ ہاتھی

ایک ہی جھٹکے میں چاروں دیواریں بیت اللہ کی جڑ سے گرادیں گے' جب عرب کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو ان پر بڑا بھاری اثر پڑا اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی ہو' ہم ضرور اس سے مقابلہ کریں گے اور اسے اس کی اس بدکرداری سے روکیں گے۔ ایک یمنی شریف سردار جو وہاں کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا جسے ذونفر کہا جاتا تھا یہ کھڑا ہو گیا' اپنی قوم کو اور کل آس پاس کے عرب کو جمع کیا اور اس بدنیت بادشاہ سے مقابلہ کیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا' عربوں کو شکست ہوئی اور ذونفر اس خبیث کے ہاتھ میں قید ہو گیا' اس نے اسے بھی ساتھ لیا اور مکہ شریف کی طرف بڑھا' خثعم قبیلے کی زمین پر جب یہ پہنچا تو یہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے اپنے لشکروں سے اس کا مقابلہ کیا لیکن ابرہہ نے انہیں بھی مغلوب کر لیا اور نفیل بھی قید ہو گیا' پہلے تو اس ظالم نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن پھر قتل نہ کیا اور قید کر کے ساتھ لے لیا کہ راستہ بتائے' جب طائف کے قریب پہنچا تو قبیلہ ثقیف نے اس سے صلح کر لی کہ ایسا نہ ہو ان کے بت خانوں کو جس میں لات نامی بت تھا یہ توڑ دے' اس نے بھی ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ انہوں نے ابورغال کو اس کے ساتھ کر دیا کہ یہ تمہیں وہاں کا راستہ بتائے گا' ابرہہ جب مکے کے بالکل قریب مغمس کے پہنچا تو اس نے یہاں پڑاؤ کیا' اس کے لشکر نے آس پاس مکہ والوں کے جو جانور اونٹ وغیرہ چر چگ رہے تھے سب کو اپنے قبضہ میں کیا' ان جانوروں میں دو سو اونٹ تو صرف عبدالمطلب کے تھے' اسود بن معضود جو اس کے لشکر کے ہراول کا سردار تھا اس نے ابرہہ کے حکم سے ان جانوروں کو لوٹا تھا' جس پر عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں اشعار تصنیف کئے ہوئے ہیں جو سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں۔ اب ابرہہ نے اپنا قاصد حناطہ حمیری مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ مکہ کے سب سے بڑے سردار کو میرے پاس لاؤ اور یہ بھی اعلان کر دو کہ میں مکہ والوں سے لڑنے کو نہیں آیا' میرا ارادہ صرف بیت اللہ کو گرانے کا ہے' ہاں اگر مکہ والے اس کے بچانے کے درپے ہوئے تو لامحالہ مجھے ان سے لڑائی کرنی پڑے گی حناطہ جب مکہ میں آیا اور لوگوں سے ملا جلا تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بڑا سردار عبدالمطلب بن ہاشم ہے' یہ عبدالمطلب سے ملا اور شاہی پیغام پہنچایا جس کے جواب میں عبدالمطلب نے کہا واللہ نہ ہمارا ارادہ اس سے لڑنے کا ہے نہ ہم میں اتنی طاقت ہے' یہ اللہ کا حرمت والا گھر ہے' اس کے خلیل حضرت ابراہیم کی زندہ یادگار ہے' اللہ اگر چاہے گا تو اپنے گھر کی آپ حفاظت کرے گا' ورنہ ہم میں تو ہمت وقوت نہیں۔ حناطہ نے کہا اچھا تو آپ میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلے چلئے' عبدالمطلب ساتھ ہوئے' بادشاہ نے جب انہیں دیکھا تو ہیبت میں آ گیا' عبدالمطلب گورے چٹے سڈول اور مضبوط قوی والے حسین جمیل انسان تھے' دیکھتے ہی ابرہہ تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر عبدالمطلب کے ساتھ بیٹھ گیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھ کہ کیا چاہتا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا میرے دو سو اونٹ جو بادشاہ نے لے لئے ہیں انہیں واپس کر دیا جائے' بادشاہ نے کہا ان سے کہہ دے کہ پہلی نظر میں تیرا رعب مجھ پر پڑا تھا اور میرے دل میں تیری دہشت بیٹھ گئی تھی لیکن پہلے ہی کلام میں تو نے سب کچھ کھو دی' اپنے دو سو اونٹ کی تو تجھے فکر ہے اور اپنے اور اپنی قوم کے دین کی تجھے فکر نہیں' میں تو تم لوگوں کا عبادت خانہ توڑنے اور اسے خاک میں ملانے کے لئے آیا ہوں' عبدالمطلب نے جواب دیا کہ سن بادشاہ اونٹ تو میرے ہیں اس لئے انہیں بچانے کی کوشش میں میں ہوں اور خانہ کعبہ خدا کا ہے وہ خود اسے بچا لے گا' اس پر یہ سرکش کہنے لگا کہ خدا بھی آج اسے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا' عبدالمطلب نے کہا بہتر ہے وہ جانے اور تو جان۔ یہ بھی مروی ہے کہ اہل مکہ نے تمام حجاز کا تہائی مال ابرہہ کو دینا چاہا کہ وہ اپنے اس بدارادہ سے باز آئے لیکن اس نے قبول نہ کیا' خیر عبدالمطلب تو اپنے اونٹ لے کر چل دیئے اور آ کر قریش کو حکم دیا کہ مکہ بالکل خالی کر دو' پہاڑوں میں چلے جاؤ' اب عبدالمطلب اپنے ساتھ قریش کے چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر بیت اللہ میں آیا اور بیت اللہ کے دروازہ کا کنڈا تھام کر رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کیں کہ باری تعالیٰ ابرہہ اور اس کے خونخوار لشکر سے اپنے پاک اور ذی عزت گھر کو بچا لے' عبدالمطلب نے اس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے۔

لَا هَمَّ اِنَّ الْمَرْءَ يَمْـ ـنَعُ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ
لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ وَمِحَالُهُمْ اَبَدًا مِحَالَكَ

یعنی ہم بے فکر ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہر گھر والا اپنے گھر کا بچاؤ آپ کرتا ہے خدایا تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا' یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ان کی صلیب اور ان کی ڈولیں تیری ڈولوں پر غالب آ جائیں۔

اب عبدالمطلب نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گیا' یہ بھی مذکور ہے کہ جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ بیت اللہ کے اردگرد نشان لگا کر چھوڑ دیئے تھے اس نیت سے کہ اگر یہ بد دین آئے اور انہوں نے خدا کے نام کی قربانی کے ان جانوروں کو چھیڑا تو عذاب خدا ان پر اترے گا' دوسری صبح ابرہہ کے لشکر میں مکہ میں جانے کی تیاریاں ہونے لگیں' اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا اسے تیار کیا' لشکر میں کمر بندی ہو چکی اور مکہ شریف کی طرف منہ اٹھا کر چلنے کی تیاری کی۔ اس وقت نفیل بن حبیب جو اس سے راستے میں لڑا تھا اور اب بطور قیدی کے اس کے ساتھ تھا وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی کا کان پکڑ لیا اور کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا' تو خدائے تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے' یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑ میں جا چھپا' محمود ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا' اب ہزار جتن فیل بان کر رہے ہیں' لشکری بھی کوششیں کرتے کرتے تھک گئے لیکن ہاتھی اپنی جگہ سے ہمتا ہی نہیں سر پر انکس مار رہے ہیں ادھر ادھر سے بھالے اور برچھے مار رہے ہیں آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں' غرض تمام جتن کر لئے لیکن ہاتھی جنبش بھی نہیں کرتا پھر بطور امتحان کے اس کا منہ یمن کی طرف کر کے چلانا چاہا تو جھٹ سے کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا' شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا' مشرق کی طرف لے جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگا گیا' پھر مکہ شریف کی طرف منہ کر کے آگے بڑھانا چاہا وہیں بیٹھ گیا۔ انہوں نے پھر اسے مارنا پیٹنا شروع کیا کہ دیکھا کہ ایک گھٹا ٹوپ پرندوں کا جھرمٹ بادل کی طرح سمندر کے کنارے کی طرف سے امڈا چلا آ رہا ہے' ابھی پوری طرح دیکھنا بھی نہیں پائے تھے کہ وہ جانور سر پر آ گئے' چوطرف سے سارے لشکر کو گھیر لیا۔ ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں ایک مسور یا ماش کے دانے برابر کنکری تھی اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں' یہ ان پر پھینکنے لگے' جس جس پر کنکری آن پڑی وہ وہیں ہلاک ہو گیا' اب تو اس لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی ہر ایک نفیل نفیل کرنے لگا کیونکہ اسے ان لوگوں نے اپنا رہبر اور راستہ بتانے والا سمجھ رکھا تھا' نفیل تو ہاتھی کو کہہ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور دیگر اہل مکہ ان لوگوں کی یہ درگت اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے اور نفیل وہیں کھڑا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

اَيْنَ الْمَفَرُّ وَالْاِلٰهُ الطَّالِبُ وَالْاَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَيْسَ الْغَالِبُ

اب جائے پناہ کہاں ہے؟ جبکہ خدا خود تاک میں لگ گیا ہے۔ سنو اشرم بدبخت مغلوب ہو گیا اب یہ پنپنے کا نہیں اور بھی نفیل نے اس واقعہ کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس قصہ کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کاش کہ تو اس وقت موجود ہوتا جبکہ ان ہاتھی والوں کی شامت آئی ہے اور وادی محصب میں ان پر عذاب کے سنگریزے برسے ہیں تو اس وقت تو اس خدائی لشکر یعنی پرندوں کو دیکھ کر قطعاً سجدے میں گر پڑتا' ہم تو وہاں کھڑے حمد خدا کی راگنیاں الاپ رہے تھے' گو کلیجے ہمارے بھی اونچے ہو گئے تھے کہ کہیں کوئی کنکری ہمارا کام بھی تمام نہ کر دے' نصرانی منہ موڑے بھاگ رہے تھے اور نفیل نفیل پکار رہے تھے گویا کہ نفیل پر ان کے باپ دادوں کا کوئی قرض تھا۔ واقدی فرماتے ہیں یہ پرند زرد رنگ تھے' کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے' ان کے پاؤں سرخ تھے۔ اور روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی کمر پر کنکری پڑی اور بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھر اور ہاتھی بھی بھاگ کھڑے

ہوئے اور ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں' اکثر تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے تھے ان میں سے بھی کوئی جاں بر نہ ہوا' بھاگتے بھاگتے ان کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالآخر جان سے جاتے تھے' ابرہہ بادشاہ بھی بھاگا لیکن ایک ایک عضو بدن جھڑنا شروع ہوا یہاں تک کہ خثعم کے شہروں میں سے صنعا میں جب وہ پہنچا تو بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا ہوا تھا' وہیں بلک بلک کر دم توڑا اور کہتے کی موت مرا' دل تک پھٹ گیا تھا' قریشیوں کو بڑا مال ہاتھ لگا۔ عبدالمطلب نے تو سونے سے ایک کنواں پر کر لیا تھا' زمین عرب میں آبلہ اور چیچک اسی سال پیدا ہوتے ہوئے دیکھے گئے اور اسی طرح سپند اور حنظل وغیرہ کے کڑوے درخت بھی اسی سال زمین عرب میں دیکھے گئے' پس اللہ تعالٰی بزبان رسول معصوم ﷺ اپنی یہ نعمت یاد دلاتا ہے اور گویا فرمایا جا رہا ہے کہ گر تم میرے گھر کی اسی طرح عزت و حرمت کرتے رہتے اور میرے رسول کو مانتے تو میں بھی اسی طرح تمہاری حفاظت کرتا اور تمہیں دشمنوں سے نجات دیتا۔

ابابیل جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد لغت عرب میں پایا نہیں گیا۔ سجیل کے معنی ہیں بہت ہی سخت' اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دو فارسی لفظوں سے مرکب ہے یعنی سنگ اور گل سے یعنی پتھر اور مٹی' غرض سجیل وہ ہے جس میں پتھر مع مٹی کے ہو۔ عصف جمع ہے عَصْفَۃٌ کی' کھیتی کے ان پتوں کو کہتے ہیں جو پک نہ گئے ہوں۔ ابابیل کے معنی ہیں گروہ گروہ' جھنڈ' بہت سارے' پے درپے جمع شدہ' ادھر ادھر سے آنے والے' بعض نحوی کہتے ہیں اس کا واحد ابابیل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں ان پرندوں کی چونچ تھی اور پرندوں جیسے اور پنجے تھے کتوں جیسے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ سبز رنگ کے پرند تھے جو سمندر سے نکلے تھے' ان کے سر درندوں جیسے تھے' اور اور اقوال بھی ہیں۔ یہ پرند باقاعدہ ان لشکریوں کے سروں پر پرے باندھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر چیخنے لگے' پھر پتھر جس کے سر میں لگا اس کے نیچے سے نکل گیا اور دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا' جس کے جس عضو پر گرا وہ عضو ساقط ہو گیا' ساتھ ہی تیز آندھی آئی جس سے اور آس پاس کے کنکر بھی ان کی آنکھوں میں گھس گئے اور سب تہ و بالا ہو گئے۔ عصف کہتے ہیں چارے کو اور کٹی کو اور گیہوں کے درخت کے پتوں کو اور مَاْکُوْل سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عصف کہتے ہیں بھوسی کو جو اناج کے دانوں کے اوپر ہوتی ہے۔ ابن زیدؒ فرماتے ہیں مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جنہیں جانور چر چکے ہوں' مطلب یہ ہے کہ خدا نے ان کا تہس نہس کر دیا اور عام خاص کو ہلاک کر دیا ان کی ساری تدبیریں پٹ پڑ گئیں' کوئی بھلائی انہیں نصیب نہ ہوئی اور ان کی خبر پہنچائے ایسا بھی کوئی ان میں صحیح سالم نہ رہا جو بھی بچا' وہ زخمی ہو کر اور اس زخم سے پھر جاں بر نہ ہو سکا' خود بادشاہ بھی گو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گیا تھا' جوں توں صنعا میں پہنچا لیکن وہاں جاتے ہی اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور واقعہ بیان کر ہی چکا تھا جو مر گیا' اس کے بعد اس کا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا' پھر اس کے دوسرے بھائی مسروق بن ابرہہ کو سلطنت ملی' اب سیف بن ذویزن حمیری کسریٰ کے دربار میں پہنچا اور اس سے مدد طلب کی تاکہ وہ اہل حبشہ سے لڑے اور یمن ان سے خالی کرائے' کسریٰ نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار کر دیا' اس لشکر نے اہل حبشہ کو شکست دی اور ابرہہ کے خاندان سے سلطنت نکل گئی اور پھر قبیلہ حمیر یہاں کا بادشاہ بن گیا' عربوں نے اس پر بڑی خوشی منائی اور چوطرف سے مبارکبادیاں وصول ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیل بان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا' دونوں اندھے ہو گئے تھے چل پھر نہیں سکتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے اس فیل بان کا نام انیسا تھا۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی ہے کہ ابرہہ خود اس چڑھائی میں نہ تھا بلکہ اس نے اپنے لشکر کو بہ ماتحتی شمس بن معضود کے بھیجا تھا' یہ لشکر بیس ہزار کا تھا اور یہ پرند ان کے اوپر رات کے وقت آئے تھے اور صبح تک

ان سب کا ستیاناس ہو چکا تھا' لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ خود ابرہہ اشرم حبشی ہی اپنے ساتھ لشکر لے کر آیا تھا' یہ ممکن ہے کہ اس کے ہراول کے دستہ پر یہ شخص سردار ہو۔ اس واقعہ کو بہت سے عرب شاعروں نے اپنے اپنے شعروں میں بھی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سورۂ فتح کی تفسیر میں ہم اس واقعہ کو مفصل بیان کر آئے ہیں جس میں ہے کہ جب حدیبیہ والے دن رسول اللہ ﷺ اس ٹیلے پر چڑھے جہاں سے آپ قریشیوں پر جانے والے تھے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے اسے ڈانٹا ڈپٹا لیکن وہ نہ اٹھی لوگ کہنے لگے قصواء تھک گئی آپ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس میں اڑنے کی عادت' اسے اس خدا نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔

پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مکے والے جن شرائط پر مجھ سے صلح چاہیں گے میں سب مان لوں گا بشرطیکہ خدا کی حرمتوں کی ہتک اس میں نہ ہو' پھر آپ نے اسے ڈانٹا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوگئی۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے' بخاری مسلم کی اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ پر سے ہاتھیوں کو روک لیا اور اپنے نبی کو وہاں کا قبضہ دیا اور اپنے ایماندار بندوں کو' سنو آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ کر آ گئی ہے جیسے کل تھی' خبردار ہر حاضر کو چاہیے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ فیل کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة القریش

(تفسیر سورۃ قریش) سات فضیلتیں: ☆☆ اس کی فضیلت میں ایک غریب حدیث بیہقی کی کتاب خلافیات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریشیوں کو سات فضیلتیں دی ہیں ایک تو یہ کہ میں ان میں سے ہوں' دوسرے یہ کہ نبوت ان میں ہے' تیسرے یہ کہ بیت اللہ کے پاسبان یہ ہیں' چوتھے یہ کہ چاہ زمزم کے ساقی یہ ہیں' پانچویں یہ کہ خدا نے انہیں ہاتھی والوں پر غالب کیا' چھٹے یہ کہ دس سال تک انہوں نے خدا کی عبادت کی جبکہ اور کوئی عبادت خدا نہ کرتا تھا' ساتویں یہ کہ ان کے بارے میں قرآن کریم کی یہ سورت نازل ہوئی' پھر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر یہ سورت تلاوت کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

شروع ہے اللہ تعالیٰ نہایت مہربان رحم والے کے نام سے ○

قریش کو الفت دلانے کے واسطے ○ انہیں الفت دلائی جاڑے اور گرمی کے سفر میں ○ انہیں چاہئے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں ○ جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا' اور ڈر خوف میں امن وامان دیا ○

امن وامان کی ضمانت: ☆☆ (آیت:۱-۴) موجودہ عثمانی قرآن کی ترتیب میں یہ سورت سورۂ فیل سے علیحدہ ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ کی آیت کا فاصلہ موجود ہے' مضمون کے اعتبار سے یہ سورت پہلی کے سورت کے متعلق ہی ہے جیسے کہ محمد بن اسحاقؒ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے' اس بنا پر معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے مکہ سے ہاتھیوں کو روکا اور ہاتھی والوں کو ہلاک کیا' یہ قریشیوں کو الفت دلانے اور انہیں اجتماع کے ساتھ باامن اس شہر میں رہنے سہنے کے لیئے تھا اور یہ مراد بھی کی گئی ہے کہ یہ قریشی جاڑوں میں

کیااور گرمیوں میں کیادوردراز کاسفر امن وامان سے طے کر سکتے تھے کیونکہ مکے جیسے محترم شہر میں رہنے کی وجہ سے ہر جگہ ان کی عزت ہوتی تھی بلکہ ان کے ساتھ بھی جو ہوتا تھا امن وامان سے سفر طے کر لیتا تھا' اسی طرح وطن سے ہر طرح کا امن انہیں حاصل ہوتا تھا جیسے کہ اور جگہ قرآن کریم میں موجود ہے کہ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے' اس کے آس پاس تو لوگ اچک لئے جاتے ہیں لیکن یہاں کے رہنے والے نڈر ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں لِاِیْلٰفِ میں پہلا لام تعجب کا لام ہے اور دونوں سورتیں بالکل جداگانہ ہیں جیسا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے' تو گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ تم قریشیوں کے اس اجتماع اور الفت پر تعجب کرو کہ میں نے انہیں کیسی بھاری نعمت عطا فرما رکھی ہے' انہیں چاہئے کہ میری اس نعمت کا شکر اس طرح ادا کریں کہ صرف میری ہی عبادت کرتے رہیں۔ جیسے اور جگہ ہے قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا یعنی اے نبی تم کہہ دو کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی ہی عبادت کروں جس نے اسے حرم بنایا جو ہر چیز کا مالک ہے' مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کا مطیع اور فرمانبردار رہوں۔

پھر فرماتا ہے وہ رب بیت جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور خوف میں نڈر رکھا انہیں چاہئے اس کی عبادت میں کسی چھوٹے بڑے کو شریک نہ ٹھہرائیں' جو خدا کے اس حکم کی بجا آوری کرے گا وہ تو دنیا کے اس امن کے ساتھ آخرت کے دن بھی امن وامان سے رہے گا اور اس کی نافرمانی کرنے سے یہ امن بھی بے امنی سے اور آخرت کا امن بھی ڈر خوف سے انتہائی مایوسی سے بدل جائے گا۔ جیسے اور جگہ فرمایا ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً اللہ تعالیٰ ان بستی والوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو امن واطمینان کے ساتھ تھے' ہر جگہ سے بافراغت روزیاں کھچی چلی آتی تھیں لیکن انہیں خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنے کی سوجھی چنانچہ خدائے تعالیٰ نے بھی انہیں بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا' یہی ان کے کرتوت کا بدلہ تھا' ان کے پاس ان ہی میں سے خدا کے بھیجے ہوئے آئے لیکن انہوں نے اسے جھٹلایا اس ظلم پر خدا کے عذابوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریشیو تمہیں تو خدا یوں راحت وآرام پہنچائے' گھر بیٹھے کھلائے پلائے' چوطرف بدامنی کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور تمہیں امن وامان سے میٹھی نیند سلائے' پھر تم پر کیا مصیبت ہے جو تم اپنے اس پروردگار کی توحید سے جی چراؤ اور اس کی عبادت میں دل نہ لگاؤ بلکہ اس کے سوا دوسروں کے آگے سر جھکاؤ؟ الحمدللہ سورۂ لایلاف کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الماعون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾

ع ۲۲

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے ○

کیا تو نے اسے بھی دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے ○ یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ○ اور مسکین کو کھلانے کی رغبت نہیں دیتا ○ ان نمازیوں کے لئے ویل نامی جہنم کی جگہ ہے ○ جو اپنی نماز سے غافل ہیں ○ جو ریاکاری ہیں ○ اور برتنے کی چیز روکتے ہیں ○

نماز میں غفلت اور یتیموں سے نفرت: ☆☆ (آیت:۱-۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد ﷺ تم نے اس شخص کو دیکھا؟ جو قیامت کے دن کو جو جزا و سزا کا دن ہے جھٹلاتا ہے' یتیم پر ظلم وستم کرتا ہے' اس کا حق مار کھاتا ہے' اس کے ساتھ سلوک واحسان نہیں کرتا مسکینوں کو خود تو کیا دیتا دوسروں کو بھی اس کار خیر پر آمادہ نہیں کرتا۔ جیسے اور جگہ ہے کَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ یعنی جو برائی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے کہ نہ تم یتیموں کی عزت کرتے ہو نہ مسکینوں کو کھانا دینے کی رغبت دلاتے ہو یعنی اس فقیر کو جو اتنا نہیں پاتا کہ اسے کافی ہو۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ غفلت برتنے والے نمازیوں کی لئے ویل ہے یعنی ان منافقوں کے لئے جو لوگوں کے سامنے نماز ادا کریں ورنہ ہضم کر جائیں' یہی معنی حضرت ابن عباسؓ نے کئے ہیں' اور یہ بھی معنی ہیں کہ مقرر کردہ وقت ٹال دیتے ہیں جیسے کہ مسروق اور ابوالضحے کہتے ہیں۔

حضرت عطاء بن دینار فرماتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ فرمان باری میں عَنْ صَلٰوتِهِمْ ہے فِيْ صَلٰوتِهِمْ نہیں یعنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں فرمایا نمازوں میں غفلت برتتے ہیں نہیں فرمایا۔ اسی طرح یہ لفظ شامل ہے ایسے نمازی کو بھی جو ہمیشہ نماز کو آخری وقت ادا کرے یا عموماً آخری وقت پڑھے یا ارکان وشروط کی پوری رعایت نہ کرے یا خشوع وخضوع اور تدبر وغور وفکر نہ کرے۔ لفظ قرآن ان میں سے ہر ایک کو شامل ہے' یہ سب باتیں جس میں ہوں وہ تو پورا پورا بدنصیب ہے اور جس میں جتنی ہوں اتنا ہی وہ ویل ہے اور نفاق عملی کا حصہ دار ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے' یہ نماز منافق کی ہے' کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملا لے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مار لے' جس میں خدا کا ذکر بہت ہی کم کرے' یہاں مراد عصر کی نماز ہے جو صلوٰۃ الوسطی ہے جیسے کہ حدیث کے لفظوں سے ثابت ہے یہ شخص مکروہ وقت میں کھڑا ہوتا ہے اور کوے کی طرح چونچیں مار لیتا ہے' جس میں اطمینان ارکان بھی نہیں ہوتا' نہ خشوع وخضوع ہوتا ہے بلکہ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم ہوتا ہے اور کیا عجب کہ یہ نماز محض دکھاوے کی نماز ہو' تو پڑھی نہ پڑھی یکساں ہے۔ انہی منافقین کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا یعنی منافق خدا کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں' یہ جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو تھکے ہارے بادل ناخواستہ صرف لوگوں کے دکھاوے کے لئے نماز گذارتے ہیں' خدا کی یاد بہت ہی کم کرتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا یہ ریاکاری کرتے ہیں' لوگوں میں نمازی بنتے ہیں۔

طبرانی کی حدیث میں ہے ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی آگ اس قدر تیز ہے کہ اور آگ جہنم کی ہر دن اس سے چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے' یہ ویل اس امت کے ریاکار علماء کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر صدقہ خیرات کرنے والوں کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر حج کرنے والوں کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر جہاد کرنے والوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص دوسروں کو سنانے کے لئے کوئی نیک کام کرے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو سنا کر عذاب کرے گا اور اسے ذلیل وحقیر کرے گا' ہاں اس موقعہ پر یہ یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے بالکل نیک نیتی سے کوئی اچھا کام کیا اور لوگوں کو اس کی خبر ہوگئی اس پر اسے بھی خوشی ہوئی تو یہ ریاکاری نہیں' اس کی دلیل مسند ابویعلی موصلی کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار نبوی میں ذکر کیا کہ حضور میں تو تنہا نوافل پڑھتا ہوں لیکن اچانک کوئی آ جاتا ہے تو ذرا مجھے بھی یہ اچھا معلوم ہونے لگتا ہے آپ نے فرمایا تجھے دو اجر ملیں گے ایک اجر پوشیدگی کا اور دوسرا ظاہر کرنے کا۔ حضرت ابن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے یہ حدیث ریاکاروں کے لئے بھی اچھی چیز ہے' یہ حدیث بروئے اسناد غریب ہے لیکن اسی معنی کی حدیث اور سند سے بھی مروی ہے ابن جریر کی ایک بہت ہی ضعیف مسند والی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو

حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ تم میں سے ہر شخص کو مثل تمام دنیا کے دیا جائے' اس سے مراد وہ شخص ہے کہ نماز پڑھے تو اس کی بھلائی سے اسے کچھ سروکار نہ ہو اور نہ پڑھے تو خدا کا خوف اسے نہ ہو۔ اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے موخر کرتے ہیں' اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ سرے سے پڑھتے ہی نہیں' دوسرے معنی یہ ہیں کہ شرعی وقت نکال دیتے ہیں پھر پڑھتے ہیں' یہ معنی بھی ہیں کہ اول وقت میں ادا نہیں کرتے۔

ایک موقوف روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تنگ وقت کر ڈالتے ہیں' زیادہ صحیح موقوف روایت ہی ہے۔ امام بیہقی بھی فرماتے ہیں کہ مرفوع تو ضعیف ہے ہاں موقوف صحیح ہے۔ امام حاکم کا قول بھی یہی ہے پس جس طرح یہ لوگ عبادت رب میں سست ہیں اسی طرح لوگوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے' یہاں تک کہ برتنے کی کم قیمت چیزیں لوگوں کو اس لئے بھی نہیں دیتے کہ وہ اپنا کام نکال لیں اور پھر وہ چیز جوں کی توں واپس کر دیں' پس ان خسیس لوگوں سے یہ کہاں بن آئے کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں یا اور نیکی کے کام کریں۔ حضرت علیؓ سے ماعون کا مطلب ادائیگی زکوٰۃ بھی مروی ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اور دیگر حضرات مفسرین معتبرین سے بھی۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز میں ریاکاری ہے اور اس کے مال کے صدقہ میں روک ہے۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ منافق لوگ ہیں نماز تو چونکہ ظاہر ہے پڑھنی پڑتی ہے اور زکو چونکہ پوشیدہ ہے تو ادا نہیں کرتے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ماعون ہر وہ چیز ہے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں جیسے کدال پھاوڑا دیگچی ڈول وغیرہ۔ دوسری روایت میں ہے کہ اصحاب رسولؐ اس کا یہی مطلب بیان کرتے تھے اور روایت میں ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور ہم اس کی تفسیر یہی کرتے تھے۔ نسائی کی حدیث میں ہے ہر نیک چیز صدقہ ہے' ڈول اور ہنڈیا یا پتیلی مانگنے پر دینے کو ہم آنحضرت کے زمانہ میں ماعون سے تعبیر کرتے تھے غرض اس کے معنی زکوٰۃ نہ دینے کے' اطاعت نہ کرنے کے' مانگی چیز نہ دینے کے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بے جان چیزیں کوئی دو گھڑی کے لئے مانگنے آئے اس سے انکار کر دینا مثلاً چھلنی ڈول سوئی سل بٹا کدال پھاوڑا پتیلی دیگچی وغیرہ۔

ایک غریب حدیث میں ہے کہ قبیلہ نمیر کے وفد نے حضورؐ سے کہا کہ ہمیں خاص حکم کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ماعون سے منع کرنا' انہوں نے پوچھا ماعون کیا؟ فرمایا پتھر لوہا پانی' انہوں نے پوچھا لوہے سے مراد کون سا لوہا ہے؟ فرمایا یہی تمہاری تانبے کی پتیلیاں اور کدال وغیرہ' پوچھا پتھر سے کیا مراد؟ فرمایا یہی دیگچی وغیرہ۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ مرفوع ہونا منکر ہے اور اس کی اسناد میں وہ راوی ہیں جو مشہور نہیں۔ علی نمیری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے آپ نے فرمایا مسلمان کا مسلمان بھائی ہے' جب ملے سلام کرے جب سلام کرے تو بہتر جواب دے اور ماعون کا انکار نہ کرے' میں نے پوچھا حضورؐ ماعون کیا؟ فرمایا پتھر لوہا اور اسی جیسی اور چیزیں۔ واللہ اعلم۔ الحمد للہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کے احسان اور رحم سے اس سورت کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ الکوثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَؕ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْؕ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۝۳

ع

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے O

یقیناً ہم نے تجھے کوثر دی O پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر O یقیناً تیرا دشمن ہی بے نام نشان ہے O

شہد سے زیادہ میٹھی اور دودھ سے زیادہ سفید نہر: ☆☆ (آیت: ۱-۳) مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور دفعتہ سر اٹھا کر مسکرائے پھر یا تو خود آپ نے فرمایا یا لوگوں کے اس سوال پر فرمایا کہ حضورؐ کیسے مسکرائے؟ تو آپ نے فرمایا مجھ پر اس وقت ایک سورت اتری پھر آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس پوری سورت کی تلاوت کی اور فرمایا جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا وہ ایک جنتی نہر ہے جس پر بہت بھلائی ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے جس پر میری امت قیامت والے دن آئے گی اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں بعض لوگ اس سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ بھی میرے امتی ہیں تو کہا جائے گا آپ کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں؟ اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے گرتے ہوں گے۔ نسائی کی حدیث میں ہے یہ واقعہ مسجد میں گذرا اسی سے اکثر قاریوں کا استدلال ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ اور اکثر فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورت میں اس کے ساتھ ہی نازل ہوئی تھی اور ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ مجھے کوثر عنایت کی گئی ہے جو ایک جاری نہر ہے لیکن گڑھا نہیں ہے اس کے دونوں جانب موتی کے خیمے ہیں اس کی مٹی خالص مشک ہے اس کے کنکر بھی سچے موتی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ معراج والی رات آپ نے آسمان پر جنت میں اس نہر کو دیکھا اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون سی نہر ہے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ یہ کوثر ہے جو خدا نے آپ کو دے رکھی ہے۔ اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں اور بہت سی ہم نے سورۂ اسراء کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے جس کے کنارے دراز گردن پرند بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے سن کر فرمایا وہ پرند تو بہت ہی خوبصورت ہوں گے آپ نے فرمایا کھانے میں بھی وہ بہت ہی لذیذ ہیں (ابن جریر) اور روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ کوثر کیا ہے؟ اس پر آپ نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمرؓ نے ان پرندوں کی نسبت یہ فرمایا (مسند احمد) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہ نہر بیچوں بیچ جنت کے ہے۔ ایک منقطع سند سے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ کوثر کے پانی کے گرنے کی آواز جو سننا چاہے وہ اپنے دونوں کانوں میں اپنی دونوں انگلیاں ڈال لے اول تو اس کی سند ٹھیک نہیں دوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جیسی آواز آتی ہے نہ کہ خاص اسی کی آواز ہو۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوثر سے مراد وہ بھلائی اور خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ ابو بشرؒ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ سے یہ سن کر کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ جنت کی ایک نہر ہے تو حضرت سعید نے فرمایا وہ بھی ان بھلائیوں اور خیر میں سے ہے جو آپ کو خدا کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں اور بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد بہت سی خیر ہے تو یہ تفسیر شامل ہے حوض کوثر وغیرہ سب کو کوثر ماخوذ ہے کثرت سے جس سے مراد خیر کثیر ہے اور اسی خیر کثیر میں حوض جنت بھی ہے جیسے کہ بہت سے مفسرین سے مروی ہے۔ حضرت مجاہدؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا اور آخرت کی بہت بہت بھلائیاں مراد ہیں۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں نبوت قرآن ثواب آخرت کوثر ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوثر کی تفسیر نہر کوثر سے بھی مروی ہے جیسے کہ ابن جریر میں سنداً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں

کنارے سونا چاندی ہے' جو یاقوت اور موتیوں پر بہہ رہی ہے' جس کا پانی برف سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ تفسیر مروی ہے (ابن جریر) ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت مرفوع بھی آئی ہے' امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے آپ اس وقت گھر پر نہ تھے' آپ کی بیوی صاحبہ جو قبیلہ بنونجار سے تھیں انہوں نے کہا کہ یا نبی اللہ وہ تو ابھی ابھی آپ ہی کی طرف گئے ہیں شاید بنونجار میں رک گئے ہوں' آپ تشریف لائیں۔ حضور گھر میں گئے تو مائی صاحبہ نے آپ کے سامنے مالیدہ رکھا جو آپ نے تناول فرمایا' مائی صاحبہ خوش ہو کر فرمانے لگیں اچھا ہوا خود تشریف لے آئے میں تو حاضر دربار ہونے کا ارادہ کر چکی تھی کہ آپ کو حوض کوثر ملنے کی مبارک باد دوں' مجھ سے ابھی ابھی حضرت ابوعمارہؓ نے کہا تھا آپ نے فرمایا ہاں اس حوض کی زمین یاقوت اور مرجان اور زبرجد اور موتیوں کی ہے اس کے ایک راوی خرام بن عثمان ضعیف ہیں لیکن واقعہ حسن ہے اور اصل تو تواتر سے ثابت ہو چکی ہے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین وغیرہ سے ثابت ہے کہ کوثر نہر کا نام ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ جیسے ہم نے تمہیں خیر کثیر عنایت فرمائی اور ایسی پرشوکت نہر دی تو تم بھی صرف میری ہی عبادت کرو' خصوصاً نفل فرض نماز اور قربانی اسی وحدہ لاشریک لہ کے نام کی کرتے رہو' جیسے فرمایا قُلْ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ مراد قربانی سے اونٹوں کا نحر کرنا وغیرہ ہے۔ مشرکین سجدے اور قربانیاں اللہ کے سوا اوروں کے نام کی کرتے تھے تو یہاں حکم ہوا کہ تم صرف اللہ ہی کے نام کی مخلصانہ عبادتیں کیا کرو' اور جگہ ہے لَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ جس جانور پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے نہ کھاؤ یہ تو فسق ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد وانحر سے دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر نماز میں سینے پر رکھنا ہے' یہ حضرت علیؓ سے غیر صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ اس لفظ کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ حضرت ابوجعفر باقر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے شروع کے وقت رفع الیدین کرنا ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اپنے سینے سے قبلہ کی طرف متوجہ ہو۔ یہ تینوں قول ابن جریر میں منقول ہیں۔

ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک بہت منکر حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ جب یہ سورت نبی صلی اللہ صلوۃ اللہ پر اتری تو آپ نے فرمایا اے جبرئیل وانحر سے مراد کیا ہے؟ جو مجھے میرے پروردگار کا حکم ہو رہا ہے' تو حضرت جبرئیل نے فرمایا اس سے مراد قربانی نہیں بلکہ خدا کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرو اور رکوع کے وقت بھی اور جب رکوع سے سر اٹھاؤ تب اور جب سجدہ کرو' یہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو ساتوں آسمانوں میں ہیں' ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کرنا ہے' یہ حدیث اسی طرح مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ حضرت عطا خراسانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں وانحر سے مراد یہ ہے کہ اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاؤ تو اعتدال کرو اور سینے کو ظاہر کرو یعنی اطمینان حاصل کرو۔ (ابن ابی حاتم) یہ سب اقوال غریب ہیں اور صحیح پہلا قول ہے کہ مراد نحر سے قربانیوں کا ذبح کرنا ہے۔ اسی لئے رسول مقبول ﷺ نماز عید سے فارغ ہو کر اپنی قربانی ذبح کرتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہم جیسی قربانی کرے اس نے شرعی قربانی کی اور جس نے نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کر لیا اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ ابو ہریرہ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ میں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی یہ سمجھ کر کہ آج کے دن گوشت کی چاہت ہوگی آپ نے فرمایا بس وہ تو کھانے کا گوشت ہو گیا' صحابی نے کہا اچھا یا رسول اللہ اب میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے بھی زیادہ محبوب ہے کیا یہ کافی ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں تجھے تو کافی ہے لیکن تیرے بعد چھ مہینے کا بکری کا بچہ کوئی اور قربانی نہیں دے سکتا

امام ابوجعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک قول اس کا ہے جو کہتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی تمام نمازیں خالص اللہ ہی کے

ادا کر اس کے سوا کسی اور کے لئے نہ کر اسی طرح اسی کی راہ میں خون بہا کسی اور کے نام پر قربانی نہ کر اس کا شکر بجا لا جس نے تجھے یہ بزرگی دی اور وہ نعمت دی جس جیسی کوئی اور نعمت نہیں تجھی کو اس کے ساتھ خاص کیا' یہی قول بہت اچھا ہے۔

محمد بن کعب قرظیؒ اور عطاؒ کا بھی یہی فرمان ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی تجھ سے اور تیری طرف اتری ہوئی وحی سے دشمنی رکھنے والا ہی قلت و ذلت والا بے برکتا اور دم بریدہ ہے' یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں اتری ہے' یہ پاجی جہاں حضورؐ کا ذکر سنتا تو کہتا اسے چھوڑو وہ دم کٹا ہے اس کے پیچھے اس کی نرینہ اولاد نہیں' اس کے انتقال کرتے ہی اس کا نام دنیا سے اٹھ جائے گا' اس پر یہ مبارک سورت نازل ہوئی ہے شمر بن عطیہ فرماتے ہیں کہ عقبہ بن ابو معیط کے حق میں یہ آیت اتری ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کعب بن اشرف اور جماعت قریش کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے۔ بزار میں ہے کہ جب کعب بن اشرف مکے میں آیا تو قریشیوں نے اس سے کہا کہ آپ تو ان کے سردار ہیں' آپ اس بچہ کی طرف نہیں دیکھتے؟ جو اپنی ساری قوم سے الگ تھلگ ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ افضل ہے حالانکہ ہم حاجیوں کے اہل ہیں' بیت اللہ ہمارے ہاتھوں میں ہے' زمزم پر ہمارا قبضہ ہے تو یہ خبیث کہنے لگا بیشک تم اس سے بہتر ہو' اس پر یہ آیت اتری' اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں ابولہب کے بارے میں یہ آیت اتری ہے جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو یہ بدنصیب مشرکین سے کہنے لگا کہ آج کی رات محمد کی نسل کٹ گئی (صلی اللہ علیہ وسلم وبارک) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری' ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضورؐ کا ہر دشمن ہے جن جن کے نام لئے گئے وہ بھی اور جن کا ذکر نہیں ہوا وہ بھی۔ ابتر کے معنی ہیں تنہا' عرب کا یہ بھی محاورہ ہے کہ جب کسی کی نرینہ اولاد مر جائے تو کہتے ہیں ابتر۔ حضور علیہ السلام کے صاحبزادوں کے انتقال پر بھی انہوں نے دشمنی کی وجہ سے یہی کہا جس پر یہ آیت اتری' تو مطلب یہ ہوا کہ ابتر وہ ہے جس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر مٹ جائے' ان مشرکین نے حضورؐ کی نسبت بھی یہی خیال کیا تھا کہ ان کے لڑکے تو انتقال کر گئے وہ نہ رہے جن کی وجہ سے ان کے انتقال کے بعد بھی ان کا نام رہتا' حاشا وکلا اللہ تعالیٰ کا آپ کا نام رہتی دنیا تک رکھے گا' آپ کی شریعت ابدالآباد تک باقی رہے گی' آپ کی اطاعت ہر کہ ومہ پر فرض کر دی گئی ہے آپ کا پیارا اور پاک نام ہر ہر مسلم کے دل و زبان پر ہے اور قیامت تک فضائے آسمانی میں عروج و اقبال کے ساتھ گونجتا رہے گا' بحر و بر میں ہر وقت اسکی منادی ہوتی رہے گی' اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی آل و اولاد پر اور ازواج و اصحاب پر قیامت تک درود و سلام بے حد و بکثرت بھیجتا رہے آمین۔ الحمد للہ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کے احسان و رحم سے سورۂ کوثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ وللہ الحمد والمنہ۔

تفسیر سورة الکافرون

مشرک سے براۃ اور بیزاری : ☆☆ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو اور سورۂ قل ھو اللہ کو طواف کے بعد کی دو رکعت نماز میں تلاوت فرمایا۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صبح کی دو سنتوں میں بھی آنحضرت ﷺ انہی دونوں سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کے فرضوں سے پہلے کی دو رکعتوں میں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں بیس اوپر کچھ دفعہ یا دس اوپر کچھ مرتبہ سورۂ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی (یعنی اتنی مرتبہ میں نے آپ کو یہ سورتیں ان نمازوں میں پڑھتے ہوئے سنا) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو میں نے چوبیس یا پچیس مرتبہ صبح کی دو سنتوں میں ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے بخوبی دیکھا۔

مسند ہی کی دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ مہینہ بھر تک میں نے آپ کو ان دونوں رکعتوں میں یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے پایا یہ روایت ترمذی ابن ماجہ اور نسائی میں بھی ہے' امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ وہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ بھی۔ مسند احمد میں روایت ہے حضرت نوفل بن معاویہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہماری ربیبہ کی زینب کی پرورش تم اپنے ہاں کرو' میرے خیال سے یہ حضرت زینب تھیں یہ ایک مرتبہ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہو بچی کیا کر رہی ہے؟ کہا میں اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آیا ہوں' فرمایا اچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اس لئے کہ آپ سے کوئی وظیفہ سیکھ جاؤں جو سوتے وقت پڑھ لوں۔ آپ نے فرمایا قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھ کر سو جایا کرو اس میں شرک سے براۃ اور بیزاری ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ جبلہ بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی آپ نے یہی فرمایا تھا۔ طبرانی کی اور روایت میں ہے کہ خود حضور بھی اپنے بستر پر لیٹ کر اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت حارث بن جبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے کہ میں سونے کے وقت اسے کہہ لیا کروں آپ نے فرمایا جب تو رات کو اپنے بستر پر جا تو قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کر' یہ شرک سے بیزاری ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

میں پڑھتا ہوں اللہ کے نام کی برکت سے جو رحمان اور رحیم ہے ○

کہہ دے کہ اے کافرو! ○ نہ میں تمہارے معبودوں کو پوجوں ○ نہ تم میرے معبود کو پوجتے ہو ○ اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا ○ نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی عبادت میں کر رہا ہوں ○ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے ○

مشرکین الگ اور موحدین الگ : ☆☆ (آیت:۱-۶) اس سورۂ مبارکہ میں مشرکین کے عمل سے بیزاری کا اعلان ہے اور خدا کی عبادت کے اخلاص کا حکم ہے' گو یہاں خطاب مکہ کے کفار قریش سے ہے لیکن دراصل روئے زمین کے تمام کافر مراد ہیں۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ ان کافروں نے حضورؐ سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی خدا کی عبادت کریں گے اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے ان بتوں کو اور جن جن کو تم خدا کا شریک مان رہے ہو ہرگز نہ پوجوں گا گو تم بھی میرے معبود برحق خدا وحدہٗ لاشریک لہ کو نہ پوجو' پس ما یہاں پر معنی میں من کے ہے' پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ میں تم جیسی عبادت نہ کروں گا' تمہارے مذہب پر میں کاربند نہیں ہو سکتا نہ میں تمہارے پیچھے لگ سکتا ہوں بلکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا اور وہ بھی اس طریقے پر جو اسے پسند ہو اور جیسے وہ چاہے' اسی لئے فرمایا کہ نہ تم میرے رب کے احکام کے آگے سر جھکاؤ گے نہ اس کی عبادت اس کے فرمان کے مطابق بجا لاؤ گے بلکہ تم نے تو اپنی طرف سے طریقے مقرر کر لئے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ الخ' یہ لوگ صرف اٹکل اور گمان کے اور خواہش نفسانی کے پیچھے

پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے‘ پس جناب نبی خدا احمد مجتبیٰ محمد ﷺ نے ہر طرح اپنا دامن ان سے چھڑا لیا اور صاف طور پر ان کے معبودوں سے اور ان کی عبادت کے طریقوں سے علیحدگی اور ناپسندیدگی کا اعلان فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ ہر عابد کا معبود ہوگا اور طریقہ عبادت ہوگا پس رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور طریقہ عبادت ان کا وہ ہے جو سرور رسل ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے۔

اسی لئے کلمہ اخلاص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا راستہ وہی ہے جس کے بتانے والے محمد ہیں جو خدا کے پیغمبر ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور مشرکین کے معبود بھی خدا کے سوا غیر ہیں اور طریقہ عبادت بھی خدا کا بتلایا ہوا نہیں‘ اسی لئے فرمایا کہ تمہارا دین تمہارے لئے‘ میرا میرے لئے‘ جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے‘ تم میرے اعمال سے الگ ہو اور میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں‘ اور جگہ فرمایا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ہمارے عمل ہمارے ساتھ اور تمہارے تمہارے ساتھ۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لئے میرا دین ہے یعنی اسلام یہ لفظ اصل میں دینی تھا لیکن چونکہ اور آیتوں کا وقف نون پر ہے اس لئے اس میں بھی یا کو حذف کر دیا‘ جیسے فَهُوَ يَهْدِيْنِ میں اور يَسْقِيْنِ میں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اب تو تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا نہیں اور آگے کے لئے بھی تمہیں ناامید کر دیتا ہوں کہ عمر بھر میں کبھی بھی یہ کفر مجھ سے نہ ہو سکے گا‘ اسی طرح نہ تم اب میرے خدا کو پوجتے ہو نہ آئندہ اس کی عبادت کرو گے‘ اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا خدا کو معلوم تھا‘ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا یعنی تیری طرف جو اترتا ہے اس سے ان میں کے اکثر تو سرکشی اور کفر میں بڑھ جاتے ہیں۔ ابن جریرؒ نے بعض عربی دان حضرات سے نقل کیا ہے کہ دو مرتبہ اس جملے کا لانا صرف تاکید کے لئے ہے جیسے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں اور جیسے لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ پس ان دونوں جملوں کو دو مرتبہ لانے کی حکمت میں یہ تین قول ہوئے‘ ایک تو یہ کہ پہلے جملے سے مراد معبود دوسرے سے مراد طریق عبادت‘ دوسرے یہ کہ پہلے جملے سے مراد حال دوسرے سے مراد استقبال یعنی آئندہ‘ تیسرے یہ کہ پہلے جملے کی تاکید دوسرے دونوں جملوں سے ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں ایک چوتھی توجیہ بھی ہے جسے حضرت امام ابن تیمیہؒ اپنی بعض تصنیفات میں قوت دیتے ہیں وہ یہ کہ پہلے تو جملہ فعلیہ ہے دوبارہ جملہ اسمیہ ہے‘ تو مراد یہ ہوئی کہ نہ تو میں غیر اللہ کی عبادت کرتا ہوں نہ مجھ سے کبھی بھی کوئی امید رکھ سکتا ہے یعنی واقعہ کی بھی نفی ہے اور شرعی طور پر ممکن ہونے کا بھی انکار ہے‘ یہ قول بھی بہت اچھا ہے واللہ اعلم۔

حضرت امام ابو عبداللہ شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی ملت ہے‘ اس لئے یہود نصرانی کا اور نصرانی یہود کا وارث ہو سکتا ہے جبکہ ان دونوں میں نسب یا سبب ورثے کا پایا جائے اس لئے کہ اسلام کے سوا کفر کی جتنی راہیں ہیں وہ سب باطل ہونے میں ایک ہی ہیں۔ حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کا مذہب اس کے برخلاف ہے کہ نہ یہودی نصرانی کا وارث ہو سکتا ہے نہ نصرانی یہود کا کیونکہ حدیث ہے دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ سورۂ قل یا ایھا الکافرون کی تفسیر ختم ہوئی‘ فالحمدللہ احسانہ۔

تفسیر سورة النصر

قرآن کا چوتھائی حصہ : ☆☆ پہلے وہ حدیث بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قران کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباس نے عبید اللہ بن عبداللہؒ سے پوچھا جانتے ہو سب سے آخر کون سی سورت اتری؟ جواب دیا کہ ہاں یہی سورت اِذَا جَآءَ تو آپ نے فرمایا تم سچے ہو (نسائی) حافظ ابو بکر بزار اور حافظ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت وارد کی ہے کہ یہ سورت ایام تشریق کے درمیان کے دن اتری تو آپ سمجھ گئے کہ یہ رخصت کی سورت ہے' اسی وقت حکم دیا اور آپ کی اونٹنی قصوی کسی گئی آپ اس پر سوار ہوئے اور اپنا وہ پر زور خطبہ پڑھا جو مشہور ہے۔ بیہقی میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے میرے انتقال کی خبر آ گئی ہے' حضرت زہرا رضی اللہ عنہ رونے لگیں پھر یکایک ہنس دیں۔ جب اور لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا خبر انتقال نے تو رلا دیا لیکن روتے ہوئے حضورؐ نے تسلی دی اور فرمایا بیٹی صبر کرو' میری اہل میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی تو مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ رحم کرنے والے مہربان کے ○

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ○ اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لے ○ تو اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرنے لگ اور اس سے مغفرت کی دعا مانگ' بیشک وہ معاف کرنے والا ہے ○

گناہوں کی بخشش مانگو اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو: ☆☆ (آیت:۱-۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بڑی عمر والے بدری مجاہدین کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بھی شامل کر لیا کرتے تھے تو شاید کسی کے دل میں اس سے کچھ ناراضگی پیدا ہوئی ہو گی' اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ نہ آیا کریں ان جتنے تو ہمارے بچے ہیں' خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم انہیں خوب جانتے ہو۔ ایک دن سب کو بلایا اور مجھے بھی یاد فرمایا میں سمجھ گیا کہ آج انہیں کچھ دکھانا چاہتے ہیں جب ہم سب جا پہنچے تو امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے پوچھا کہ سورۂ اِذَا جَآءَ کی نسبت تمہیں کیا علم ہے؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں خدا کی حمد و ثنا بیان کرنے اور گناہوں کی بخشش چاہنے کا حکم کیا گیا ہے کہ جب مدد خدا آ جائے اور ہماری فتح ہو تو ہم یہ کریں اور بعض بالکل خاموش رہے تو آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں' فرمایا پھر اور کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا پیغام ہے' آپ کو معلوم کرایا جا رہا ہے کہ اب آپ کی دنیوی زندگی ختم ہونے کو ہے' آپ تسبیح اور حمد میں اور استغفار میں مشغول ہو جایئے' حضرت فاروقؓ نے فرمایا یہی میں بھی جانتا ہوں (بخاری)

جب یہ سورت اتری تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اب اسی سال میرا انتقال ہو جائے گا' مجھے میرے انتقال کی خبر دی گئی ہے (مسند احمد) مجاہد ابو العالیہ ضحاک رحمہم اللہ علیہم وغیرہ بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ مدینہ شریف میں تھے فرمانے لگے اللہ

اکبر اللہ اکبر خدائی مدد آ گئی اور فتح بھی' یمن والے آ گئے' پوچھا گیا' حضور یمن والے کیسے ہیں؟ فرمایا وہ نرم دل لوگ ہیں' سلجھی ہوئی طبیعت والے ہیں' ایمان تو یمنیوں کا ہے اور سمجھ بھی یمنیوں کی ہے اور حکمت بھی یمن والوں کی ہے (ابن جریر) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورت اتری چونکہ اس میں آپ کے انتقال کی خبر تھی تو آپ نے اپنے کاموں میں اور کمر کس لی اور تقریباً وہی فرمایا جو اوپر گزرا (طبرانی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ سورتوں میں پوری سورت نازل ہونے کے اعتبار سے سب سے آخری سورت یہی ہے (طبرانی) اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری آپ نے اس کی تلاوت کی اور فرمایا لوگ ایک کنارہ ہیں اور میں اور میرے اصحاب ایک کنارہ میں ہیں' سنو فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے' مروان کو جب یہ حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ نے سنائی تو یہ کہنے لگا جھوٹ کہتا ہے' اس وقت مروان کے ساتھ اس کے تخت پر حضرت رافع بن خدیج اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی بیٹھے تھے تو حضرت ابو سعیدؓ فرمانے لگے ان دونوں کو بھی اس حدیث کی خبر ہے' یہ بھی اس حدیث کو بیان کر سکتے ہیں لیکن ایک کو تو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوٰۃ کی وصولی کے عہدے سے سبکدوش ہو جانے کا ڈر ہے۔ مروان نے یہ سن کر کوڑا اٹھا کر حضرت ابو سعید کو مارنا چاہا ان دونوں بزرگوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے مروان' سن حضرت ابو سعیدؓ نے سچ بیان فرمایا ہے (مسند احمد) یہ حدیث ثابت ہے۔

حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن فرمایا ہجرت نہیں رہی ہاں جہاد اور نیت ہے' جب تمہیں چلنے کو کہا جائے اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث موجود ہے' ہاں یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض صحابہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس سورت کا یہ مطلب بیان کیا کہ جب ہم پر اللہ تعالیٰ شہر اور قلعے فتح کر دے اور ہماری مدد فرمائے تو ہمیں حکم مل رہا ہے کہ ہم اس کی تعریفیں بیان کریں' اس کا شکر کریں' اس کی پاکیزگی بیان کریں' نماز ادا کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں' یہ مطلب بھی بالکل صحیح ہے اور یہ تفسیر بھی نہایت پیاری ہے' دیکھو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کی نماز پڑھی تھی' لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ ضحیٰ کی نماز آپ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے پھر اس دن جبکہ شغل اور کام بہت زیادہ تھا' مسافرت تھی اسے کیسے پڑھی؟ آپ کی اقامت فتح کے موقعہ پر مکہ شریف میں رمضان شریف کے آخر تک انیس دن رہی' آپ فرض نماز کو بھی قصر کرتے رہے' روزہ بھی نہیں رکھا اور تمام لشکر جو تقریباً دس ہزار تھا اسی طرح کرتا رہا' ان حقائق سے یہ بات صاف ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ نماز فتح کے شکریہ کی نماز تھی' اسی لئے سردار لشکر امام وقت مستحب ہے کہ جب کوئی شہر فتح ہو تو داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز ادا کرے' حضرت سعد بن ابی وقاص نے فتح مدائن والے دن ایسا ہی کیا تھا' ان آٹھ رکعتوں کو دو دو رکعتیں کر کے ادا کرے' گو بعض کا یہ قول بھی ہے کہ آٹھوں ایک ہی سلام سے پڑھ لے' لیکن ابو داؤد کی حدیث میں صراحتاً مروی ہے کہ حضورؐ نے اس نماز میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا ہے۔ دوسری تفسیر بھی صحیح ہے جو ابن عباسؓ وغیرہ نے کی ہے کہ اس میں آپ کو آپ کے وصال کی خبر دی گئی کہ جب آپ اپنی بستی مکہ فتح کر لیں جہاں سے ان کفار نے آپ کو نکل جانے پر مجبور کیا تھا اور آپ اپنی آنکھوں اپنی محنت کا پھل دیکھ لیں کہ فوجوں کی فوجیں آپ کے جھنڈے تلے آ جائیں' جوق در جوق لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تو ہماری طرف آنے کی اور ہم سے ملاقات کی تیاریوں میں لگ جاؤ' سمجھ لو کہ جو کام ہمیں تم سے لینا تھا پورا ہو چکا' اب آخرت کی طرف نگاہیں ڈالو جہاں آپ کے لئے بہت بہتری ہے اور اس دنیا سے بہت زیادہ بھلائی آپ کے لئے وہاں ہے' وہیں آپ کی مہمانی تیار ہے اور مجھ جیسا میزبان ہے' تم ان نشانات کو دیکھ کر بکثرت میری حمد و ثنا کرو اور توبہ استغفار میں لگ جاؤ۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے رکوع سجدے میں بکثرت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ پڑھا کرتے تھے' آپ قرآن کی اس آیت فسبح پر عمل کرتے تھے۔ اور

روایت میں ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں ان کلمات کا اکثر ورد کرتے تھے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ خدا کی ذات پاک ہے اسی کے لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں میں خدا سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف جھکتا ہوں' اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں کہ مکہ فتح ہو گیا اور دین اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہونے لگیں تو میں ان کلمات کو بہ کثرت کہوں' چنانچہ بحمد للہ میں اسے دیکھ چکا لہذا اب اس وظیفے میں مشغول ہوں (مسند احمد) ابن جریر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضورؐ اپنی آخری عمر میں بیٹھتے اٹھتے چلتے پھرتے آتے جاتے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھا کرتے' میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ حضورؐ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے اس سورت کی تلاوت کی اور فرمایا مجھے حکم خدا ہے' کسی مجلس میں بیٹھیں پھر وہ مجلس برخاست ہو تو کیا پڑھنا چاہئے' اسے ہم اپنی ایک مستقل تصنیف میں لکھ چکے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ جب یہ سورت اتری تو حضورؐ اسے اکثر اپنی نماز میں تلاوت کرتے اور رکوع میں تین مرتبہ یہ پڑھتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ فتح سے مراد یہاں فتح مکہ ہے' اس پر اتفاق ہے' عموماً عرب قبائل اسی کے منتظر تھے کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ جائیں اور مکہ ان کے زیر نگیں آ جائے تو پھر ان کے نبی ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں' اب جبکہ خدا نے اپنے حبیب کے ہاتھوں مکہ فتح کرا دیا تو یہ سب اسلام میں آ گئے اس کے بعد دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ سارا عرب مسلمان ہو گیا اور ہر ہر قبیلے میں اسلام اپنا راج کرنے لگا فالحمد للہ۔

صحیح بخاری شریف میں بھی حضرت عمرو بن سلمہ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ مکہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلے نے اسلام کی طرف سبقت کی' ان سب کو اسی بات کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو' دیکھو اگر یہ نبی برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آ جائیں گے اور مکہ پر ان کا جھنڈا نصب ہو جائے گا' ہم نے غزوہ فتح مکہ کا پورا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے جو صاحب تفصیلات دیکھنا چاہیں وہ اس کتاب کو دیکھ لیں فالحمد للہ۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑوسی جب اپنے کسی سفر سے واپس آئے تو حضرت جابرؓ ان سے ملاقات کرنے کے لئے گئے انہوں نے لوگوں کی پھوٹ اور ان کے اختلاف کا حال بیان کیا اور ان کی نو ایجاد بدعتوں کا تذکرہ کیا تو صحابی رسول ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں نے حبیب خدا شافع روز جزا حضرت محمد مصطفیٰ فداہ ابی و امی ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں کی فوجیں کی فوجیں خدا کے دین میں داخل ہوئیں لیکن عنقریب جماعتیں کی جماعتیں ان میں سے نکلنے بھی لگ جائیں گی۔ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ علی احسانہ۔

تفسیر سورۃ تبت

میں اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں جو بڑا رحمان نہایت رحیم ہے

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں وہ خود ہلاک ہو گیا ○ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی ○ بھڑکنے والی آگ میں وہ جائے گا ○ اور اس کی بیوی بھی' جو

لکڑیاں ڈھونے والی ہے ○ اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی ○

بدترین اور بدنصیب میاں بیوی: ☆☆ (آیت:۱-۵) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطحا میں جا کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور اونچے اونچی آواز سے یَا صَبَاحَاہُ یَا صَبَاحَاہُ کہنے لگے قریش سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کہوں کہ صبح یا شام دشمن تم پر چھاپہ مارنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے جواب دیا جی ہاں' آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں خدائی سخت عذابوں کے آنے کی خبر دے رہا ہوں' تو ابولہب کہنے لگا تجھے ہلاکت ہو' کیا اسی لئے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت اتری (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ ہاتھ جھاڑتا ہوا یوں کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ تَبَّتْ بددعا ہے اور تَبَّ خبر ہے' یہ ابولہب یہ آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا' اس کی کنیت ابوعتبہ تھی' اس کے چہرے کی خوبصورتی اور چمک دمک کی وجہ سے اسے ابولہب یعنی شعلے کہا جاتا تھا' یہ حضور کا بدترین دشمن تھا' ہر وقت ایذا دہی تکلیف رسائی اور نقصان پہنچانے کے درپے رہا کرتا تھا۔ ربیعہ بن عباد دیلی اپنے اسلام لانے کے بعد اپنا جاہلیت کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے' لوگوں کا مجمع آپ کے آس پاس لگا ہوا تھا' میں نے دیکھا کہ آپ کے پیچھے ہی ایک گورے چٹے چمکتے چہرے والا بھینگی آنکھ والا جس کی سر کے بڑے بالوں کے دو مینڈھیاں تھیں آیا اور کہنے لگا لوگو یہ بے دین ہے جھوٹا ہے' غرض آپ لوگوں کے مجمع میں جا کر خدا کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور یہ دشمن پیچھے پیچھے یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا' میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آپ کا چچا ابولہب ہے (لعنہ اللہ) (مسند احمد)۔

ابوالزیاد نے راوی حدیث حضرت ربیعہؓ سے کہا کہ آپ تو اس وقت بچہ سے ہوں گے' فرمایا نہیں میں اس وقت خاصی عمر کا تھا' مشک لاد کر پانی بھر لایا کرتا تھا دوسری روایت میں ہے اپنے باپ کے ساتھ تھا' میری جوان عمر تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور فرماتے لوگو! میں تمہاری طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' مجھے سچا جانو' مجھے میرے دشمنوں سے بچاؤ تا کہ میں اس کا کام بجا لاؤں جس کا حکم مجھے دے کر خدائے تعالیٰ نے بھیجا ہے' آپ جہاں یہ پیغام پہنچا کر فارغ ہوتے کہ آپ کا چچا ابولہب پیچھے سے پہنچتا اور کہتا اے فلاں قبیلے کے لوگو یہ شخص تو تمہیں لات و عزیٰ سے ہٹانا چاہتا ہے اور بنو مالک بن اقیش کے تمہارے حلیف جنوں سے تمہیں دور کر رہا ہوں اور اپنی نئی لائی ہوئی گمراہی کی طرف تمہیں بھی گھسیٹ رہا ہے' خبردار نہ اس کی سننا نہ ماننا (احمد و طبرانی)

اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے کہ ابولہب برباد ہوا' اس کی کوشش غارت ہوئی' اس کے اعمال ہلاک ہوئے' بالیقین اس کی بربادی ہو چکی' اس کی اولادیں اس کے کام نہ آئیں۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا تو ابولہب کہنے لگا اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق ہیں تو میں قیامت کے دن اپنا مال و اولاد خدا کو فدیے میں دے کر اس کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا اس پر آیت مَآ اَغْنٰی اتری۔ پھر فرمایا کہ یہ شعلے مارنے والی آگ میں جو سخت جلانے والی اور بہت تیز ہے داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو قریش عورتوں کی سردار تھی' اس کی کنیت ام جمیل تھی' نام اروی تھا' حرب بن امیہ کی لڑکی تھی' ابوسفیان کی بہن تھی اور اپنے خاوند کے کفر و عناد اور سرکشی و دشمنی میں یہ بھی اس کے ساتھ تھی اسی لئے قیامت کے دن عذابوں میں بھی اسی کے ساتھ ہوگی لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لائے گی اور جس آگ میں اس کا خاوند جل رہا ہوگا ڈالتی جائے گی' اس کے گلے میں آگ کی رسی ہوگی اور جہنم کا ایندھن سمیٹتی رہے گی۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ سے مراد اس کا غیبت گو ہونا ہے۔ امام ابن جریرؒ اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ابن عباس وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ جنگل سے خاردار لکڑیاں چن لاتی تھی اور حضورؐ کی راہ میں بچھا دیا کرتی تھی' یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ عورت نبی ﷺ کو فقیری کا طعنہ دیا کرتی تھی تو اسے اس کا لکڑیاں چننا یاد دلایا گیا' لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے واللہ اعلم۔

سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس ایک نفیس ہار تھا کہتی تھی کہ اسے میں فروخت کر کے محمد (ﷺ) کی مخالفت میں خرچ کروں گی' تو یہاں فرمایا گیا کہ اس کے بدلے اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے گا۔ مسد کے معنی کھجور کی رسی کے ہیں۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں یہ جہنم کی زنجیر ہے جس کی ایک ایک کڑی ستر ستر گز کی ہے' ثوریؒ فرماتے ہیں یہ جہنم کا طوق ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے' جوہری فرماتے ہیں یہ اونٹ کی کھال کی اور اونٹ کے بالوں کی بنائی جاتی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی لوہے کا طوق۔ حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب یہ سورت اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں نوکدار پتھر لئے یوں کہتی ہوئی حضور کے پاس آئی۔

مُذَمَّمًا اَبَيْنَا وَدِيْنَهٗ قَلَيْنَا وَاَمْرَهٗ عَصَيْنَا

یعنی ہم مذمم کے منکر ہیں اس کے دین کے دشمن ہیں اور اس کے نافرمان ہیں۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ کعبتہ اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے' آپ کے ساتھ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے' صدیق اکبر نے اسے اس حالت میں دیکھ کر حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آ رہی ہے ایسا نہ ہو آپ کو دیکھ لے آپ نے فرمایا صدیق بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی' پھر آپ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی تا کہ اس سے بچ جائیں' خود قرآن فرماتا ہے وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان پوشیدہ پردے ڈال دیتے ہیں' یہ ڈائن آن کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس کھڑی ہو گئی گو حضورؐ بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ہی بالکل ظاہر بیٹھے ہوئے تھے لیکن قدرتی حجابوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا' وہ حضور کو نہ دیکھ سکی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگی مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے یعنی شعروں میں میری مذمت کی ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں رب البیت کی قسم حضورؐ نے تیری کوئی ہجو نہیں کی' تو یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں (ابن ابی حاتم)

ایک مرتبہ یہ اپنی لمبی چادر اوڑھے طواف کر رہی تھی' پیر چادر میں الجھ گیا اور پھسل پڑی تو کہنے لگی مذمم غارت ہو۔ ام حکیم بنت عبدالمطلب نے کہا میں تو پاک دامن عورت ہوں' اپنی زبان نہیں بگاڑوں گی اور درست کرنے والی ہوں پس داغ نہ لگاؤں گی اور ہم سارے ایک ہی دادا کی اولاد میں ہیں اور قریش بھی پھر تو زیادہ جاننے والے ہیں۔ بزار میں ہے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے تو حضرت صدیقؓ نے قسم کھا کر جواب دیا کہ نہ تو آپ شعر گوئی جانتے ہیں نہ کبھی آپ نے شعر کہے اس کے جانے کے بعد حضرت صدیقؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں؟ آپ نے فرمایا فرشتہ آڑ بن کر کھڑا ہوا تھا جب تک وہ واپس چلی نہ گئی۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اس کے گلے میں جہنم کی آگ کی رسی ہو گی' جس سے اسے کھینچ کر جہنم سے اوپر لایا جائے گا پھر ڈھیلی چھوڑ کر جہنم کی تہہ میں پہنچایا جائے گا' یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا۔ ڈول کی رسی کو عرب مسد کہہ دیا

کرتے ہیں۔عربی شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں لایا گیا ہے ہاں یہ یاد رہے کہ یہ بابرکت سورت ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی ایک اعلیٰ دلیل ہے کیونکہ جس طرح ان کی بدبختی کی خبر اس سورت میں دی گئی تھی اسی طرح واقعہ بھی ہوا ان دونوں کو ایمان لانا آخر تک نصیب ہی نہ ہوا نہ تو وہ ظاہر میں مسلمان ہوئے نہ باطن میں نہ چھپے نہ کھلے پس یہ سورت زبردست بہت صاف اور روشن دلیل ہے حضور ﷺ کی نبوت کی اس سورت کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور اسی کے فضل و کرم اور اسی کے احسان و انعام کی یہ برکت ہے۔

تفسیر سورۃ الاخلاص

شان نزول اور فضیلت کا بیان: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا اپنے رب کے اوصاف بیان کرو اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ صمد کے معنی ہیں جو نہ تو پیدا ہوا ہو نہ اس کی اولاد ہو اس لئے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ ایک وقت مرے گا بھی اور دوسرے اس کے وارث ہوں گے اللہ عزوجل نہ مرے نہ اس کا کوئی وارث ہو اس جیسا اور اس کی جنس کا کوئی نہیں نہ اس کے مثل کوئی چیز ہے۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔ ابویعلی موصلی میں بھی ہے کہ ایک اعرابی نے یہ سوال کیا تھا اور روایت میں ہے کہ مشرکین کے اس سوال کے جواب میں یہ سورت اتری۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر چیز کی نسبت ہے اور خدا کی نسبت یہ سورت ہے۔ صمد اسے کہتے ہیں جو کھوکھلا نہ ہو۔ بخاری شریف کتاب التوحید میں ہے کہ حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر کہیں بھیجا جس وقت وہ پلٹے تو انہوں نے کہا حضور نے ہم پر جسے سردار بنایا تھا وہ ہر نماز کی قرات کے خاتمہ پر سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھا کرتے تھے آپ نے فرمایا ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ یہ سورت رحمان کی صفت ہے مجھے اس کا پڑھنا بہت ہی پسند ہے حضورؐ نے فرمایا انہیں خبر دو کہ خدا بھی اس سے محبت رکھتا ہے۔

بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ ایک انصاری مسجد قبا کے امام تھے ان کی عادت تھی کہ الحمد ختم کر کے پھر اس سورت کو پڑھتے پھر جونسی سورت پڑھنی ہوتی یا جہاں سے چاہتے قرآن پڑھتے۔ ایک دن مقتدیوں نے کہا کہ آپ اس سورت کو پڑھتے پھر دوسری سورت ملاتے ہیں یا کیا؟ یا تو آپ صرف اسی کو پڑھئے یا چھوڑ دیجئے دوسری سورت ہی پڑھا کیجئے انہوں نے جواب دیا کہ میں تو جس طرح کرتا ہوں کرتا رہوں گا تم چاہو تو مجھے امام رکھو کہو تو میں تمہاری امامت چھوڑ دوں اب انہیں یہ بات بھاری پڑی جانتے تھے کہ ان سب میں یہ زیادہ افضل ہیں ان کی موجودگی میں دوسرے کا نماز پڑھانا بھی انہیں گوارا نہ ہو سکا ایک دن جبکہ حضورؐ ان کے پاس تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے امام صاحب سے کہا تم کیوں اپنے ساتھیوں کی بات نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورت کو کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ مجھے اس سورت سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔ ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا میں اس سورت سے بہت محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔ ایک شخص نے کسی کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے رات کے وقت سنا کہ وہ بار بار اسی کو دوہرا رہا ہے۔ صبح کے وقت آ کر اس نے حضورؐ سے ذکر کیا گویا کہ وہ اسے ہلکے ثواب کا کام جانتا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ سورت مثل تہائی قرآن کے ہے (بخاری)

صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک رات میں

ایک تہائی قرآن پڑھ لو تو یہ صحابہ پر بھاری پڑا اور کہنے لگے بھلا اتنی طاقت تو ہر ایک میں نہیں آپ نے فرمایا سنو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری رات اسی سورت کو پڑھتے رہے حضورؐ سے جب ذکر کیا گیا تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ ہر رات تیسرا حصہ قرآن کا پڑھ لیا کرے' صحابہ کہنے لگے یہ کس سے ہو سکے گا؟ آپ نے فرمایا سنو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی آ گئے آپ نے سن لیا اور فرمایا ابوایوب سچ کہتے ہیں (مسند احمد)

ترمذی میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے صحابہ سے فرمایا جمع ہو جاؤ' میں تمہیں آج تہائی قران سناؤں گا' لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے' آپ گھر سے آئے' سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی اور پھر گھر چلے گئے' اب صحابہ میں باتیں ہونے لگیں کہ وعدہ تو حضور کا یہ تھا کہ تہائی قرآن سنائیں گے شاید آسمان سے کوئی وحی آ گئی ہو اتنے میں آپ پھر واپس آئے اور فرمایا میں نے تم سے تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا' سنو یہ سورت تہائی قران کے برابر ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر دن تہائی قرآن شریف پڑھ لیا کرو' لوگوں نے کہا حضور ہم اس سے بہت عاجز اور بہت ضعیف ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تین حصے کئے ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تیسرا حصہ ہے (مسلم نسائی وغیرہ) ایسی ہی روایتیں صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت سے مروی ہیں آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کہیں سے آ رہے تھے آپ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو آپ نے ایک شخص کو اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر فرمایا واجب ہو گئی' حضرت ابو ہریرہ نے پوچھا کیا واجب ہو گئی؟ فرمایا جنت (ترمذی ونسائی) ابو یعلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کیا تم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کو رات میں تین مرتبہ پڑھ لے؟ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ مسند احمد میں ہے عبداللہ بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے تھے' رات اندھیری تھے' حضورؐ کا انتظار تھا کہ آپ تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں' آپ آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے پڑھ' میں چپکا رہا' آپ نے پھر فرمایا پڑھ' میں نے کہا کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا ہر صبح شام تین تین مرتبہ سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ لیا کر' یہ کافی ہو جائے گی۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے ہر چیز سے تجھے یہ کفایت کرے گی۔ مسند کی ایک اور ضعیف حدیث میں ہے جس نے ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھ لیا اسے چالیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں وہ کلمات یہ ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَتَهٗ وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ان کے راوی خلیل بن مرہ ہیں' جنہیں حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ وغیرہ بہت ضعیف بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس پوری سورت کو دس مرتبہ پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر کرے گا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ پھر تو ہم بہت سے محل بنوالیں گے آپ نے فرمایا خدا اس سے بھی زیادہ اور اس سے بھی اچھے دینے والا ہے۔ دارمی میں ہے کہ دس مرتبہ پر ایک محل' بیس پر دو' تیس پر تین' یہ حدیث مرسل ہے۔ ابو یعلی موصلی کی ایک ضعیف حدیث ہے کہ جو شخص اس سورت کو پچاس مرتبہ پڑھ لے اس کے پچاس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' اسی کی ایک اور ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو ایک دن میں دو سو مرتبہ پڑھ لے اس کے لئے ایک ہزار پانچ سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو۔ ترمذی کی اس حدیث میں ہے کہ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں مگر یہ کہ اس پر قرض ہو۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے جو شخص

سونے کے لئے اپنے بستر پر جائے پھر داہنی کروٹ کیٹ کر سو دفعہ اس سورت کو پڑھ لے تو قیامت کے دن رب عزوجل فرمائے گا اے میرے بندے اپنی داہنی طرف سے جنت میں چلا جا۔ بزار کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں ہے جو شخص اس سورت کو دو سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دو سو سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ نسائی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دعا مانگ رہا ہے اپنی دعا میں کہتا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کی گواہی دے کر کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز ہے نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ ہمسر اور ساتھی کوئی اور۔ آپ یہ سن کر فرمانے لگے اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے خدا کے اس بڑے نام کے ساتھ کہ جب کبھی اس نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہو اور جب کبھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہو۔

ابو یعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین کام ہیں جو انہیں ایمان کے ساتھ کر لے وہ جنت کے تمام دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں چلا جائے اور جس کسی حور جنت سے چاہے نکاح کرا دیا جائے جو اپنے قاتل کو معاف کر دے اور پوشیدہ قرض ادا کر دے اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۂ قُلْ ھُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھ لے' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ جو ان تینوں کاموں میں سے ایک کر لے آپ نے فرمایا ایک پر بھی یہی درجہ ہے۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس سورت کو گھر میں جاتے وقت پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس گھر والوں سے اور اس کے پڑوسیوں سے فقیری دور کر دے گا' اس کی اسناد ضعیف ہے۔

مسند ابو یعلی میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان تبوک میں تھے' سورج ایسی روشنی نور اور شعاروں کے ساتھ نکلا کہ ہم نے اس سے پہلے ایسا صاف شفاف اور روشن و منور نہیں دیکھا تھا' حضور کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ آج سورج کی اس تیز روشنی اور زیادہ نور اور چمکیلی شعاروں کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا آج مدینہ میں حضرت معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے جن کے جنازے کی نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے آسمان سے بھیجے ہیں' پوچھا ان کے کس عمل کے باعث؟ فرمایا وہ سورۂ قل ھو اللہ احد اکو دن رات چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے پڑھا کرتے تھے' اگر آپ کا ارادہ ہو تو زمین سمیٹ لوں اور آپ ان کے جنازے کی نماز ادا کر لیں؟ آپ نے فرمایا بہت اچھا' پس آپ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ اس حدیث کو حافظ ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں یزید بن ہارون کی روایت سے لائے ہیں۔ وہ علاء بن محمد سے روایت کرتے ہیں' ان پر موضوع حدیثیں بیان کرنے کی تہمت ہے واللہ اعلم۔ مسند ابو یعلی میں اس کی دوسری سند بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں' اس میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول مقبول ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے کہ کیا آپ ان کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں' حضرت جبرئیل نے اپنا پر زمین پر مارا' تمام درخت اور سب ٹیلے وغیرہ پست ہو گئے ان کا جنازہ حضورؐ کو نظر آنے لگا' آپ نے نماز شروع کی اور آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں' ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے آپ نے دریافت کیا کہ آخر اس مرتبہ کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ان کی سورت سے محبت اور ہر وقت آتے جاتے بیٹھتے اٹھتے اس کی تلاوت اسے بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور بیہقی کی سند میں محبوب بن بلال ہیں۔

ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں یہ مشہور نہیں' ابو یعلی میں یہ راوی نہیں وہاں ان کی جگہ ابو عبداللہ محمود ہیں لیکن ٹھیک بات محبوب کا ہونا ہے

اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں اور سب ضعیف ہیں۔ ہم نے اختصار کے لئے انہیں یہاں نقل نہیں کیا۔ مسند احمد میں ہے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی میں نے جلدی سے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یا رسول اللہ مومن کی نجات کس عمل پر ہے؟ آپ نے فرمایا اے عقبہ زبان تھامے رکھ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہا کر اور اپنی خطاؤں پر روتا رہ۔ پھر دوبارہ جب حضورؐ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عقبہ کیا میں تمہیں توراۃ اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اتری ہوئی تمام سورتوں سے بہترین سورتیں بتاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضورؐ ضرور ارشاد فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے۔ پس آپ نے مجھے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں پھر فرمایا دیکھو عقبہ انہیں نہ بھولنا اور ہر رات انہیں پڑھ لیا کرنا' فرماتے ہیں پھر نہ میں انہیں بھولا اور نہ کوئی رات ان کے پڑھے بغیر گذاری' میں نے پھر آپ سے ملاقات کی اور جلدی کر کے آپ کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے بہترین اعمال کا ارشاد فرمائیے' آپ نے فرمایا سن جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ' جو تجھے محروم رکھے تو اسے دے' جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگذر کر اور معاف کر دے' اس کا بعض حصہ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی زہد کے باب میں وارد کیا ہے اور فرمایا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ مسند احمد میں بھی اس کی ایک اور سند ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ رات کے وقت جب بستر پر جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں تک ہاتھ پہنچتے پہنچاتے' پہلے سر پر' پھر منہ پر' پھر اپنے سامنے کے جسم پر' تین مرتبہ اسی طرح کرتے۔ یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

میں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں ○

کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہے ○ اللہ بے نیاز ہے ○ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ○ اور نہ کوئی اس کا ہم جنس ہے ○

اپنی حکمت وتدبر میں وحدہ لاشریک : ☆☆ (آیت:۱-۴) اس کے نازل ہونے کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے ہم حضرت عزیر کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور نصرانی کہتے تھے ہم حضرت مسیح کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور مجوسی کہتے تھے ہم سورج چاند کی پرستش کرتے ہیں اور مشرک کہتے تھے ہم بت پرست ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری کہ اے نبی تم کہہ دو کہ ہمارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو واحد اور احد ہے' جس جیسا کوئی نہیں' جس کا کوئی وزیر نہیں' جس کا کوئی شریک نہیں' جس کا کوئی ہمسر نہیں' جس کا کوئی ہم جنس نہیں' جس کا برابر اور کوئی نہیں' جس کے سوا کسی میں الوہیت نہیں۔ اس لفظ کا اطلاق صرف اسی کی ذات پاک پر ہوتا ہے وہ اپنی صفتوں میں اور اپنے حکمت بھرے کاموں میں یکتا اور بے نظیر ہے وہ صمد ہے یعنی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں اپنی شرافت میں اپنی بندگی اور عظمت میں اپنے علم وحلم میں' اپنی حکمت وتدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہے' یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ میں ہی پائی جاتی ہیں۔

اس کا ہمسر اور اس جیسا کوئی اور نہیں' وہ اللہ سبحانہ وتعالٰی سب پر غالب ہے اور اپنی ذات وصفات میں یکتا اور بے نظیر ہے' صمد کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے' جو ہمیشہ کی بقا والا' سب کی حفاظت کرنے والا ہو' جس کی ذات لازوال اور غیر فانی ہو۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں صمد وہ ہے جو نہ کچھ کھائے نہ اس میں سے کچھ نکلے۔ یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ صمد کی تفسیر اس کے بعد ہے یعنی نہ اس میں سے کچھ نکلے نہ وہ کسی میں سے نکلے یعنی نہ اس کی اولاد ہو نہ ماں باپ' یہ تفسیر بہت اچھی اور عمدہ ہے اور ابن جریر کی روایت سے حضرت ابی بن کعبؓ سے صراحتاً یہ مروی ہے جیسے کہ پہلے گذرا اور بہت سے صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ صمد کہتے ہیں ٹھوس چیز کو جو کھوکھلی نہ ہو جس کا پیٹ نہ ہو۔ شعبی کہتے ہیں جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو۔ عبداللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں صمد وہ نور ہے جو روشن ہو اور چمک دمک والا ہو۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ صمد وہ ہے جس کا پیٹ نہ ہو لیکن اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں' صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب السنہ میں لفظ صمد کی تفسیر میں ان تمام اقوال وغیرہ کو وارد کر کے لکھتے ہیں کہ دراصل یہ سب سچے ہیں اور صحیح ہیں۔ کل صفتیں ہمارے رب عزوجل میں ہیں' اس کی طرف سب محتاج بھی ہیں' وہ سب سے بڑھ کر سردار اور سب سے بڑا ہے' اسے نہ پیٹ ہے نہ وہ کھوکھلا ہے نہ وہ کھائے نہ پئے' سب فانی ہیں اور وہ باقی ہے وغیرہ۔ پھر فرمایا اس کی اولاد نہیں نہ اس کے ماں باپ ہیں نہ بیوی۔ جیسے اور جگہ ہے بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَّخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ یعنی وہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے اسے اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی بیوی نہیں ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے یعنی وہی ہر چیز کا خالق مالک ہے پھر اس کی مخلوق اور ملکیت میں سے اس کی برابری اور ہمسری کرنے والا کون ہوگا؟ وہ ان تمام عیوب اور نقصان سے پاک ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا یعنی یہ کفار کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد ہے تم تو ایک بڑی بری چیز لائے' قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں اس بنا پر کہ انہوں نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے حالانکہ خدا کو یہ لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو' تمام زمین وآسمان میں کے کل کے کل خدا کے غلام ہی بن کر آنے والے ہیں' خدا کے پاس تمام کا شمار ہے اور انہیں ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اور یہ سب کے سب تنہا تنہا اس کے پاس قیامت کے دن حاضر ہونے والے ہیں' اور جگہ ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ یعنی ان کافروں نے کہا کہ رحمان کی اولاد ہے خدا اس سے پاک ہے بلکہ وہ تو خدا کے باعزت بندے ہیں بات میں بھی اس سے سبقت نہیں کرتے' اسی کے فرمان پر عامل ہیں' اور جگہ ہے وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا الخ' یعنی انہوں نے اللہ تعالٰی کے اور جنات کے درمیان نسب قائم کر رکھا ہے حالانکہ جنات تو خود اس کی فرمانبرداری میں حاضر ہیں' اللہ تعالٰی ان کے بیان کردہ عیوب سے پاک و برتر ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایذا دینے والی باتوں کو سنتے ہوئے صبر کرنے میں خدا سے زیادہ صابر کوئی نہیں' لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں اور پھر بھی وہ انہیں روزیاں دیتا ہے اور عافیت وتنگدستی عطا فرماتا ہے۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اسے ایسا نہ چاہئے' مجھے گالیاں دیتا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہ تھا' اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اول خدا نے مجھے پیدا کیا ایسے ہی پھر نہیں لوٹائے گا حالانکہ پہلی مرتبہ کی پیدائش دوسری مرتبہ کی پیدائش سے کچھ آسان تو نہ تھی جب میں اس پر قادر ہوں تو اس پر کیوں نہیں؟ اور اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں تنہا ہوں' میں ایک ہی ہوں میں صمد ہوں نہ میری اولاد نہ میرے باپ نہ مجھ جیسا کوئی اور۔ الحمدللہ سورۂ اخلاص کی تفسیر خدا کے فضل وکرم اور اس کے لطف ورحم سے ختم ہوئی۔

تفسیر سورة الفلق

مضبوط پناہ گاہیں' ناقبل تسخیر مدافعت اور شافی علاج: ☆☆ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سورت کو اور اس کے بعد کی سورت کو قرآن شریف میں نہیں لکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میری گواہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ تو میں نے بھی یہی کہا پھر کہا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تو میں نے یہی کہا' تو ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان دونوں سورتوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعودؓ تو ان دونوں کو قرآن شریف میں سے کاٹ دیا کرتے تھے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا کہو' میں نے کہا پس ہم بھی کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا (ابوبکر حمیدی) مسند میں بھی یہ روایت الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور بخاری شریف میں بھی۔ مسند ابویعلی وغیرہ میں ہے کہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں نہیں لکھتے تھے اور نہ قرآن میں انہیں شمار کرتے تھے' بلکہ قاریوں اور فقیہوں کے نزدیک مشہور بات یہی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں نہیں لکھتے تھے شاید انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نہ سنا ہو اور تواتر کے ساتھ ان تک نہ پہنچا ہو۔ پھر یہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے جماعت کے قول کی طرف پلٹ آتے ہیں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان سورتوں کو ائمہ کے قرآن میں داخل کیا جس کے نسخے چوطرف پھیلے وللہ الحمد والمنہ۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا چند آیتیں مجھ پر اس رات ایسی نازل ہوئی ہیں جن جیسی کبھی دیکھی نہیں گئیں' پھر آپ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث مسند احمد میں' ترمذی میں اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں میں حضورؐ کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں آپ کی سواری کی نکیل تھامے چلا جا رہا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا اب آؤ تم سوار ہو جاؤ' میں نے اس خیال سے آپ کی بات نہ مانوں گا تو نافرمانی ہو گی' سوار ہونا منظور کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اتر گیا اور حضورؐ سوار ہو گئے پھر آپ نے فرمایا عقبہ میں تجھے دو بہترین سورتیں کیا نہ سکھاؤں؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ضرور سکھایئے' پس آپ نے مجھے سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں' پھر نماز کھڑی ہوئی آپ نے نماز پڑھائی اور اور ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت کی' پھر مجھ سے فرمایا تو نے دیکھ لیا؟ سن جب تو سوئے اور جب کھڑا ہو انہیں پڑھ لے' ترمذی' ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے بعد ان سورتوں کی تلاوت کا حکم دیا۔ یہ حدیث بھی ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں ہے' امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ان جیسی سورتیں تو نے پڑھی ہی نہیں۔ حضرت عقبہ والی حدیث جس میں حضورؐ کی سواری کے ساتھ آپ کا ہونا مذکور ہے' اس کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ جب حضور نے مجھے یہ سورتیں بتلائیں تو مجھے کچھ زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھ کر فرمایا کہ شاید تو انہیں چھوٹی سی سورتیں سمجھتا ہے' سن نماز کے قیام میں ان جیسی سورتوں کی قرات اور ہے ہی نہیں۔ نسائی شریف کی حدیث میں ہے کہ ان جیسی سورتیں کسی پناہ پکڑنے والے کے لئے اور نہیں' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عقبہ سے یہ سورتیں حضور نے پڑھائیں پھر فرمایا نہ تو دعا کی ان جیسی اور سورتیں ہیں نہ تعویذ کی ایک روایت میں ہے صبح کی فرض نماز حضورؐ نے ان ہی دونوں سورتوں سے پڑھائی۔ اور حدیث میں ہے حضرت عقبہؓ حضور کی سواری کے پیچھے جاتے ہیں اور آپ کے قدم پر ہاتھ رکھ کر عرض کرتے ہیں حضورؐ مجھے سورۂ ہود یا سورۂ یوسف پڑھائیے آپ نے فرمایا خدا کے پاس نفع دینے والی کوئی سورت قُلْ اَعُوْذُ

بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نہیں - اور حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ پناہ حاصل کرنے والوں کے لئے ان دونوں سورتوں سے افضل سورت اور کوئی نہیں - پس بہت سی حدیثیں اپنے تواتر کی وجہ سے اکثر علماء کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی کہ آپ نے ان دونوں سورتوں اور سورۂ اخلاص کی نسبت فرمایا کہ چاروں کتابوں میں ان جیسی سورتیں نہیں اتریں - نسائی وغیرہ میں ہے کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے' سواریاں کم تھیں' باری باری سوار ہوتے تھے' حضرت نے ایک شخص کے مونڈھوں کے پر ہاتھ رکھ کر یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اور فرمایا جب نماز پڑھ تو انہیں پڑھا کر - ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت عقبہ بن عامرؓ ہوں گے' واللہ اعلم - حضرت عبداللہ بن سلام کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آپ نے فرمایا کہ وہ نہ سمجھے کہ کیا کہیں' پھر فرمایا کہ تو انہوں نے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی آپ نے فرمایا اسی طرح پناہ مانگا کر اس جیسی پناہ مانگنے کی اور سورت نہیں (نسائی) نسائی کی اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابرؓ سے یہ دونوں سورتیں آپ نے پڑھوائیں پھر فرمایا انہیں پڑھتا رہ ان جیسی سورتیں تو اور پڑھے گا -

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی وہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ حضور انہیں پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر اپنے سر چہرے اور سامنے کے جسم پر پھیر لیتے تھے - موطا مالک میں ہے کہ جب نبی ﷺ بیمار پڑتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر کر اپنے اوپر پھونک لیا کرتے تھے' جب آپ کی بیماری سخت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معوذات پڑھ کر خود آپ کے ہاتھوں کو آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھیں اور اس سے قصد آپ کا آپ کے ہاتھوں کی برکت کا ہوتا تھا سورۂ ن کی تفسیر کے آخر میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات کی اور انسانوں کی آنکھوں سے پناہ مانگا کرتے تھے' جب یہ دونوں سورتیں اتریں تو آپ نے انہیں لے لیا اور باقی سب چھوڑ دیں - امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

ع ۵ ۲۸

اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحم کرنے والے کے نام سے شروع کرتا ہوں ○

تو کہہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ○ ہر اس چیز کی برائی سے جسے اس نے پیدا کیا ہے ○ اور اندھیری رات کی برائی سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے ○ اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کی برائی سے ○ اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرے ○

بیماری' وبا' جادو اور ان دیکھی بلاؤں سے بچاؤ کی دعا: ☆☆ (آیت: ۱-۵) حضرت جابرؓ وغیرہ فرماتے ہیں فلق کہتے ہیں صبح کو خود قرآن میں اور جگہ ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ابن عباسؓ سے مروی ہے فلق سے مراد مخلوق ہے - حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں فلق جہنم میں ایک جگہ ہے جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو اس کی آگ گرمی اور سختی کی وجہ سے تمام جہنمی چیخنے لگتے ہیں - ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے لیکن وہ حدیث منکر ہے' یہ بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جہنم کا نام ہے -

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ٹھیک قول پہلا ہی ہے یعنی مراد اس سے صبح ہے - امام بخاریؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور یہی

صحیح ہے- تمام مخلوق کی برائی سے جس میں جہنم بھی داخل ہے اور ابلیس اور اولاد ابلیس بھی- غَاسِق سے مراد رات ہے- اِذَا وَقَبَ سے مراد سورج کا غروب ہو جانا ہے یعنی رات جب اندھیرا لئے ہوئے آ جائے- ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ عرب ثریا ستارے کے غروب ہونے کو غاسق کہتے ہیں' بیماریاں اور وبائیں اس کے واقع ہونے کے وقت بڑھ جاتی تھیں اور اس کے طلوع ہونے کے وقت اٹھ جاتی تھیں- ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ستارہ غاسق ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں- بعض مفسرین کہتے ہیں مراد اس سے چاند ہے-

ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہاتھ تھامے ہوئے چاند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس غاسق کی برائی سے پناہ مانگ- اور روایت میں ہے غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سے یہی مراد ہے دونوں قولوں میں باآسانی یہ تطبیق ہو سکتی ہے کہ چاند کا چڑھنا اور ستاروں کا ظاہر ہونا وغیرہ یہ سب رات ہی کے وقت ہوتا ہے جب رات آ جائے واللہ اعلم- گرہ لگا کر پھونکنے والیوں سے مراد جادوگر عورتیں ہیں- حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں شرک کے بالکل قریب وہ منتر ہیں جنہیں پڑھ کر سانپ کے کاٹے پر دم کیا جاتا ہے اور آسیب زدہ پر- دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں' تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ يُّؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ وَّعَيْنِ اللّٰهُ يُشْفِيْكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے میں دم کرتا ہوں ہر اس بیماری سے جو تجھے دکھ پہنچائے اور ہر حاسد کی برائی اور بد سے اللہ تجھے شفا دے- اس بیماری سے مراد شاید وہ بیماری ہے جبکہ آپ پر جادو کیا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عافیت اور شفا بخشی اور حاسد یہودیوں کے جادوگر کے مکر کو رد کر دیا اور ان کی تدبیروں بے اثر کر دیں اور انہیں رسوا اور فضیحت کیا لیکن باوجود اس کے رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے اوپر جادو کرنے والے کو ڈانٹا ڈپٹا تک نہیں' خدائے تعالیٰ نے آپ کی کفایت کی اور آپ کو عافیت اور شفا عطا فرمائی- مسند احمد میں ہے نبی ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کیا' جس سے کئی دن تک آپ بیمار رہے' پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر بتایا کہ فلاں یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور فلاں فلاں کنویں میں گرہیں لگا کر رکھا ہے' آپ کسی کو بھیج کر اسے نکلوا لیجئے' آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیجا اور اس کنویں سے وہ جادو نکلوا کر گرہیں کھول دیں سارا اثر جاتا رہا' پھر نہ تو آپ نے اس یہودی سے کبھی اس کا ذکر کیا اور نہ کبھی اس کے سامنے منہ میلا کیا- صحیح بخاری شریف کتاب الطب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا' آپ سمجھتے تھے کہ آپ ازواج مطہرات کے پاس آئے حالانکہ نہ آئے تھے-

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں یہی سب سے بڑا جادو کا اثر ہے جب یہ حالت آپ کی ہو گئی' ایک دن آپ فرمانے لگے عائشہ میں نے اپنے رب سے پوچھا اور میرے پروردگار نے بتلا دیا' دو شخص آئے' ایک میرے سرہانے ایک میرے پاؤں کی طرف' سرہانے والے نے اس دوسرے سے پوچھا ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے' پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ کہا عبید بن اعصم نے جو بنو زریق کے قبیلے کا ہے جو یہودی کا حلیف ہے اور منافق شخص ہے' کہا کس چیز میں؟ کہا تر کھجور کے درخت کی چھال میں' پتھر کی چٹان تلے دوران کے کنویں میں' پھر حضور علیہ السلام اس کنویں کے پاس آئے اور اس میں سے وہ نکلوایا' اس کا پانی ایسا تھا گویا مہندی کا گدلا پانی' اس کے پاس کے کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے تھے' میں نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ ان سے بدلہ لینا چاہئے- آپ نے فرمایا الحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تو شفا دے دی اور میں لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کرتا-

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک کام کرتے نہ تھے اور اس کے اثر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کر چکا ہوں' اور یہ بھی ہے کہ اس

کنویں کو آپ کے حکم سے بند کر دیا گیا - یہ بھی مروی ہے کہ چھ مہینے تک آپ کی یہی حالت رہی' تفسیر ثعلبی میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ یہود کا ایک بچہ نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا' اسے یہودیوں نے بہکا سکھا کر آپ کے چند بال اور آپ کی کنگھی کے چند دندانے منگوا لئے اور ان میں جادو کیا' اس کام میں زیادہ تر کوشش کرنے والا لبید بن اعصم تھا' پھر ذوران نامی کنویں میں جو بنو زریق کا تھا اسے ڈال دیا' پس حضورؐ بیمار ہو گئے سر کے بال جھڑنے لگے' خیال آتا تھا کہ میں عورتوں کے پاس ہو آیا حالانکہ آتے نہ تھے' گو آپ اسے دور کرنے کی کوشش میں تھے لیکن وجہ معلوم نہ ہوتی تھی' چھ ماہ تک یہی حال رہا' پھر وہ واقعہ ہوا جو اوپر بیان کیا کہ فرشتوں کے ذریعے آپ کو اس تمام حال کا علم ہو گیا اور آپ نے حضرت علی کو حضرت زبیر کو اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو بھیج کر کنویں میں سے وہ سب چیزیں نکلوائیں' ان میں ایک تانت تھی جس میں بارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ پر ایک سوئی چبھی ہوئی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں اتاریں - حضور ﷺ ایک ایک آیت ان کی پڑھتے جاتے تھے اور ایک ایک گرہ اس کی خود بخود کھلی جاتی تھی' جب یہ دونوں سورتیں پوری ہوئیں وہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپ بالکل شفایاب ہو گئے۔

ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وہ دعا پڑھی جو اوپر گذر چکی ہے - لوگوں نے کہا حضورؐ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اس خبیث کو پکڑ کر قتل کر دیں' آپ نے فرمایا نہیں خدا نے مجھے تو تندرسی دے دی اور میں لوگوں میں شر و فساد پھیلانا نہیں چاہتا - یہ روایت تفسیر ثعلبی میں بلا سند مروی ہے' اس میں غرابت بھی ہے اور اس کے بعض حصے میں سخت نکارت ہے اور بعض کے شواہد بھی ہیں جو پہلے بیان ہو چکے واللہ اعلم۔

تفسیر سورة الناس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بخشش اور مہربانی کرنے والے کے نام سے ○

تو کہہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں ○ لوگوں کے مالک کی ○ لوگوں کے معبود کی ○ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے ○ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ○ خواہ وہ جن ہو یا انسان ○

خالق' پرورش کنندہ' مالک' حکمران' معبود حقیقی اور پناہ دہندہ: ☆☆ (آیت: ۱-۶) اس میں اللہ تعالیٰ نے عزوجل کی تین صفتیں بیان ہوئی ہیں' پالنے اور پرورش کرنے کی' مالک اور شہنشاہ ہونے کی' معبود اور لائق عبادت ہونے کی - تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں' اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں مشغول ہیں' پس وہ حکم دیتا ہے کہ ان پاک اور برتر صفات والے خدا کی پناہ میں آ جائے جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طلب ہو - شیطان جو انسان پر مقرر ہے' اس کے وسوسوں سے وہی بچانے والا ہے' ہر انسان کے ساتھ یہ ہے' برائیوں اور بدکاریوں کو خوب زینت دار کر کر کے لوگوں کے سامنے وہ پیش کرتا رہتا ہے اور بہکانے میں' راہ راست سے ہٹانے میں کوئی کمی نہیں کرتا'

اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے خدا بچالے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان ہے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے' پس میں سلامت رہتا ہوں وہ مجھے صرف نیکی اور اچھائی کی بات ہی کہتا ہے۔

بخاری مسلم کی اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ایک واقعہ منقول ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت ﷺ جب اعتکاف میں تھے تو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس رات کے وقت آئیں جب واپس جانے لگیں تو حضور بھی پہنچانے کے لئے ساتھ چلے' راستے میں دو انصاری صحابی مل گئے جو آپ کو بیوی صاحبہ کے ساتھ دیکھ کر جلدی چل دیئے' حضور نے انہیں آواز دے کر ٹھہرایا اور فرمایا سنو میرے ساتھ میری بیوی صفیہ بنت حیی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں انہوں نے کہا سبحان اللہ یا رسول اللہ اس فرمان کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہ شیطان گھومتا پھرتا رہتا ہے' مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں وہ کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔ حافظ ابو یعلی موصلی رحمہ اللہ نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ شیطان اپنا ہاتھ انسان کے دل پر رکھے ہوئے ہے' اگر یہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تب تو اس کا ہاتھ ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ ذکر اللہ بھول جاتا ہے تو وہ اس کے دل پر پورا قبضہ کر لیتا ہے' یہی وسواس الخناس ہے' یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے' ایک صحابی آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' گدھے نے ٹھوکر کھائی تو ان کے منہ سے نکلا شیطان برباد ہو' آنحضرت ﷺ نے فرمایا یوں نہ کہو اس سے شیطان بڑھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت سے گرا دیا اور جب تم بسم اللہ کہو تو وہ گھٹ جاتا ہے یہاں تک کہ مکھی کے برابر ہو جاتا ہے' اس سے ثابت ہوا کہ ذکر اللہ سے شیطان پست اور مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے وہ بڑا ہو جاتا ہے اور غالب آ جاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے تھپکتا اور بہلاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے جانور کو بہلاتا ہو' پھر اگر وہ خاموش رہا تو وہ ناک میں نکیل یا منہ میں لگام چڑھا دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان فرما کر فرمایا تم خود اسے دیکھتے ہو نکیل والا تو وہ ہے جو ایک طرف جھکا کھڑا ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو اور لگام والا وہ ہے جو منہ کھولے ہوئے ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں شیطان ابن آدم کے دل پر جنگل مارے ہوئے ہے' جہاں یہ بھولا اور غفلت کی کہ اس نے وسوسے ڈالنے شروع کئے اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور یہ پیچھے ہٹا۔ سلیمانؒ فرماتے ہیں مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان راحت و رنج کے وقت انسان کے دل میں سوراخ کرنا چاہتا ہے یعنی اسے بہکانا چاہتا ہے' اگر یہ خدا کا ذکر کرے تو یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی احللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ شیطان برائی سکھاتا ہے جہاں انسان نے اس کی مان لی پھر ہٹ جاتا ہے' پھر فرمایا جو وسوسے ڈالتا لوگوں کے سینے میں' لفظ ناس جو انسان کے معنی میں ہے اس کا اطلاق جنوں پر بھی بطور غلبہ کے آ جاتا ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ کہا گیا ہے تو جنات کو لفظ ناس میں داخل کر لینے میں کوئی قباحت نہیں' غرض یہ ہے کہ شیطان جنات کے اور انسان کے سینے میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔

اس کے بعد کے جملے مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کے سینوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے وہ جن بھی ہیں اور انسان بھی' اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ وسواس ڈالنے والا خواہ کوئی جن ہو خواہ کوئی انسان جیسے اور جگہ ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن

انسانی اور جناتی شیطان بنائے ہیں' ایک دوسرے کے کان میں دھوکے کی باتیں بنا سنوار کر ڈالتے رہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں آیا اور بیٹھ گیا آپ نے فرمایا نماز بھی پڑھی؟ میں نے کہا نہیں' فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں ادا کر لو' میں اٹھا اور دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر! اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو انسان شیطانوں اور جن شیطانوں سے' میں نے کہا یا رسول اللہ کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں' میں نے کہا یا رسول اللہ نماز کیسی چیز ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا بہترین چیز ہے' جو چاہے کم کرے جو چاہے زیادتی کرے میں نے پوچھا روزہ؟ فرمایا کافی ہونے والا فرض ہے اور خدا کے پاس زیادتی ہے' اس نے پھر پوچھا صدقہ؟ حضورؐ نے فرمایا بہت ہی بڑھا چڑھا کر کئی کئی گنا کر کے بدلہ دیا جائے گا' میں نے پھر عرض کی حضور کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا باوجود مال کی کمی کے صدقہ کرنا یا چپکے سے چھپا کر کسی مسکین فقیر کے ساتھ سلوک کرنا' میں نے سوال کیا حضور سب سے پہلے نبی کون تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں نبی اور وہ بھی وہ جن سے خدائے تعالیٰ نے بات چیت کی' میں نے کیا یا رسول اللہ رسول کتنے ہوئے؟ فرمایا تین سو کچھ اوپر دس بہت بڑی جماعت' اور کبھی فرمایا تین سو پندرہ میں نے کہا یا رسول اللہ جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ان سب سے بڑی عظمت والی آیت کون سی ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا آیت الکرسی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الخ' یہ حدیث نسائی میں بھی ہے اور ابو حاتم بن حبان کی صحیح ابن حبان میں تو دوسری سند سے دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بہت بڑی ہے فاللہ اعلم۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میرے دل میں تو ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کا زبان سے نکالنا مجھ پر آسمان پر سے گر پڑنے سے بھی زیادہ برا ہے' نبی ﷺ نے فرمایا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللہ ہی کے لئے حمد و ثنا ہے جس نے شیطان کے مکر و فریب کو وسوسے میں ہی لوٹا دیا' یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے احسان سے یہ تفسیر ختم ہوئی۔

والحمد للہ رب العالمین

اللہ کے فضل و کرم سے تیسویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی اور تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ تفسیر محمدی بالکل کامل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پاک کلام کی صحیح سمجھ دے اور اس پر عمل نصیب فرمائے اور پھر قبول کرے۔ آمین اله الحق امين والحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على جميع المرسلين۔